

رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
 نے فرمایا کہ جو شخص اپنے آپ کو
 عورت کی سربراہی کا
 اسلام میں کوئی تصور نہیں

تشریح
 فضائل الخیرین علیہ السلام

ایم اے محمدی گوڈ مڈل سٹڈ، ایم اے اسلامیات
 شریعت کونسل جامعہ الازہر القاہم

ناشر
 انجمن اہل حدیث مسجد مبارک
 اسلام آباد کالج ریلوے روڈ لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

*** توجہ فرمائیں! ***

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب.....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ

لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔

متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی

نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
وہ قوم کبھی منسلح نہیں پائیگی کہ جس نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کیا۔
(بخاری)

عورت کی سہراہی کا اسلام میں کوئی تصور نہیں

مختصر

فضل الرحمن بن محمد
ایم اے عربی گولڈ میڈلسٹ ایم اے اسلامیات
شریعہ کورس جامعہ لازہ القاضیہ

انجمن اہل حدیث مسجد مبارک اسلامیہ کالج لاہور
ریلوے روڈ

259، 1
فصل 1 - 1

جملہ حقوق محفوظ ہیں

انجمن اہلحدیث مسجد مبارک ، لاہور

جنوری ۱۹۹۰ء

زاہد بشیر پریس ، لاہور

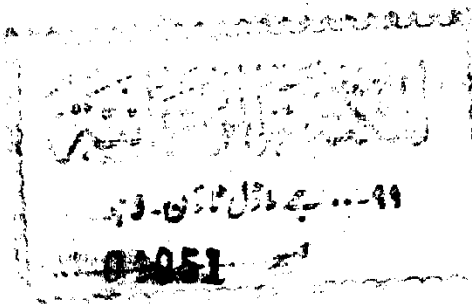
محمد صدیق خوشنویس

ناشر

طبع اول

مطبع

کتابت



کیا عورت مُلک کی سربراہ ہو سکتی ہے؟

OH : 61288
Phone Res : 862889

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تاریخ : ۶/۱۲/۸۸
۸۵۲۸۸۹

Hafiz Abdul Qader Ropar
AMEER MARKAZI JAMAT AHLEHADITH
PAKISTAN

حافظ عبدالقادر روبری

امیر مرکزی جماعت الاحدیت پاکستان

Dated ۲۲/۱۲/۱۹۸۹

سَمَاحَةُ الشَّيْخِ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ بَازٍ حَفَظَ اللَّهُ تَعَالَى

رُئِيسَ لِعَامِ لَدَارَاتِ الْبَحْثِ الْعِلْمِيَّةِ وَالْفَتْوَا وَالِدَعْوَةِ وَالْإِسْلَامِ

www.KitaboSunnat.com

فِي مَسْئَلَةِ وِلَايَةِ الْمَرْأَةِ فِي الدَّوْلَةِ الْإِسْلَامِيَّةِ

الْحُجَّاءُ مِنْ قَضَائِكُمْ الْجَوَابُ مُسْتَدَلَّةً مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ

جَزَاكُمْ اللَّهُ خَيْرًا

المستفتى: حافظ عبدالقادر روبری کان الله له

بلدہ - طائف

۲۲/ دسمبر ۱۹۸۹ء

سعودی عرب

الاستفتاء

فضيلة الشيخ عبد العزيز بن باز حفظه الله قال: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته
آپ کا اس بارے میں کیا فتویٰ ہے کہ:

سوتی عورت کسی مسلمان ملک کی حمران بن سکتی ہے یا نہیں؟

آپ کتاب و سنت کی روشنی میں اس سوال کا جواب (مطل) ارشاد فرمائیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔

مستفتی: حافظ عبدالقادر روبری کان الله له

عورت کی سربراہی کے بارے میں سعودی عرب کے مفتی اعظم کا فتویٰ

بسم الله الرحمن الرحيم

المملكة العربية السعودية

لإدارات الحج والعمرة والإفتاء والدعوة والإرشاد

مكتب الرئيس

الرقم : _____

التاريخ : ۲۳/۵/۱۴۱۰

الملاحظات : _____

الموضوع

الحمد لله وحده وبعد :

والجواب :

تولية المرأة واختيارها للرئاسة العامة للمسلمين لا يجوز وقد دل الكتاب والسنة والاجماع على ذلك .

لأن الكتاب قوله تعالى (الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض) والحكم في الآية عام شامل لتولية الرجل وقوامته في أسرته وكذا في الرئاسة العامة من باب أراس ويوم . كذا هذا الحكم وورد التعليق في الآية وهو الظلية الرجال على النساء وهي الظلية تدخل فيها الفلسفة العقل والراي وغيرها من موه هلاك الحكيم والرئاسة .

ومن السنة قوله (على الله عليه وسلم) لما ولي القرى ابنه كرى (لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة) رواه البخاري . ولأنك أن هذا الحديث يدل على تحريم تولية المرأة الإمرة العامة وكذا توليتها إمرة إقليم أو بلد لأن ذلك كله له ملك المصوم وقد نفي الرسول (على الله عليه وسلم) الفلاح ممن ولاها . والفلاح : هو الظفر والظفر بالخير .

وقد أجمعت الأمة في عصر الخلفاء الراشدين وأئمة القرون الثلاثة المشهود لها بالخير إجماعاً مطلقاً على عدم إسناد الإمارة والخلفاء إلى امرأة . وقد كان منهن من المتفكرات في علوم الدين اللاتي يرجح اليهن في علوم القرآن والحديث والأحكام . بل لم تنطع النساء في تلك القرون إلى تولي الإمارة وما يتصل بها من المناصب والزعامات العامة .

ثم إن الأخكام الشرعية العامة تتعارض مع تولية النساء الولايات العامة . فإن

الشان في الإمارة أن يتلقوا مسئوليتها أحوال الرعية ويتولى شئونها العامة اللازمة لصلاحها فيخطر إلى الأنظار في الولايات والاحتلال بالفراد الأمة وجماعاتها وإلى قيادة الجيش أحيانا في الجهاد وإلى مواجهة الأعداء في أبرام عقود ومعاهدات وإلى مقابلة بيعات مع الفراء الأمة وجماعاتها رجالا ونساء في السلم والحرب ونحو ذلك مما لا يتناسب مع أحوال المرأة وما يتعلق بها من أحكام شرعت لحمايتها ورقيها والحفاظ عليها من التبدل المملوك .

وأما فإن المعالجة المدركة بالعقل تقتضي عدم استناد الولايات العامة لهن فإن المطلوب في من يختار للرئاسة أن يكون على جانب كبير من كمال العقل والحزم والدهاء وقوة الإرادة وحسن التدبير وهذه الصفات تتناقض مع ما جعلت عليه المرأة من نظم العقل ومنع الفكر مع قوة العاطفة فاختيارها لهذا المنصب لا يتفق مع النصح للمسلمين وطلب العز والتمكين لهم .

والله الموفق . وعلى الله وعلى محمد وعلى آله وصحبه .

الرئيس العام

لإدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد

www.KitaboSunnat.com

ميد العزيز بن عبد الله بن باز

عورت ملک کی سربراہ نہیں ہو سکتی

الجواب : بسم الله الرحمن الرحيم

عورت کی حکمرانی یا اس کا مسلمان پر عام اختیار جائز نہیں۔ کتاب و سنت اور اجماع امت اس

پر دلالت کرتے ہیں۔

پہلی دلیل : اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَ
بِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ۔

اس آیت کا حکم عام ہے کہ جس طرح مرد طاقت ور ہونے کی وجہ سے اپنے خاندان پر حکومت کرتا ہے اسی طرح عام حکومت کرنے کا حق بھی وہی رکھتا ہے۔

دوسری دلیل: سنت نبویؐ سے ہے کہ جب اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو حکومت کا سربراہ بنایا تو سر در کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لن یفلح قوم ولوا امرہم امرأۃ (بخاری)

”وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنی حاکم عورت کو بنالیا۔“

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو کسی ملک کی

حکمران بنانا حرام ہے۔ اسی طرح عورت کسی صوبہ یا شہر پر بھی حکمران نہیں بن سکتی کیونکہ اس حدیث کا حکم بھی عام ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمادیا کہ جس کسی نے بھی عورت کو حاکم بنایا وہ کبھی فلاح نہیں پکٹتا۔ فلاح سے خیر کا حصول اور کامیابی ہے۔

تیسری دلیل: اجماع امت غلطیٰ راشدین اور کبار صحابہؓ سے لے کر ائمہ دین قرون ثلاثہ تک اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کو حاکم بنانا جائز نہیں حالانکہ اس وقت ان میں دینی علوم کی ایسی ماہر عورتیں تھیں کہ جب کبھی قرآن و حدیث یا احکامات سے کسی مسئلہ کی ضرورت پیش آئی تو ان کی طرف رجوع کیا گیا۔ قرون ثلاثہ اور اس کے بعد کسی عورت کو کوئی منصب یا عہدہ نہیں سونپا گیا۔

پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ شرعی احکام یہ اجازت نہیں دیتے کہ کسی عورت کو صدر یا حکمران بنا دیا جائے کیونکہ حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات کی پرواہ کئے بغیر قومی خدمت اور اصلاح معاشرہ کے لئے عوام میں مل بیٹھے۔ اسی طرح وہ لاچار ہوتا ہے کہ خارجی علاقات کے لئے غیر ملکی دورے کرے۔ جہاد میں لشکر کی قیادت، دشمنوں سے معاہدہ یا لین دین کے بارہ میں گفتگو کرے۔

جو عورت کے لئے مناسب نہیں کہ اُن میں مل جل کر فٹائے کیوں کہ اسلامی شریعت عورت کو اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اسلام تو عورت کو اپنی آبرو اور عزت کی حفاظت پر زور دیتا ہے۔

اور پھر عقل سلیم بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ عورت کسی ملک کی حکمرانی کی اہل نہیں کیونکہ یہ ضروری ہے کہ جس شخص کو صدارت یا وزارت یا حکمرانی کے لئے منتخب کیا جائے وہ نہایت زبردست عاقل، حازم، قوی الارادہ، اچھی صفات اور تدبیر کا مالک ہو۔ یہ اور ایسی صفات عورت میں نہیں پائی جاتیں۔ کیوں کہ ان کی عقل اور قوت ارادہ کم ہوتی ہے۔ عورت کا فکر کمزور ہوتا ہے اس کو اس منصب یا عہدہ کے لئے اختیار کرنا مسلمانوں کی عزت و احترام کے لئے درست نہیں۔ واللہ الموفق۔ وصلى الله عليه وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه۔

الرئيس العام لادارات البحوث العلميه والافتاء والدعوة والارشاد
عبدالعزیز بن عبدالمعز بن باز۔ سعودی عرب

www.KitaboSunnat.com

فضیلۃ الشیخ بن باز حفظہ اللہ کے فتویٰ سے پہلے عورت کی حکمرانی کی حمایت کرنے والوں کی طرف سے یہ عام سننے میں آتا تھا کہ سعودی عرب کے کسی عالم نے جب عورت کی سربراہی کی مخالفت نہیں کی تو پاکستان کے علماء اس مسئلے کو کیوں اچھا ل رہے ہیں اور اس بنا پر وہ سعودی علماء سے بڑے خوش تھے لیکن جب سے فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ کا فتویٰ شائع ہوا ہے تب سے ان کے خلاف بھی پروپیگنڈہ کا سلسلہ شروع کر دیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کی حکمرانی کی حمایت کرنے والوں کا میاں بھی یہ ہے کہ جو بھی قرآن و سنت کی بات کرے اس کی مخالفت کی جائے۔

فہرست

صفحہ	عنوان
۱۹	تبہیدی کلمات
۲۵	ڈاکٹر اسرار صاحب کا عجیب موقف
۲۵	ہر مسلمان کا فرضیہ
۲۷	مرد عورتوں پر حاکم ہیں
۲۹	عورت کی امامت
۳۱	شیعہ کتب میں عورت کی امامت
۳۲	کیا عورت مردوں کی امام بن سکتی ہے۔
۳۴	اُمّ ورقہ کی امامت
۳۶	ڈاکٹر احمد حسن کا استفسار
۳۷	محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا نوٹ
۳۸	محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے نوٹ کا تجزیہ۔
۴۱	عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔
۴۷	کیا وراثت میں مرد اور عورت برابر ہیں؟
۴۸	کیا شہادت میں مرد اور عورت برابر ہیں؟

- ۴۹ اہم سوال و حضرت عائشہؓ کی قیادت
- ۵۲ رضیہ سلیمانہ کی حکمرانی
- ۵۴ ملکہ من بلقیس کا واقعہ
- ۵۷ مختصر فاطمہ جناح کا الیکشن اور مولانا مودودیؒ کی کان کی حمایت کرنا
- ۵۹ مولانا مودودیؒ کا اپنا عقیدہ
- ۶۳ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا فرمان
- ۶۳ پروفیسر محمد اسلم صاحب کا استدلال
- ۶۵ جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب کی بحث کا خلاصہ
- ۶۵ فلاح سے کیا مراد ہے ؟
- ۶۷ پوران و خنت کے ساتھ فلاح والی حدیث کو خاص کرنا۔
- ۶۵ ائمہ تفسیر کا متفقہ فیصلہ۔
- ۶۵ ایک اور سوال
- ۶۶ قرآنی رہنمائی
- ۶۶ مسلم خواتین کی سربراہی
- ۶۸ نواب صدیق الحسنؒ کا تفسیری فتویٰ
- ۶۹ صحیح بات
- ۸۰ پروفیسر رفیع اللہ شہاب کی تحقیق
- ۸۰ اسلامی تعلیمات کو بازیچہٴ اطفال نہ بنایا جائے
- ۸۵ اسلام میں عورت کی سربراہی کے موضوع پر ایک انقلاب آفرین کتاب

- ۸۸ پاکستان ٹائمز میں چھپنے والے دو مضمون
- ۹۲ انقلاب آفرین کتاب ”عورت اور مسئلہ امارت“
- ۹۳ عورت کا ناقص العقل اور ناقص الدین ہونا۔
- ۹۵ عورت کے بارے میں غلط بیانی
- ۹۷ عورت کا طیر طھی پسلی سے پیدا ہونا۔
- ۱۰۰ عورت کے قاتل کو قصاص میں قتل کرنا۔
- ۱۰۱ عورت کی دیت
- ۱۰۳ عجیب بات
- ۱۰۳ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کے بعد حلالہ
- ۱۰۵ حدیث ابنِ اَبی حاتم و لو ا امرہ امرأۃ کے بارے میں جنابِ رحمت اللہ طارق کا توہین آمیز و منکرانہ موقف
- ۱۰۷ تباہی فارس کا پس منظر
- ۱۰۸ تباہی فارس کسی خاتون کی قیادت کا نتیجہ نہیں تھی۔
- ۱۱۰ عورت کی سربراہی کی حمایت کرنے والوں میں اختلاف
- ۱۱۱ جنابِ رحمت اللہ طارق کے پیش کردہ پس منظر کا تجزیہ
- ۱۱۳ لفظ ”قوم“ کی وضاحت
- ۱۱۴ جنابِ رحمت اللہ طارق کی افسوسناک زیادتی
- ۱۱۸ مضحکہ نیز تادیل
- ۱۱۹ مصداق ہی غلط ہے۔

- ۱۲۰ ابن حجرؒ کا اضطراب
- ۱۲۱ ہوا کا رخ دیکھ کر
- ۱۲۳ سیاسی احادیث کا اعتبار
- ۱۲۴ اس حدیث کو عربین شریفین والے نہیں جانتے تھے۔
- ۱۲۶ یہ حدیث منقطع ہے۔
- ۱۲۷ ایک مغالطہ
- ۱۲۸ اس حدیث میں حدیث کا شائبہ
- ۱۲۸ تہلیل کیا ہے؟
- ۱۳۰ حسن البصرؒ کی سیاسی مذہب
- ۱۳۲ ابن حجرؒ کی مایوسی
- ۱۳۵ جائزہ
- ۱۳۶ جائزہ
- ۱۳۷ جائزہ
- ۱۳۸ تبصرہ
- ۱۴۰ متضاد کرسی فلسفہ عورت کا سماجی مرتبہ تسلیم نہیں کرتا۔
- ۱۴۲ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ
- ۱۴۵ امام بخاریؒ کا امتحان
- ۱۴۹ علم کی عزت
- ۱۵۱ امام بخاریؒ کی وفات

۱۵۲	صحیح بخاری	
۱۵۷	چھ لاکھ احادیث کی وضاحت	
۱۵۸	احادیث کی اہمیت	
۱۶۰	امام بخاری کے جعبرائے کرام کی گواہی	۴۱۸
۱۶۱	جناب رحمت اللہ طارق کے اعتراضات	۴۱۹
۱۶۳	اعتراضات کا تجزیہ	۴۲۲
۱۶۴	اعتراضات کا جواب	۴۲۴
۱۶۵	حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۴۲۵
۱۶۶	اصل واقعہ	۴۲۶
۱۶۸	حضرت ابوبکرؓ کا اسلام اور ان کا مقام	
۱۶۹	کتب احادیث میں حضرت ابوبکرؓ کی روایات	
۱۷۰	جناب رحمت اللہ طارق کی تاہی	۴۲۷
۱۷۱	حضرت ابوبکرؓ پر حضرت عائشہؓ کی مخالفت کا غلط الزام	۴۲۹
۱۸۳	حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کا موقف	۴۳۰
۱۸۳	حضرت عائشہؓ کا پختہ دا	۴۳۲
۱۸۶	اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کا صحیحہ خط	۴۳۶
۱۸۹	اُطہارِ مذمت	۴۳۷
۱۹۲	مصحفہ خیر تاویل کی حقیقت	۴۳۹
۱۹۷	کیا حضرت عائشہؓ نے کسی سے اپنی بیت لیتی تھی؟	

- ۱۹۹ حضرت عائشہؓ کا زید بن صوحان کے نام خط اور اُس کا جواب
- ۲۰۰ جنگِ جمل کے بعد حضرت علیؓ کے بارے میں حضرت عائشہؓ کا فرمان
- ۲۰۱ تجزیہ
- ۲۰۲ حضرت زبیرؓ کی جنگ سے علیحدگی۔
- ۲۰۵ حضرت عائشہؓ کے خلاف گہری سازش کی حقیقت
- ۲۰۶ جمہوریت
- ۲۰۸ جھوٹ اور دھوکہ
- ۲۱۳ حضرت ابوبکرؓ کا قتال سے الگ رہنے کی وجہ
- ۲۱۶ صحابی اور عظیم مُحدثؓ پر بہتان
- ۲۱۸ صحابہؓ کی عدالت
- ۲۲۲ قانون شہادت
- ۲۲۴ حضرت عائشہؓ پر تہمت
- ۲۲۶ حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت عائشہؓ کے واقعات میں فرق
- ۲۳۲ حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں کے ساتھ نرمی
- ۲۳۲ حضرت ابوبکرؓ کی گواہی
- ۲۳۴ حدی گناہ کا کفارہ ہوتی ہے
- ۲۵۰ حضرت ابوبکرؓ کی احادیث پر اعتراض اور اُن کا جواب
- ۲۵۹ جنگِ جمل میں حصہ لینے والے سب جنتی ہیں۔
- ۲۶۱ عورت کی سربراہی کے بارے میں حدیثِ مشہور کیوں نہ تھی؟



- ۲۶۳ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے بارے میں حدیث
- ۲۶۴ خلافت کے بارے میں حدیث
- ۲۶۶ حضرت عمر فاروق کا شام سے لوٹنا
- ۲۶۸ مجوس سے جزیہ لینا۔
- ۲۶۹ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت ابو بکرؓ کی ملاقات
- ۲۷۰ مشہور نہ ہونے کی وجہ
- ۲۷۲ حضرت حسن بصریؒ
- ۲۷۵ امام بخاریؒ کی حدیث کو قبول کرنے کی شرط
- ۲۷۸ حضرت حسن بصریؒ کا محدثین کے نزدیک مرتبہ
- ۲۸۴ تدلیس اور مرسل
- ۲۸۸ لطیفہ
- ۲۸۹ عوف بن ابی حمیلہ الازہری
- ۲۹۲ عثمان بن الہشیم
- ۲۹۷ مصنفین
- ۲۹۸ سارے راوی بصری ہیں
- ۳۰۱ صحیح بخاری کے بارے میں حروف آخر
- ۳۰۲ حمید الطویل
- ۳۰۳ حافظ ابن حجرؒ پر بہتان
- ۳۰۴ حمید الطویل کے بارے میں ائمہ رجال کے اقوال

۳۰۸	مبارک بن فضالہ
۳۱۱	دلچسپ پہلو
۳۱۱۰	حماد بن سلمہ
۳۱۲	محاسبہ
۳۱۷	صریحاً دھوکہ
۳۲۲	حماد بن سلمہ کا تقویٰ
۳۲۵	علی بن زید جدعان
۳۲۸	بکار بن عبد العزیز
۳۲۹	محاسبہ
۳۳۱	ایک اور زبردست دھوکہ
۳۳۵	اپنے کھوے ہوئے گڑھے میں گرنا
۳۳۸	محمد بن ادرائہ رجال کا طریق کار
۳۳۹	تفقیہ سے محفوظ اسناد
۳۴۱	مختلف اسناد
۳۴۵	امام حافظ البیہقی المتوفی ۸۷۷ھ کی تحقیق
۳۴۶	عورت کی سربراہی کے تاریخی ثبوت کی حیثیت
۳۴۶	ست الملک
۳۴۷	محاسبہ
۳۵۱	شجرۃ الدہ

- ۳۵۳ خلیفہ بغداد کا عورت کی حکمرانی کو ختم کرنا۔
- ۳۵۶ رضیہ سلطانہ
- ۳۵۶ ملکدین
- ۳۵۷ چاند بی بی
- ۳۵۸ محاسبہ
- ۳۶۳ رحمت اللہ طارق کی تاریخی غلطی
- ۳۶۶ ترکمان خاتون
- ۳۶۷ محاسبہ
- ۳۷۳ ملکہ سبا کی سربراہی
- ۳۷۵ دادی نعل کی ہوشیار ملکہ
- ۳۷۵ جناب پرویز کے مفہوم القرآن کی ایک جھلک
- ۳۸۲ ملکہ تدمر زنوبیہ
- ۳۸۳ محاسبہ جناب رفیع اللہ شہاب کی روشن خیالی
- ۳۸۴ لائے پاکستان کا کردار
- ۳۸۸ حضرت علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
- ۳۸۹ امام حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۴۱ھ کا فرمان
- ۳۹۰ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المتوفی ۷۴۱ھ کا فرمان
- ۳۹۲ الرِّجَالُ مُتَقَوِّمُونَ عَلَى النِّسَاءِ
- ۳۹۳ عورت علی الاطلاق قاضی نہیں ہو سکتی۔

- ۳۹۴ علامہ ابن رشد کا فیصلہ
- ۳۹۶ علامہ بدر الدین العینی کی تحقیق
- ۴۰۰ ائمہ ثلاثہ کا فیصلہ
- ۴۰۲ امام ابن ہمام کی وضاحت
- ۴۰۳ جناب رفیع اللہ شہاب کا کذب عظیم
- ۴۰۳ امام علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ
- ۴۰۵ جناب رحمت اللہ طارق کی چابکدستی
- ۴۰۷ محاسبہ
- ۴۰۸ نتھو بھنگی
- ۴۱۰ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا فیصلہ
- ۴۱۱ علامہ احمد عبد الرحمن البنا ساعاتی
- ۴۱۱ علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد عسقلانی المتوفی ۹۲۳ھ
- ۴۱۲ امام شمس الدین ابو عبد اللہ الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ
- ۴۱۲ امام محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ
- ۴۱۳ علامہ عبد الرحمن مبارک پوری
- ۴۱۴ امام عبد الوہاب بن احمد بن علی الشمرانی
- ۴۱۴ امام ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المتوفی ۶۲۰ھ
- ۴۱۶ الاحکام السلطانیہ
- ۴۱۷ امامت

- محاسبہ ۴۱۸
- وزارت ۴۱۹
- عورت کے قاضی ہونے کی نفی ۴۲۲
- شیعہ کتب میں عہدہ قضا ۴۲۴
- امام نسائی کا فیصلہ ۴۲۵
- امام شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزہ ابن شہاب الدین
الربلی المتوفی ۴۲۶
- محاسبہ ۴۲۷
- فقہائے مالکیہ پر بہتان ۴۲۹
- محاسبہ ۴۳۰
- مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل ۴۳۲
- علامہ الشیخ محمد الشرنبلالی الشافعی ۴۳۶
- ام المؤمنین حضرت عائشہ کا فیصلہ ۴۳۷
- مصادر و مراجع ۴۳۹

تمہیدی کلمات

یہ مسئلہ حقیقت ہے کہ اسلام سے پہلے انسانی معاشرے میں عورت کی کوئی عزت نہ تھی۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ لڑکی کو پیدا ہوتے ہی زندہ دھڑک کر دیا جاتا۔ اگر بچ جاتی تو اپنے خاوند کے رحم و کرم پر زندگی بسر کر دیتی۔ اگر وہ اسے جوئے میں مار دیتا تو اسے معیوب نہ سمجھا جاتا۔ باپ کے فوت ہو جانے پر بیٹا اگر اس کی بیوہ سے شادی کر لیتا تو یہ اس کا حق تسلیم کر لیا جاتا۔ بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی لڑکیوں کے ذریعے بری کمائی حاصل کرنے کا عام رواج تھا۔

عورت کی مختلف حیثیتوں یعنی ماں۔ بیوی۔ بیٹی اور بہن میں سے کسی بھی حیثیت کو وہ مقام حاصل نہ تھا جو اسلام نے عورت کو عطا فرمایا۔ ماں کے پاؤں کے نیچے جنت رکھ دی۔ بیوی سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا۔ بیٹی اور بہن کی پرورش کرنے اور ان کی شادی کرنے والوں کو جنت میں سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی بشارت دے دی۔ لیکن اس کے بدلے میں عورتوں کو بھی اسلامی قانون و ضوابط کا پابند بنایا۔ جس کا اہم ترین حصہ یہ ہے کہ عورت کے دائرہ کار کو گھریلو معاملات تک محدود رکھا گیا۔ تاکہ وہ قرآنی تعلیم کے مطابق مرد کے لئے سکون کا ذریعہ و سبب بن کر اولاد کی عمرہ تربیت پر پوری طرح توجہ دے سکے۔

قرآنی و سنت میں عورت کے حقوق اور اس کے فرائض میں یہ کہیں بھی منقول نہیں کہ اس کو اسلامی ملک کی سربراہی کی ذمہ داری سونپی جائے یا اسے عہدہ قضا پر فائز کر کے لوگوں کے جھگڑوں کو پنہانے پر لگا دیا جائے۔ کیونکہ جب ایسا کیا جائے گا تو اس کی تخلیق کے مقصد میں خلل واقع ہو جائے گا۔ پاکستان کو وجود میں آئے ہوئے بیالیس سال ہو گئے لیکن آج بھی عدالتوں میں فیصلے انگریزی

قانون کے تحت ہوتے ہیں جس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے قانون دانوں کی اکثریت کی سوچ بھی انگریزی ہو چکی ہے یہی وجہ ہے کہ آئین کی تعبیر کو سترہ سو سٹے قرآن و سنت کی تعلیم کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ چنانچہ کسی دینی مسئلہ کے حل میں دینی راہنمائی لینے کی بجائے انگریزی حیل و حجت کے طریقہ کار کو اپنایا جاتا ہے جس سے غلط فہمی کی بجائے مزید الجھ جاتا ہے۔

یہی اصل عورت کی سربراہی کا ثبوت انگریزی قانون کے ماہرین نے رائے دے دی کہ آئین پاکستان میں عورت کے وزیر اعظم ہونے پر کوئی قدغن نہیں۔ لہذا نومبر ۱۹۸۸ء کے الیکشن میں کثرت کے ساتھ انتخابی کامیابی حاصل کرنے والی پارٹی کی سربراہ عورت کو پاکستان کا وزیر اعظم نامزد کر دیا گیا۔ جس پر دینی جماعتوں اور دینی ذہن رکھنے والوں نے احتجاج کیا کہ پاکستان کے آئین کی قانونی تعبیر کو قرآن و سنت پر فوقیت حاصل ہو گئی ہے کیونکہ قرآن و سنت کے مطابق عورت کسی اسلامی ملک کی سربراہ نہیں ہو سکتی۔

اس کے جواب میں قانونی ماہرین نے کہا کہ جب عورت الیکشن میں حصہ لے سکتی ہے اور وزیر و میشر بن سکتی ہے تو وزیر اعظم بننے میں اسے کونسا امر مانع ہے؟

ایسے ہی قانون دان ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن و سنت پر بھی انہیں عبور حاصل ہے ان کا کہنا ہے کہ قرآن مبین میں کہاں واضح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ عورت جگہ کی سربراہ نہیں ہو سکتی؟
قانون دانوں کے علاوہ ایسے بھی روشن خیال حضرات ہیں کہ جو غیر اسلامی ممالک کی حکمران عورتوں کی فلاح اور کامیابیوں سے متاثر ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ اگر ان ممالک میں عورتیں حکمرانی کر سکتی ہیں تو پاکستان میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟

روشن خیال حضرات میں چند وہ بھی ہیں کہ جنہوں نے عورت کی سربراہی کو کتابوں اور اخباروں میں عین اسلامی تعلیم کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ درحقیقت یہ کتاب ایسے ہی لوگوں کا محاسبہ کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ اور واضح کیا گیا ہے کہ ان حضرات نے اپنے موقف کو پیش کرتے ہوئے جس ملی

خیانت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کی مثال ہمیں ملتی صحابہؓ، محدثینؒ اور فقہاء پر طعن و تنقید کا جو رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ وہ بھی بڑا نامناسب اور جارحانہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے نامعقول اور سبوتاژ اعترافات اور محمولوں کا علمی انداز میں جواب دیا گیا ہے۔

ایک مسلمان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے جنتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اُس تک پہنچ جائے تو اُس کو قیل و قال کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی رشد و ہدایت کے لئے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپؐ مدوہ قرآن حکیم نازل ہوا جو آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو سنایا، یاد کروایا اور لکھوایا۔ صحابہؓ نے جو کچھ آپؐ سے سنا، آپؐ ہی کے حکم کے مطابق اُسے آگے پہنچایا۔ یہ سلسلہ مونی جاری رہا۔ یہاں تک کہ قرآن اور آپؐ کے اقوال و افعال ہم تک پہنچ گئے۔ محدثین نے احادیث کی پرکھ کر کے صحیح احادیث کو موضوع اور ضعیف سے الگ کر دیا۔ جمہورِ اہل سنت و علمائے اُمت نے صحیح بخاری کو قرآن کے بعد اصح الکتب قرار دے دیا۔ اور تمام صحابہؓ کے عدول ہونے پر اتفاق کر لیا۔ لیکن دشمن خیال حضرات نے محدثین اور فقہائے اُمت کے فیصلے کو نظر انداز کرتے ہوئے اور پاکستان کے عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لئے صحیح بخاری اور دوسری کتب احادیث کی زیادت پر ایسے دل آزارانہ اعتراضات وارد کئے کہ شاید کوئی غیر مسلم بھی اس کی جرأت نہ کرتا۔

ان کا کہنا ہے کہ جس حدیث سے عورت کی سربراہی کی نفی کی جاتی ہے۔ اس کے اصل راوی حضرت یحییٰ بن جابر پر حدیث مذکور تھی اور ان کے شاگرد حضرت حن بصریؒ سے ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ لہذا حدیث جابر سے گزر گئی اور ضعیف حدیث سے استدلال درست نہیں۔

انہوں نے دھوکہ دینے کے لئے جان بوجھ کر امام مالکؒ اور امام طبریؒ کے کلمات میں یہ ڈال دیا کہ عورت کی سربراہی کے قابل تھے اور علی الاطلاق اس کے قاضی ہونے کو جائز سمجھتے تھے۔

انہوں نے چند مسلمان عورتوں کے حوالے بھی دیئے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ

اس وقت کے علماء نے ان کی سربراہی پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ بلکہ ان کے خطبے پڑھے گئے۔ اور ان کے نام کے نکتے جاری ہوئے۔

حضرت عائشہؓ کو انہوں نے حضرت علیؓ کا سیاسی حریف بنا کر ان کی قیادت سے عورت کی سربراہی کا جواز پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

صحیح بخاری میں عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کی سند کے علاوہ دوسری سندوں کے راویوں پر بھی انہوں نے مختلف قسم کے اعتراض کئے ہیں۔

فقہائے احناف پر بھی انہوں نے بہتان لگایا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے کو انہوں نے بدل دیا۔ یہ وہ اعتراضات ہیں کہ جن کا علمی جواب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایک سو تیس سے اوپر کتابوں کے حواصیل سے حاصل کیا گیا ہے۔

پاکستان کی عورت وزیر اعظم کے دور حکومت میں علمائے پاکستان کی طرف سے شدید احتجاج ہوا۔ اور ہو رہا ہے۔ لیکن عورت وزیر اعظم اپنے عہدے پر قائم ہے۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ پہلے ہی جب کبھی اسلامی ملک میں کوئی عورت حکمران ہوئی ہوگی تو اُس وقت کے علماء نے بھی اعتراض احتجاج ضرور کیا ہوگا۔ لیکن جس طرح آج کوئی متیہ سامنے نہیں آیا۔ ان دنوں میں بھی یہی حال ہوا ہوگا۔

جہاں تک ان قانون دانوں کا تعلق ہے کہ جنہوں نے پاکستان کے آئین کو سامنے رکھتے ہوئے یہ رائے دی کہ عورت وزیر اعظم ہو سکتی ہے تو انہوں نے قانونی وضاحت کی ہے۔ اگر عورت کی سربراہی کو پاکستان کے آئین تک محدود رکھا جاتا تو شاید یہ کتاب لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ کیونکہ محمد لیا جاتا ہے کہ بیالیس سال کے عرصے میں جب پاکستان کے عوام ایسے آئین کو پسند کرتے ہیں کہ جس میں عورت

کی سربراہی کی کوئی مخالفت نہیں تو پھر ان کو یہ حق ہے اور جب وہ ایسی وزیر اعظم چاہتے ہیں کہ جب

کتاب لکھنے کی ضرورت تو اس طرح پیدا ہوئی کہ روشن خیال حضرات کو ایسے اخبارات مل گئے کہ جن میں ان کے خیالات کے جوابات شائع نہیں ہو سکتے تھے۔ اگرچہ ان کے اعتراضات فضول اور بیہودہ تھے۔ لیکن ان کا جواب دینا اس لئے ضروری تھا کہ عوام الناس کو ان کے کذب و دجل سے آگاہ کیا جائے۔

جو قانون دان قرآن و سنت کے بارے میں انگریزی طریقہ کار اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی خدمت میں صرف اتنا ہی عرض کیا جاتا ہے کیا قرآن حکیم میں نماز کا طریقہ، زکوٰۃ کا انصاب، حج کے مناسک کے بارے میں واضح رہنمائی موجود ہے؟ مسلمانوں کو جن جانوروں کے گوشت کھانے سے روکا گیا ہے کیا ان کے نام مذکور ہیں؟ ان کی خدمت میں یہ بھی درخواست ہے کہ قرآن و سنت کو اسی طرح سمجھنے کی کوشش کریں کہ جس طرح سلف صالحین نے سمجھ کر عمل کیا۔ اور اسلام کو منہ ہونے سے بچایا جائے۔

ہمارے ہاں ایسے بھی حضرات ہیں کہ جن کو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عورت اسلامی ملک کی سربراہ نہیں ہو سکتی کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جس قوم نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کیا وہ کبھی صلاح نہیں پائے گی۔ لیکن اُن کا کہنا ہے کہ علمائے پاکستان کو یہ بات الیکشن سے پہلے کہنی چاہیئے تھی۔ ان کی خدمت میں عرض ہے۔ اگر کوئی شخص فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب ہو جائے تو کوتاہی کے احساس کے باوجود اسے ادائیگی میں اسی تساہل اور تغافل میں غرق رہنا چاہیئے؟ کیا قرآن و سنت کی یہ تعلیم ہے؟

پھر ایسے بھی بزرگ ہیں کہ جو عورت کی سربراہی کے حق میں تو نہیں لیکن چونکہ معاشرے میں اور بھی بہت سی برائیاں ہیں اس لئے وہ اس برائی کو بھی برداشت کرنے پر رضا مند ہیں۔ ان سے بھی گزارش ہے کہ کیا مسلمان مبلغ کا یہ کام ہے کہ حق پانے کے باوجود حق کہنے میں کوتاہی کا مرتکب ہوتا رہے۔

اگرچہ ہدایت کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن کیا علمائے کرام سے اتنی باز پرس نہیں ہوگی کہ جتنے وہ مکلف ہیں۔ ۹

اس لئے اہل حق کا فرض ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق قرآن و سنت کا پیغام اللہ کی مخلوق تک پہنچاتے رہیں۔ اسی اصول کو اس کتاب میں اپنایا گیا اور اس کی تصنیف میں پورا ایک سال لگ گیا۔ کیونکہ خیال تھا کہ جب تک پاکستان آئین میں تبدیلی نہیں ہوتی، عورت کی سربراہی کا مسئلہ زندہ رہے گا۔ لہذا ایسی کتاب لکھنے کی کوشش کی جائے کہ آنے والے وقت میں بھی اٹھائے جانے والے لغو اور غیر شرعی اعتراضات کا جواب اس میں موجود ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرما کر اس کو میری بخشش کا ذریعہ بناوے۔

واخرد عوینا ان الحمد للہ رب العالمین

سے پردہ نہ تسمیٰ نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا گہبان ہے فقط مرد
جن قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا غور شیعیت جلد ہوازد

اقبال



ڈاکٹر اسرار صاحب کا عجیب موقف

۱۹ نومبر ۱۹۸۸ء کے نوائے وقت میں محترم جناب ڈاکٹر اسرار صاحب کا یہ بیان پڑھ کر بڑا تعجب ہوا کہ میں عورت کی سربراہی کو قطعاً جائز نہیں سمجھتا۔ لیکن ملک کی موجودہ سیکولر جمہوریت کے تقاضوں کے پیش نظر اسے برداشت کرنے کو تیار ہوں۔

ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ عورت کی سربراہی اسلام کی نوح اور مزاج کے منافی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے معاشرے میں دوسرے تمام امور اسلام کے مطابق سرانجام دیئے جا رہے ہیں؟ تمام دینی عناصر سود جیسی بڑی لعنت اور سب سے بڑے حرام کام کو برداشت کئے ہوئے ہیں۔ جو بلاشبہ عورت کی سربراہی سے ہزار گن بڑا گناہ ہے۔

مذکورہ بالا دلائل دے کر انہوں نے عورت کی سربراہی کا جواز پیدا کر دیا ہے۔ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا علمائے کرام کی یہ شان ہے کہ معاشرے میں ایک بُرائی کو رائج دیکھ کر دوسری بُرائی کے رائج کرنے میں ممد و معاون بن جائیں؟

حلالہ قرآن و سنت کی رُو سے عالم مبتلع کا فریضہ یہ ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق حق و صداقت کو عام و خاص تک پہنچاتا رہے۔ عوام الناس یا حکمران اس کو اپناتے ہیں یا نہیں، یہ اس کی فتر داری نہیں۔

ہر مسلمان کا فریضہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

من رأی منکم منکر فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فیلسانہ
فان لم یستطع فقلبہ وذلك اضعف الایمان
تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے اگر طاقت والا ہے تو طاقت سے اُسے روکے۔ اگر
طاقت والا نہیں تو زبان استعمال کرے اور اگر زبان استعمال نہیں کر سکتا تو دل میں سے
برائے اور یہ کمزور ترین ایمان کی علامت ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں ہر مسلمان کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق
برائی کو روکنے کی کوشش کرے۔ اگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوتا تو اس پر کوئی
گرفت نہیں ہوگی۔

ارشاد خداوندی ہے :-

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

نیکی اور تقویٰ کے کام میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کام میں تعاون مت کرو۔

بلاشبہ سود حرام ہے اور ہمارے معاشرے میں بہت امور اسلام کے مطابق سرانجام
نہیں پا رہے۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ علمائے کرام بھی ان کے ساتھ مل جائیں، جو ان کو رائج
کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ قرآن و سنت کے مطابق برائیوں کا سد باب کرنے کے بجائے مزید
برائیوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو کر دوسروں کو اس کی تلقین کریں یا رغبت دلائیں۔

۱۔ صحیح المسلم، جلد ۱، ص ۵۱۔ سنن ابی داؤد، ص ۱۶۲-۵۹۶: سنن النسائی، جلد ۲، ص ۲۶۵۔

سنن ابن ماجہ: ص ۲۹۰۔ مسند احمد: جلد ۱، ص ۲-۳۔ جلد ۲، ص ۲۰-۲۹-۵۳۔

۲۔ المسائدة: ۲

مرد عورتوں پر حاکم ہیں

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :-

الزَّجَّالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ
مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ اس وجہ سے کہ ان کے بعض کو اللہ تعالیٰ نے بعض پر فضیلت
دے رکھی ہے۔

امام راغب اصفہانی نے قوامون کا معنی راعی اور محافظ کیا ہے۔

حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہو کر اپنے خاوند کی شکایت کی کہ اس نے مجھے تھپڑ مارا ہے۔ آپ نے بدلہ لینے کا حکم
دیا ہی تھا۔ کہ یہ آیت نازل ہوئی، پس وہ بدلہ لئے بغیر واپس چلی گئی۔
حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ مرد عورت کا قیم یعنی اس کا رئیس، بکیر اور حاکم ہے۔ جب
ٹیر لھی ہو جائے تو اس کی تادیب کرے۔ اس لئے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اور
مرد عورت سے بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت مردوں کے ساتھ خاص رہی ہے اور اسی طرح
ملک الاظم یعنی ملک کا سربراہ بھی مرد ہوگا۔
امام فخر الدین رازیؒ نے نقل کیا ہے :-

لے النساء: ۳۴

لے مفردات القرآن (اردو) ص ۸۷۷۔

لے تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۴۹۲۔ الجامع لاحکام القرآن جلد ۵ ص ۱۶۸۔ الدر المنثور جلد ۱ ص ۱۵۱۔ جامع البیان ص ۵۵

کہ امامت کبریٰ اور صغریٰ مردوں میں رہے گی سہ
قرآن حکیم میں ہی ارشاد ہوتا ہے ۔

لِّلرِّجَالِ عَلَيْهِمْ دَرَجَةٌ ۚ

”مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے“

اس آیت اور سورتہ النساء کی آیت کی تشریح کرتے ہوئے المفسرین القولون والاخرون
نے کہیں بھی عورت کے اسلامی ملک کی سربراہ بننے یا ہونے کی گنجائش کا ذکر نہیں کیا بلکہ واضح
خفا میں ثابت کیا ہے کہ یہ فرضیہ مسلمان مرد کی ذمہ داری ہے اور وہی سرانجام دے گا سہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنے ملک
کی حکمران بنالیا ہے تو آپ نے فرمایا :-

لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَوْ اَمَرَهُمْ امْرَاَةٌ ۚ

وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنے ملک کی حکمرانی عورت کے ہنر
کردی ۛ

صحیح بخاری کے شارح حافظ ابن حجر عسقلانی نے المغازی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ
یث کا معنی ہے ۔

تفسیر کبیر جلد ۳ - ص ۳۱۶

البقرہ : ۲۳۸

تفسیر الراغب ص ۲۶۶ - ۲۶۷ - تفسیر خازن جلد ۱ ص ۲۴۴ - تفسیر فتح القدیر جلد ۱ ص ۶۰ - تفسیر انوار التنزیل للبغوی
جلد ۱ ص ۲۱۴ - الکشاف جلد ۱ ص ۵۵ - روح المعانی ص ۲۱۱ -
صحیح البخاری : ص ۶۳۴ - ۵۲۰ - جامع الترمذی جلد ۱ ص ۶۱ - سنن الترمذی جلد ۱ ص ۲۱ - مستدرک جلد ۱ ص ۴۳ - ۵۱ -
المستدرک : جلد ۲ ص ۵۲۵ - جمع الجوامع (اداب الیومین کمال) تلمیذ - تحفۃ الاشراف - جلد ۹ ص ۳۹ -

اَنَّ الْمَرْأَةَ لَا تَلْقَى الْأَمَارَةَ وَالْقَضَاءُ لَهُ
تَبْلُغُ شُكَّ عَوْرَتِ الْمَارَتِ اَوْ قَضَاءُ كِي دَالِي نَهِيں بَنے گی۔
سُنن النَّسَائِي کے شارح نے وضاحت کی ہے۔

فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى عَدَمِ جَوَازِ تَوَلِّيَةِ الْمَرْأَةِ شَيْئًا مِنْ الْأَحْكَامِ الْعَامَةِ
بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ عورت مسلمانوں کے احکام عامہ میں سے کسی کی دالی نہیں بن سکتی۔

عورت کی امامت

اسلام میں عورت کی سربراہی کا تصور اس لئے نہیں پایا جاتا کہ وہ نمازوں میں مردوں کی امام
نہیں بن سکتی جمعد اور عیدین کا خطبہ نہیں دے سکتی۔ اگر عورتوں کو یہ شرف حاصل ہونے والا ہوتا، تو
اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی عورت کو نبوت و رسالت سے ضرور نوازتا۔ انسانی تاریخ کا مطالعہ کرنے
سے پتا چلتا ہے کہ اسلام سے پہلے عورت کی کوئی عزت نہ تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم
ہے کہ اس نے اسلام کے ذریعے عورت کو عزت و احترام سے نوازا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمْ الْمَسَاجِدَ وَيُوتِهِنَّ خَيْرَ لِهِنَّ لَمْ
”تم عورتوں کو مسجد جانے سے مت روکو۔ حالانکہ ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔“

۱۔ فتح الباری جلد ۸ ص ۱۳۸۔ تحفۃ الاغذی جلد ۳ ص ۲۴۶۔ الکربانی شرح بخاری جلد ۱ ص ۲۳۲-۲۳۳۔
۲۔ سنن ابی داؤد، ص ۸۴۔ الفتح الربانی، جلد ۵ ص ۱۹۵۔

دوسری روایت کے مطابق آپ نے ارشاد فرمایا:-

صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي جُحْرَتِهَا وَصَلَاتُهَا فِي مَخْدَعِهَا
أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا ۞

”عورت کی نماز اس کے گھر میں پڑھی جانے والی، اس کے گھر کے صحن میں پڑھی جانے والی
سے افضل ہے۔“

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ عورت کو مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کرنے
کی اجازت ہے۔ لیکن اس کی بہترین نماز وہ ہوتی ہے جو وہ اپنے گھر کے انتہائی اندرونی حصے میں
پڑھتی ہے۔

اگرچہ عورتیں کسی گھر میں جمع ہو جائیں تو وہ باجماعت نماز پڑھ سکتی ہیں۔ لیکن ان کی امامت
کرنے والی عورت مردوں کی طرح صفت آگے کھڑی نہیں ہو سکتی۔

حضرت عائشہؓ اور اُمّ سلمہؓ عورتوں کی نمازوں میں امامت کیا کرتی تھیں، لیکن صفت سے آگے
کھڑی ہو کر انہوں نے کبھی بھی نماز نہیں پڑھائی۔

احادیث میں منقول ہے۔

ان عائشۃ كانت تؤم النساء في التطوع تقوم منهن في الصف ۞
”بے شک عائشہؓ نفل نمازوں میں عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں لیکن صفت میں ان کے
ساتھ کھڑی ہوتی تھیں۔“

۱۔ سنن ابی داؤد، ص ۸۴

۲۔ مصنف عبد الرزاق: جلد ۳، ص ۱۴۱

رابطہ حنفیہ سے مروی ہے۔

ان عائشہؓ امتھن وقامت بینھن فی صلاة مكتوبة لہ
 ”بے شک عائشہؓ نے ان کی امامت فرض نمازیں کی اور وہ ان کے درمیان میں کھڑی ہوئیں۔“
 امام ابراہیمؒ نے عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔

انھا كانت تؤم النساء فی شهر رمضان لہ
 ”بے شک رمضان کے مہینے میں وہ عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں۔“
 حضرت ام سلمہؓ بھی جب عورتوں کی امامت کرتی تو وہ بھی ان کے ساتھ صف میں
 کھڑی ہوتیں۔“

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔

تؤم المرأة النساء تقوم فی وسطھن لہ
 ”عورت عورتوں کی امامت کرے تو ان کے درمیان کھڑی ہو۔“

شیعہ کتاب میں عورت کی امامت

کتب شیعہ میں حضرت ابو عبداللہؓ سے منقول ہے۔

۱۔ المستدرک، ج ۱ ص ۲۰۳۔ الذم، ج ۱ ص ۱۶۲۔ مصنف عبدالرزاق، جلد ۱ ص ۱۴۱۔ عون المعبود، الجزء الاول، ص ۲۳۱

المبسوط، جلد ۱ ص ۱۳۳۔ دارقطنی، ج ۱ ص ۴۰۴۔ السنن الکبریٰ، جلد ۳ ص ۱۳۱۔

۲۔ عون المعبود، ج ۱ ص ۲۳۱۔ بدائع الصنائع، جلد ۴ ص ۱۵۷۔

۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد ۲ ص ۸۸-۸۹۔ دارقطنی، جلد ۵ ص ۴۰۵۔ مصنف عبدالرزاق، جلد ۲ ص ۱۴۱۔ المحلی، الجزء ۲ ص ۲۳۱

۱ | تَوُمُّ الْمَرْأَةُ النَّسَاءَ فِي الصَّلَاةِ وَتَقُومُ وَسَطًا فِيهِمْ وَيَقُومُونَ عَنْ يَمِينِهَا
وَسَمَائِلِهَا وَتَقُومُ فِي النَّافِلَةِ وَلَا تَقُومُ فِي الْمَكْتُوبَةِ ۱۷

”عورت عورتوں کی نمازیں امامت کرے لیکن ان کے درمیان میں کھڑی ہو اور وہ
اس کے دائیں اور بائیں جانب کھڑی ہوں۔ عورت نفلی نمازیں امامت کرے لیکن فرضی
نمازیں ان کی امامت نہ کرے۔“

ائمہ شیعہ کے نزدیک عورت جب فرض نمازیں امامت نہیں کر سکتی تو کیا وہ اسلامی ملک کی
سربراہ ہو سکتی ہے؟

کیا عورت مردوں کی امام بن سکتی ہے؟

۱ | اُمْتُ مُحَمَّدٍ مِّنْ اَسْأَلِ اَمْرٍ بِاتِّفَاقٍ هِيَ كَعُورَتِ مُرْعَلٍ كِي اَمَامٍ نَّهِيْثٍ بِن سَكْتِي .
امام شافعی کا قول ہے :-

۲ | لَا يَجُوزُ اَنْ تَكُوْنَ اَمْرَاةٌ اَمَامَ رَجُلٍ فِي صَلَاةٍ بِحَالٍ اَبَدًا ۱۸
”عورت کا نمازیں مرد کا امام بننا کسی بھی حال میں جائز نہیں۔“
انہوں نے مزید وضاحت یوں کی ہے :-

اِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ بِرِجَالٍ وَنِسَاءٍ وَصِبْيَانٍ ذَكَرَ وَفَصَلَاةَ النَّسَاءِ
مَجْزِيَّةٌ وَصَلَاةُ الرِّجَالِ وَالصَّبْيَانِ الذَّكَرِ غَيْرُ مَجْزِيَّةٍ لِاَنَّ اللّٰهَ

۱۷ الاستبصار، جلد ۱ ص ۲۷۷، الکافی جلد ۳ ص ۳۷۶۔ من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۳۹۶۔ تہذیب الفقہ ج ۳ ص ۳۶۸

۱۸ کتاب الام - ج ۱ - ص ۱۶۴

عز وجل جعل الرجال قوامین علی النساء۔

اگر کوئی عورت مردوں۔ عورتوں اور مذکر بچوں کو نماز پڑھانے تو عورتوں کی نماز ہو جائے گی
لیکن مردوں اور مذکر بچوں کو نماز نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اللہ عز وجل نے مردوں کو عورتوں پر
حاکم بنایا ہے۔“

عبدالرحمن الغزیری نے بھی نقل کیا ہے۔

فلا تصح امامۃ النساءؑ

”پس عورتوں کی امامت صحیح نہیں ہوگی۔“

انہوں نے یہی بات مالیکہ کے حوالے سے بھی رقم کی ہے۔

امام ابو بکر محمد بن احمد بن ابی ہل السرخسی نے لکھا ہے۔

ان مکان الامامة ميراث من النبي صلى الله عليه وسلم فانه 13

اول من تقدم للامامة فيختار له من يكون اشبه به خلقتا و

خلقتا ثم هو مكان استنبط منه الخلافه فان النبي صلى الله عليه

وسلم لما امر ابا بكر ان يصلي بالناس قالت الصحابة بعد موته

انه اختار ابا بكر لامرد ينكم فهو المختار لامرد نياكم فانما

يختار لهذا المكان من هو اعظم في الناسؑ

”امامت کا مقام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔ اس لئے کہ سب سے پہلے

۱۔ کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعۃ، جلد ۱۔ ص ۲۰۶۔

۲۔ المبسوط: جلد ۱۔ ص ۲۰۔

آپ اُمت کے امام بنے پس امام اسی کو بنایا جائے گا جو خُلق اور خُلق دونوں میں آپ سے زیادہ ملتا جلتا ہوگا، پھر اسی سے خلافت کا مسئلہ مستنبط کیا گیا کیوں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں تو صحابہؓ نے آپ کی وفات کے بعد کہا کہ آپ نے ابوبکرؓ کو تمہارے دینی معاملے کا مختار بنایا لہذا میں تمہارے دیوبی معاملے کے بھی مختار ہوں گے۔ کیونکہ اس مقام پر وہی فائز ہوگا جو لوگوں میں سے سب سے عظیم ہوگا۔“

امّ ورقہ کی امامت

عبدالرحمن بن خلاۃ الانصاری امّ ورقہ بنت نوفل سے نواسیت کرتے ہیں :-
 انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما عزا بدار قالت قلت لہ
 یا رسول اللہ ائذن لی فی الغزو معک امرض مرضا کوملّ اللہ
 ان یروزقنی شہادۃ قال قیری فی بیتک فانّ اللہ عزّ وجلّ
 یرزقک الشہادۃ قال فکانت تسعی الشہیدۃ قال وکانت
 قد قرأت القرآن فاستاذنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 ان یتخذ فی دارہا مؤذنا فاذن لہا قال وکانت دبّرت
 غلاما وجاریۃ فقاما الیہا باللیل فعماہا یقطیفۃ لہا
 حتی ماتت وذهبا فاصبح عمر فقام فی الناس فقال من عنده
 من ہذین علم او من رایہما فلیجئ بہما فامر بہما فصلبا
 فکان اول مصلوب بالمدينة :

دوسری روایت کے مطابق :

وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزورها في بيتها وجعل لها مؤذنا يودن لها وامرها ان تؤم اهل دارها قال عبدالرحمن فاننا رايت مؤذنها شيخا عجيبا

”جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے لئے تیاری کی تو میں نے عرض کیا مجھے بھی جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دے دیں میں آپ کے مرضیوں کی دیکھ بھال کروں گی مسند احمد میں یہ بھی ہے وادوی جرحا کھہ کہ آپ کے زخموں کی مرہم پٹی کروں گی۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت سے نوازے۔

آپ نے فرمایا۔ تم اپنے گھر میں رہو بے شک اللہ عزوجل تمہیں شہادت سے نوازے گا۔ راوی کا بیان ہے ان کو شہیدہ کہا جاتا تھا اور انہوں نے قرآن پڑھ لیا تھا۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ اپنے گھر میں ایک نمونہ لکھ لیں۔ آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ راوی کا کہنا ہے کہ انہوں نے ایک غلام اور ایک لونڈی کو اپنی وفات پر آزاد کرنے کا عہد کر رکھا تھا۔ ایک رات ان دونوں نے چادر سے ڈھانپ کر ان کا سانس بند کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی موت واقع ہو گئی اور دونوں بھاگ گئے۔ صبح عمر فاروقؓ لوگوں میں کھڑے ہوئے اور کہا۔ ان دونوں کے بارے میں جس کسی کو کوئی علم ہو یا جس نے ان دونوں کو دیکھا ہو وہ ان دونوں کو ہمارے پاس لائے۔ چنانچہ دونوں پکڑے گئے اور عمر فاروقؓ

نے ان کو سُولی پڑھانے کا حکم دیا۔ پس وہ مدینہ میں پہلے سُولی پڑھنے والے تھے۔
دوسری ہدایت کے الفاظ ہیں۔

رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں ان کی ملاقات کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ نے ان کے لئے ایک مؤذن مقرر فرمایا جو ان کے لئے اذان دیا کرتا تھا۔
آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کیا کریں۔ عبدالرحمن نے کہا۔ میں نے ان کے مؤذن کو دیکھا وہ بہت بوڑھا تھا۔

امام داؤد نے ان دونوں ہدایتوں کو ”باب امامۃ النساء“ کے تحت نقل کیا ہے۔
ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے ان حدیثوں سے یہ اخذ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک مسجد کا امام مقرر کر دیا اور ان کے پیچھے مرد بھی نماز پڑھتے تھے۔ یہ کہ ان کا مؤذن ایک مرد تھا، ظاہر ہے کہ مؤذن بطور معتدی ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہوگا۔

ڈاکٹر احمد حسن کا استفسار

ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈاکٹر احمد حسن صاحب نے ”حضرت ام ورقہ کے بارے میں ایک استفسار کے تحت اپنے مضمون میں ایک اچھا سوال اٹھایا ہے کہ اگر اُمّ درتہ کسی محلہ میں مسجد کی امام تھیں اور اس محلہ کے عام مرد ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو اس کی تصدیق کسی حدیث سے کیوں نہیں ہوتی؟ کیونکہ اُن کو تہذیب التبذیب، الاصابہ، الاستیعاب اور اسد الغابہ وغیرہ میں مسجد کا ذکر

۱۔ خطبات بہاولپور۔ خطبہ ۱، تاریخ قرآن: ص ۲۶۔

۲۔ مجلہ فکر و نظر، ص ۱۰۰ (جولائی ستمبر ۱۹۸۸ء)

کسی روایت میں نہیں ملا ہے۔

چنانچہ ڈاکٹر احمد حسن کی تحقیق سے محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کو جب آگاہ کیا گیا تو انہوں نے اُمّ ورتہ کی مسجد کا نام بتانے اور اُس کے محل وقوع کی نشان دہی کرنے کے بجائے حسب ذیل نوٹ ادارہ تحقیقات کو بھیج دیا۔ جو انہوں نے فکر و نظر میں ڈاکٹر احمد حسن صاحب کے مضمون کے ساتھ شائع کر دیا۔

محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا نوٹ

جواب سے قبل یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ مسجد سے کیا مراد ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے علاوہ کچھ نہیں تو دس پندرہ اور مسجدوں کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی وسعت کے اندازے کے لئے مسجد القبلتین جو تاحال باقی ہے، کافی ہوگی۔ یہ مسجدیں ہر کالونی میں تھیں اور بعض کا قبلہ وغیرہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے اور مسیتیں فرماتے رہے۔ روایتوں میں ”سیت“ (گھر) کا لفظ نہیں ہے۔ بلکہ دار یعنی بستی۔ کالونی کا ذکر ہے جو ہر قبیلہ، قریبی رشتہ داروں پر مشتمل ہوتی تھی۔ جب ایک مرد اذان دے اور سیتی کا کوئی رشتہ دار شخص نماز گاہ میں آجائے۔ بلکہ اس کے ساتھ اس کا کوئی دوست ملاقاتی بھی ہو تو نہ وہاں آنے میں دشواری ہو اور نہ کوئی اسے روکے۔ مسجد سے میری مراد ہر وہ مقام ہے جہاں پابندی سے پنج وقتہ نمازیں ہوتی ہوں۔ اور اذان اور اقامت کا بھی متقبل انتظام ہو۔ ایسی ”نماز گاہ“ کو مسجد“ فرض کرنا اسی طرح ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جتنا حضرت اُمّ ورتہ کے قاتلوں کو گرفتار کر کے حضرت عمرؓ کے پاس سولی کے حکم سے پہلے لایا جانا ضروری تھا۔

خود مسجد نبوی میں شروع میں پختہ زمینی گرمی کے موسم میں ظہر و عصر کے وقت تکلیف ہونے

کی شکایت کی گئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھت بنانے کا حکم دے دیا تھا۔

غرض یہ میرا استنباط ہے ممکن ہے غلط ہو۔ مگر اہمیت اس قصے میں نماز گاہ کو نہیں بلکہ اس کو بے کہ ایک عورت مردوں کی بھی امام بن کر نماز پڑھاتی ہے بے خطبات بہاولپور میں ایسی مثالیں بھی دی گئی ہیں کہ خود آج بھی اسلام آباد میں نہیں، پاریس میں اس کی ضرورت پیش آرہی ہے کہ اکثریت تو مسلم گوتے مرد و مادر زاد مسلمان لڑکیوں سے نکاح کر رہے ہیں۔ جواز اور وجوب میں فرق ہے مجھے اس بیان سے اتفاق نہیں کہ حضرت ام ورقہ اپنے گھر (سیت) میں نماز پڑھاتی تھیں بلکہ وہ اپنی کالونی (دار) کی نماز گاہ میں امام تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب

محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے نوٹ کا تجزیہ

محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی توضیح سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ انہوں نے ”دار“ کو کالونی سے تعبیر کرتے ہوئے اُمّ ورقہ کی مسجد کو عام مساجد کا درجہ دیا ہے جس میں مرد بھی ان کے پیچھے پانچ وقتہ نماز اذان اور اقامت سے پڑھتے تھے جس سے عورتوں کو مردوں کی امامت کرنے کا جواز مہیا ہوتا ہے اگرچہ انہوں نے اپنے غلطے میں اسے استثنائی صورت قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے استنباط کا دار و مدار اُمّ ورقہ کی درخواست ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے گھر میں ایک مؤذن مقرر کرنے کے بارے میں پیش کی جسے نہ صرف شرف قبولیت بخشا گیا، بلکہ ان کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے ”دار“ میں ”اہل دار کی امامت کریں۔“

اشکال کی اصل وجہ مرد کا عورت کے لئے مؤذن مقرر کیا جانا ہے جس سے ڈاکٹر حمید اللہ

صاحب نے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ جو مؤذن اذان دیتا ہوگا وہ اقامت بھی کہتا ہوگا اور ظاہر ہے کہ وہ اُمّ درتہ کے پیچھے نماز بھی پڑھتا ہوگا لیکن اُمّ درتہ کے حالات جن کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان میں سے کسی ایک میں اس بات کی صراحت نہیں پائی جاتی کہ اُمّ درتہ کا مؤذن ان کے پیچھے نماز بھی پڑھتا تھا۔ جس طرح یہ سمجھا جا رہا ہے کہ وہ اذان کے بعد اقامت کہتا تھا اور عورت امام کے پیچھے نماز پڑھتا تھا۔ اسی طرح یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ اذان کہنے کے بعد مسجد میں جا کر مردوں کے ساتھ نماز ادا کرتا تھا۔ حضرت اُمّ درتہ اس کے بعد اہل دار کی اپنے ”دار“ کی مسجد میں عورتوں کی امامت کرتی تھیں۔

ڈاکٹر احمد حسن صاحب نے ابن قدامہ کے حوالے سے اس بارے میں ایک روایت بھی اپنے مقالے میں نقل کی ہے۔

قد روی عن ام ورقۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذن لہا ان

یوذن لہا ویقام وتؤم نساء اہل دارہا

کہ اُمّ درتہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی کہ ان کے لئے اذان دی جائے اور اقامت کہی جائے اور وہ اپنے گھر کی عواتین کی امامت کیا کریں۔

ڈاکٹر احمد حسن صاحب کا کہنا ہے افسوس کہ ابن قدامہ نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے یہ روایت حدیث کی کس کتاب سے نقل کی ہے۔ تاہم یہ روایت ان تمام احادیث کے مخالف ہے۔ جن میں ”اہل دارہا“ کے الفاظ ہیں۔ ابن قدامہ کی اس روایت میں ”نساء کا اضافہ ہے۔ جب تک ہمیں اس کا ناخذ معلوم نہ ہو، اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔

۱۔ المغنی لابن قدامہ، ج ۲ ص ۱۹۹۔

۲۔ فکر و نظر، جولائی ستمبر ص ۹۶۔

بڑی عجیب بات ہے کہ المطبۃ الیوسفیہ کی طبع شدہ المغنی میں مذکورہ روایت کے ساتھ یہ الفاظ بھی موجود ہیں جو ڈاکٹر احمد حسن صاحب کی نگاہ سے اوجھل رہے۔

كذلك رواه الدارقطني

امام الدارقطني نے اس روایت کو ”باب فی ذکر الجماعۃ و اہلہا و صفۃ الامام“ کے تحت نقل کیا ہے۔

علامہ الشوکانی اور علامہ احمد عبد الرحمن البنا الساعاتی نے بھی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ عورت مردوں کی نہیں بلکہ عورتوں کی امام ہو سکتی ہے۔

امام ابن حزم المتوفی ۴۵۶ھ کا بھی یہی قول ہے۔

”دار“ اور ”مسجد“ کی وضاحت کے لئے بھی ضروری ہے کہ امارت کی طرف رجوع کیا جائے تاکہ مسئلے کو سمجھنے میں کوئی الجھام باقی نہ رہے۔

ابن حنبل بن مالک ذهب بصره فقال يا رسول الله لو جئت
صليت في داري او قال في بيتي لا تتخذت مصلاك مسجدا فجار
النبي صلى الله عليه وسلم فصلي في داره او قال في بيته

المغنی لابن قدامة : جلد ۲ - ص ۱۹۹۔

سنن الدارقطني : جلد ۱ - ص ۲۶۹۔

نیل الاوطار : جلد ۳ ص ۱۷۵ الفتح الربانی جلد ۵ : ص ۲۲۲۔

المحلی لابن حزم : جلد ۲ - ص ۲۱۹۔

الفتح الربانی : جلد ۵ - ص ۲۲۱۔

”بے شک عتبہ بن مالک کی بیٹائی جاتی رہی۔ انہوں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! اگر آپ میرے دار یا کہا میرے بیت میں تشریف لاکر نماز پڑھیں تو جہاں آپ نماز پڑھیں گے میں اس کو مسجد بنالوں گا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے ان کے دار یا کہا کہ ان کے بیت میں نماز پڑھی۔“

عن عتبہ بن مالک قال یا رسول اللہ ان السیول تحول بینی و بین مسجد قومی فاحب ان تاتی فیصلی فی مکان بیتی اتخذہ مسجدا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستفعل قال فلما اجمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابن تریہ فاشرت له الی ناحیۃ من البیت فقال فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنصفنا خلفہ فصلی بنا رکعتین لہ

عتبان بن مالک سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! بیشک سیلاب کا پانی میرے اور میری قوم کی مسجد کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ میری یہ خواہش ہے کہ آپ تشریف لائیں اور میرے بیت کی کسی جگہ پر نماز پڑھیں تاکہ میں اس جگہ کو مسجد بنالوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم غنقریب ایسا کریں گے۔ جب صبح ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تشریف لائے) اور فرمایا تم کہاں چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں تو میں نے ”بیت“ کے ایک کولے کی طرف آپ کے لئے اشارہ کر دیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بانٹ دی اور آپ نے ہمیں دو رکعت نماز نفل پڑھائی۔“

اگرچہ ”دار“ کا لفظ محلّے، شہر اور قبیلے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے لیکن مذکورہ دعائیتوں میں صرف گھر کے لئے یعنی بیت کے مترادف آیا ہے۔ مسجد سے مراد صرف وہی مسجد نہیں لی گئی جس میں اہل محلّہ نماز پڑھتے ہیں بلکہ یہاں وہ مخصوص جگہ لی گئی جو کوئی شخص اپنے گھر میں نماز کی ادائیگی کے لئے مقرر کر لیتا ہے۔

چونکہ اشکالِ عورت کی امامت سے پیدا ہوتا ہے۔ لہذا عورت کے بارے میں بھی ایک ہدایت نقل کی جاتی ہے۔

الوحید الساعی کی ندبہ سے مروی ہے۔

انہا جارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ انی احب الصلوة معک قال قد علمت انک تحبین الصلوة معی وصلاتک فی بیتک خیر لک من صلاتک فی حجرک وصلاتک فی حجرک خیر من صلاتک فی دارک وصلاتک فی دارک خیر لک من صلاتک فی مسجد قومک وصلاتک فی مسجد قومک خیر لک من صلاتک فی مسجدی قال فامرت فبنی لہا مسجد فی اقصى شئ من بیتہا واطلمہ فکانت تصلی فیہ حتی لقیّت اللہ عزّ وجلّ ۱

”وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کو بہت پسند کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا، مجھے معلوم

ہے کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنے کو محبوب رکھتی ہو، لیکن تمہاری وہ نماز جو تم اپنے ”بیت“ میں پڑھتی ہو، اس نماز سے بہتر ہے جو تم اپنے حجرے میں پڑھتی ہو۔ تمہاری حجرے میں پڑھی جانے والی نماز تمہارے ”دار“ میں پڑھی جانے والی نماز سے بہتر ہے۔ تمہاری تمہارے ”دار“ میں پڑھی جانے والی نماز تمہاری قوم کی مسجد میں پڑھی جانے والی نماز سے بہتر ہے۔ اور تمہاری قوم کی مسجد میں پڑھی جانے والی نماز میری مسجد میں پڑھی جانے والی تمہاری نماز سے بہتر ہے۔“

اس روایت میں ”بیت“ کو عام رکھا گیا ہے ”حجرے“ سے براۓ اور ”دار“ سے صحن مراد لیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس پر سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث شاہد ہے۔

امام بخاریؒ نے ”باب المساجد فی البیوت“ کے ساتھ ہی ترجمۃ الباب کے طور پر روایت نقل کی ہے۔

وصلی البراء بن عازب فی مسجدہ فی دارہ

”اور براء بن عازب نے اپنے ”دار“ کی مسجد میں نماز پڑھی“

اس باب کے تحت حضرت عتبہؓ بن مالک کی روایت نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ ”دار“

سے مراد ان کا گھر ہے۔ امام ابن ماجہؒ نے بھی انہی کے بارے میں روایت ”باب المساجد فی الدار“ کے تحت نقل کی ہے

۱۰ میم البخاری، ص ۶۰۔

۱۱ سنن ابن ماجہ، ص ۵۵۔

اس ساری بحث سے عیاں ہوا کہ اُمّ ورتو کی مسجد ان کے اپنے گھر کے اندر تھی، جس میں اہل محلہ وغیرہ شریک نہ ہوتے تھے بلکہ وہ عورتوں کی امامت کرتی تھیں کیونکہ مردوں کے ہوتے ہوئے عورت ان کے آگے یا ان کے ساتھ کھڑی نہیں ہو سکتی مسجد نبوی میں سب سے آخری صف عورتوں کی ہوا کرتی تھی، بلکہ آپ نے یہاں تک فرمادیا۔

خیر صفون النساء اخرها وشرها اولها وخیر صفون الرجال اولها
وشرها اخرها لہ

”عورتوں کی بہترین صف آخری اور بُری صف پہلی ہے اور مردوں کی بہترین صف پہلی اور بُری آخری ہے“

دومر و جب جماعت سے نماز پڑھتے ہیں تو مقتدی امام کے ساتھ دائیں جانب کھڑا ہوتا ہے۔ جب کہ عورت کو اس کی اجازت نہیں۔ اگرچہ وہ بیوی اور غاونہ ہوں۔ اسی لئے امام بخاری نے باب باندھا ہے۔

باب المرأة وحدها تكون صفًا

ایکلی عورت کے صف ہونے کا باب

پھر انہوں نے حضرت انس بن مالک سے روایت نقل کی ہے۔

قال صليت انا ویتیم فی بیتنا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وامی خلفنا ام سلیم۔

۱ ابن ماجہ، ص ۷۰، ابوداؤد، ص ۹۹، سنن النسائی جلد ۱، ص ۹۴ جامع الترمذی جلد ۱، ص ۵۲، سنن الدارمی، ص ۱۵۱، مسند احمد جلد ۲، ص ۴۸۵

السنن الکبریٰ: جلد ۲، ص ۹۰-۹۸

۲ صحیح البخاری، ص ۱۰۰-۱۰۱

انہوں نے کہا کہ میں نے اور تمہیں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اپنے گھر میں نماز پڑھی اور میری ماں ام سلیم ہمارے پیچھے تھیں۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ عورت کو اتنا بھی حق نہیں کہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہونے کے باوجود مرد امام کے بھول جانے پر اس کو با آواز متنبہ کر سکے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

التصفيق للنساء والتبصيح للرجال

تصفيق عورتوں کے لئے اور تبصيح مردوں کے لئے ہے۔ یعنی اگر امام بھول جائے تو وہ اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مار کر آواز پیدا کر کے امام کو احساس دلانے کو وہ بھول گیا ہے اور مرد امام کے بھول جانے پر ”سبحان اللہ“ کہہ دے۔
www.KitaboSunnat.com

واضح ہوا کہ جب عورت عورتوں کی امامت کرتے ہوئے صف سے آگے کھڑی نہیں ہو سکتی۔ مردوں کے ساتھ نمازیں شریک ہونے کی صورت میں ان کے ساتھ صف میں جگہ نہیں پاسکتی۔ مرد امام کے بھول جانے پر آواز سے سبحان اللہ نہیں کہہ سکتی تو وہ مردوں کی امام کیے مقرر ہو سکتی ہے۔

ابولعیم احمد بن عبد اللہ الاصمہانی المتوفی ۴۳۰ھ نے ام ورقہ الانصاریہ کے ترجمہ کے تحت لکھا ہے
ومنہن الشہیدۃ القارۃ ام ورقۃ الانصاریۃ کانت تؤم المؤمنات
المہاجرۃ ویزورھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی احوالہ
الاولیاء

۱۔ صحیح البخاری، ص ۱۶۰۔ المسند امام الطہیدی جلد ۳ ص ۱۴۳ مصنف عبدالرزاق جلد ۳ ص ۵۵۲ صحیح ابن خزیمر جلد ۵

۲۔ حلیۃ الاولیاء، جلد ۲ ص ۶۳۔

صحابیات میں سے اُمّ ورتہؓ انصاریہ شہیدہ قاریہ بھی ہیں جو مومنات مہاجرات کی امامت کرتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اوقات میں ان کی ملاقات کے لئے تشریف لایا کرتے تھے۔ لہذا سنن ابی داؤد میں اُمّ ورتہؓ کی امامت کو عورتوں تک محدود رکھنا ہی قرآن و سنت کی تعلیم کے عین مطابق ہے۔ ویسے بھی حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اُمّ ورتہؓ والی حدیث کے اصل راوی عبد الرحمن بن خلاد کے بارے میں ابوالحسن بن قطان کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

حالہ مجھولؒ - ”اس کے حال کے بارے میں کچھ معلوم نہیں“

یوں عبد الرحمن بن خلاد کی روایت کردہ حدیث صحت کے اعتبار سے مجروح ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ابن ماجہ کی روایت ہے لا تؤمن امرأة رجلاً کہ کوئی عورت کسی مرد کی امام نہ بنے۔ لیکن اس کو حوالے کے طور پر اس لیے نہیں پیش کیا گیا کیونکہ محدثین نے اس کی صحت کے بارے میں بھی کلام کیا ہے۔ لہذا جو کچھ عرض کیا جا چکا ہے وہ مسئلے کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ عورت مردوں کی امام نہیں بن سکتی۔

عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا

اسلام نے عورتوں کو جو حقوق عطا کئے ہیں، ان کے باوجود اگر عورت چاہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر خود ہی اپنا نکاح کر لے تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيِّہِ ۖ وَلَوْ اِنْتَحَلَ ابْنُ اُمِّیٍّ ۚ وَلَوْ اِنْتَحَلَ ابْنُ اُمِّیٍّ ۚ وَلَوْ اِنْتَحَلَ ابْنُ اُمِّیٍّ ۚ وَلَوْ اِنْتَحَلَ ابْنُ اُمِّیٍّ ۚ

”ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا“

۱۔ تہذیب التہذیب: جلد ۶ ص ۱۶۸۔

۲۔ نیل الاطوار: جلد ۳ ص ۱۷۳۔

۳۔ جامع الترمذی، جلد ۱ ص ۱۶۳، ابوداؤد، ص ۲۸۴، ابن ماجہ، ص ۱۳۵۔ الدررمی ص ۲۸۰۔ المستدرک جلد ۲ ص ۱۶۹

آپ نے یہی فرمادیا۔

ایسا امرأۃ نکحت نفسها بغیر اذن ولیہا فنکاحها باطل فنکاحها باطل فنکاحها باطل ہے

”جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کر لیا۔ پس اس کا نکاح باطل ہے۔ اُس کا نکاح باطل ہے“

کیا وراثت میں مرد اور عورت برابر ہیں

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِ كَرِمِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ

”اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا، اگر دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو میت جو چھوڑے، اس میں سے دو تہائی ان کو ملے گا۔ اگر ایک لڑکی ہو تو اس کو میت کے ترکے میں سے آدھا حصہ مل جائے گا“

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ جب اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو ہر لڑکے کو دو، اور

لڑکی کو ایک حصہ ملتا ہے۔ اگر وارث ایک لڑکا ہو تو ساری وراثت کا مالک بن جاتا ہے۔ لیکن لڑکی اگر اکیلی ہے تب بھی اُسے آدھا حصہ ملتا ہے۔ باقی عصیوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو بھی وراثت میں سے ان کو ستر حصہ ملتا ہے۔ بقیہ عصیوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ پوری وراثت کی پھر بھی وہ مالک نہیں بنتیں۔

کیا شہادت میں مرد اور عورت برابر ہیں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَأَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ
فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشَّهَادَةِ أَنْ تَضِلَّ
إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ لَهُ

تین دین کرتے وقت اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنا لو۔ اگر دو مرد موجود نہ ہوں
تو جو گواہ تمہیں پسند ہوں۔ ان میں سے ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لو تاکہ
ایک عورت بھول جائے تو دوسری اُسے یاد کرا دے ؛

یہاں بھی ایک عورت کی گواہی کو نا کافی سمجھتے ہوئے اس کی مدد کے لئے دوسری عورت
کو ساتھ رکھا گیا ہے۔ یعنی ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی لازم ہے۔
منطقی نتیجہ

قرآن و سنت کی رو سے جب ثابت ہو گیا کہ عورت نماز میں مردوں کی امام نہیں بن

سکتی۔ عورتوں کی امامت کرتے ہوئے مرد امام کی طرح ان کی صف سے آگے کھڑی نہیں ہو سکتی۔ ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح نہیں کر سکتی۔ وراثت اور شہادت میں مردوں کے برابر نہیں، تو وہ اسلامی ملک کی سربراہ کس طرح بن سکتی ہے؟

اہم سوال

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب صحابہؓ نے حضرت عائشہؓ کے سپرد قیادت کی۔ تو کیا ان کے سامنے قرآن و سنت کی تعلیم نہ تھی؟ جب انہوں نے ایک عورت کی قیادت کو قبول کر لیا۔ تو آج کل کے مسلمانوں پر ایک پڑھی لکھی سیاسی اُمور میں جہارت رکھنے والی عورت کی اعلیٰ قیادت بھاری کیوں ہو رہی ہے؟

۶۳۴ھ میں ہندوستان کے تخت پر رضیہ سلطانہ جلوہ گر ہوئی تو اُس وقت کے جیتند رائے کراٹھ نے مخالفت کیوں نہ کی؟

کیا قرآن حکیم میں بلقیس کے ایک ملک کی حکمران ہونے کا ذکر موجود نہیں ہے؟

۱۹۶۴ء میں مئمرہ فاطمہ جناح کی قیادت پر پاکستان کے علماء راضی ہو گئے، تو آج اعتراض کرنے کا کیا جواز ہے؟

حضرت عائشہؓ کی قیادت

مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ غنی مدینہ طیبہ میں شہید کئے گئے، اُس وقت حضرت عائشہؓ مکہ میں تھیں۔ حج اور عمرہ کرنے کے بعد جب مدینہ طیبہ تشریف لے جا رہی تھیں۔ تو مقام سرف پر بنو لیث کے ایک شخص نے ان کو حضرت عثمانؓ کی منظومانہ شہادت

کی خبر دی۔ خبر سنتے ہی حضرت عائشہؓ واپس مکہ مکرمہ چلی آئیں۔ حطیم میں پردے کے پیچھے سے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے مدینہ طیبہ میں برپا ہونے والے فتنہ پر روشنی ڈالی، اور قصاص عثمانؓ کا مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا۔ لوگ قصاص لینے کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ بھی مدینہ طیبہ سے مکہ آکر قصاص کے طلبکاروں میں شریک ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ کا خیال تھا کہ مدینہ جا کر حضرت علیؓ سے حضرت عثمانؓ کے قصاص کی بات کی جائے۔ لیکن عام لوگوں نے مشاورت سے طے کر لیا کہ بعبرہؓ جا کر اہل بعبرہ کو بھی ہم خیال بنایا جائے۔

حضرت علیؓ کو جب مکہ میں طے پانے والے پروگرام کی اطلاع ملی تو وہ فوراً اپنے ساتھیوں کے ساتھ بعبرہ چلے آئے۔ فریقین کے درمیان بات چیت ہوئی اور اس پر اتفاق ہو گیا کہ لڑائی جھگڑے سے بچتے ہوئے امن و صلح کی فضائیں مقصد پانے کی کوشش کی جائے۔ لیکن قاتلین عثمانؓ نے فتنہ و فساد کو جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور طے پایا کہ فجر کے طلوع ہونے سے پہلے ہی فریقین پر اس طرح حملہ کیا جائے کہ دونوں یہ سمجھیں کہ ان کی مرضی کے خلاف ان پر حملہ کر دیا گیا ہے اور پھر دونوں آپس میں الجھ جائیں۔ چنانچہ امام ابن الحسن بکری سے مروی ہے۔

فجرت بینہ و بین جائشہ وقعتہ الجمل بلا علم ولا قصد

”حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان علم اور قصد کے بغیر جنگ جمل ہوئی“

جنگ کے خاتمے پر حضرت علیؓ جب حضرت عائشہؓ کی خبر گیری کے لئے آئے، تو انہوں نے کہا۔

کیف انت یا امّہ؟ قالت بخیر، قال یغفر اللہ لک، قالت

ولك -

”اے اماں جان! آپ کیسی ہیں؟ انہوں نے فرمایا۔ اچھی ہوں۔ علیؑ نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔ انہوں نے بھی کہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی معاف فرمائے“

قصاعؒ سے اس موقع پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا:-

والله لوددت اني مت قبل هذا اليوم بعشرين سنة
اللہ کی قسم مجھے یہ بات پسند ہے کہ میں اس دن سے بیس سال پہلے مر چکی ہوتی۔
امام ابن جریرؒ کے الفاظ ہیں کہ حضرت علیؑ کو ان کی اس بات کا جب پتہ چلا تو انہوں نے یہی جملہ کہا۔

جنگ جمل کے سارے واقعہ کو اچھی طرح دیکھا جائے تو کہیں بھی ہمیں یہ نہیں ملے گا، کہ عائشہؓ خلافت یا امامت کی طلب گار تھیں بلکہ ان کا مقصود و مطلب صرف اور صرف قصاص عثمانؓ تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے -

ان احدا لم ينقل ان عائشة ومن معها نازعو عليا في الخلافة
”بے شک کسی ایک سے یہ منقول نہیں کہ عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں نے حضرت علیؑ سے ان کی خلافت کے بارے میں جھگڑا کیا تھا“

۱ تاریخ الکامل جلد ۳ ص ۱۳۰ - تاریخ الامم والملوک جلد ۳ ص ۲۲۱ - ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۶۴

فتح الباری جلد ۲ ص ۵۶ -

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اختلاف صرف قصاص پر تھا۔ حضرت علیؓ حکومت کے مستحکم ہونے تک قصاص کے معاملے میں تاخیر کو ترجیح دیتے تھے۔ جب کہ حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھی تاخیر کو خلافِ قرآن و سنت سمجھتے تھے۔ لیکن بصرہ میں جب ذلقین کے درمیان تقریباً معاملہ طے پا گیا تو شریکوں نے اُمت محمدیہؐ میں فتنہ برپا کر دیا۔

چنانچہ جس کام پر حضرت عائشہؓ نے خود اپنی ندامت کا اظہار کیا۔ اس کو قابلِ حجت بنانا کسی بھی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

رضیہ سلطانہ کی حکمرانی

مورخ محمد قاسم فرشتہ سے منقول ہے سلطان التمش کی وفات کے بعد ۶۳۳ھ میں منگل کے روز رکن الدین فیروز شاہ کی تخت نشینی عمل میں آئی۔ لیکن حکومت کی عنان سنبھالنے کے بعد اُس نے انتظامی امور کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دی اور شب و روز عیش و عشرت میں بسر کرنے لگا۔ قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کے جمع کئے ہوئے خزانے کو بڑی بے دریغی سے گویوں اور بھانڈوں وغیرہ پر صرف کرنا شروع کر دیا۔ حکومت کے تمام انتظامات اپنی ماں ترکان شاہ کے سپرد کر دیئے۔ جس نے التمش کی بیویوں اور اس کے چھوٹے بیٹے قطب الدین شاہ کو ظلم کا نشانہ بنایا۔ جس کی وجہ سے ملک میں بے اطمینانی کی لہر دوڑ گئی اور التمش کے مشہور امراء نے باہمی مشورے سے سلطان التمش کی بڑی بیٹی رضیہ سلطانہ کو اپنا فرمانروا تسلیم کر کے تخت شاہی پر بٹھا دیا۔^۱

۶۳۲ھ میں جب رضیہ سلطانہ تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوئی تو حکمرانی کے فرائض خوش اسلوبی سے سر انجام دینے کے لئے اُس نے پردہ ترک کر دیا اور مردانہ لباس زیب تن کر کے دربار عام منعقد کیا۔ اس کے تخت پر بیٹھتے ہی چند امراء نے بغاوت کر دی۔ جس کو دبانے میں وہ کامیاب ہو گئی۔ لیکن یاقوت نامی حبشی نے رضیہ سلطانہ کے دل میں ایسا مقام پیدا کیا کہ قلیل عرصے میں امیر الامراء بن گیا۔ اور اس کا اثر و رسوخ یہاں تک بڑھا کہ رضیہ سلطانہ کی بغل میں ہاتھ ڈال کر اُس کو گھٹڑے پر بٹھایا کرتا تھا۔ دربار کے امراء کو یہ بات پسند نہ تھی۔

۶۳۶ھ میں بٹھنڈہ کے حاکم ملک التونیہ نے رضیہ سلطانہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ رضیہ سلطانہ نے اپنی فوج کے ساتھ بٹھنڈہ پر حملہ کر دیا۔ شاہی فوج پر ترکی امراء نے چھاپہ مار کر یاقوت حبشی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور رضیہ سلطانہ کو گرفتار کر کے بٹھنڈہ کے قلعے میں بند کر دیا۔

باغی امراء نے دہلی کے دوسرے امیروں سے مشورہ کر کے سلطان التمش کے بیٹے معز الدین بہرام شاہ کو تخت نشین کر دیا۔ رضیہ سلطانہ نے بٹھنڈے کے حاکم سے شادی کر لی۔ اور ایک لشکر تیار کر کے دہلی پر حملہ آور ہوئی۔

معز الدین بہرام شاہ نے التمش کے داماد عز الدین بلبن کو مقابلے کے لئے بھیجا جس نے رضیہ سلطانہ کو شکست دی۔ میدان جنگ سے بھاگ کر رضیہ سلطانہ نے بٹھنڈہ میں پناہ لی۔

رضیہ سلطانہ اور التونیہ نے پھر سے منتشر لشکر کو از سر نو مرتب کر کے بہرام شاہ کے خلاف قسمت آزمائی، لیکن اس مرتبہ بھی عز الدین کامیاب و کامران رہا۔ ۲۵ ربیع الاول ۶۳۶ھ کو التونیہ اور رضیہ سلطانہ، میاں بیوی دونوں قتل کر دیئے گئے تھے

تاریخ سے کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی کہ اس وقت کے علمائے کرام نے رضیہ سلطانہ کو تخت پر بٹھا کر اس کی حمایت میں فتوے جاری کئے تھے۔ بلکہ اس وقت کے مشہور اُمراء کی سوچ تھی۔ جو تین سال میں نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی اور رضیہ سلطانہ خون خرابے کا شکار ہو گئی۔ لہذا اس کی تخت نشینی کسی بھی صورت میں حجت نہیں بن سکتی۔

ملکہ یمن بلقیس کا واقعہ

قرآن حکیم میں ایک مُشرکہ عورت کے ذکر سے یہ جواز پیدا نہیں ہوتا کہ مسلمان عورت اسلامی ملک کی سربراہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ کسی اسلامی ملک پر حکمران نہ تھی بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کے بارے میں جب خبر ملی تو اُس کو فوراً حاضر ہونے کا حکم دیا۔ مناسب ہو گا کہ اس کا پورا واقعہ نقل کر دیا جائے تاکہ مسئلے کی وضاحت ہو جائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک خاص پرندے کو گم پایا، تو فرمایا۔ کیا وجہ ہے کہ میں ہُدھد کو نہیں دیکھ رہا۔ کیا وہ غائب ہے۔ میں اُسے سخت عذاب دُلوں گا۔ یا اس کو ذبح کر دُلوں گا۔ یا میرے پاس وہ کوئی واضح دلیل لائے گا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ آگیا اور عرض کیا کہ میں نے ایسے معاملے پر اطلاع پائی ہے جس کی آپ کو خبر نہیں۔ میں سبأ سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں نے ایک عورت کو پایا کہ وہ ان پر حکومت کر رہی ہے۔ اُسے ہر چیز میسر ہے۔ اور اس کا بہت بڑا تخت ہے۔ میں نے اُس کو اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں، اور شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو مزین کر رکھا ہے۔ پس وہ ان کو اللہ کی راہ سے روکے ہوئے ہے اور وہ ہدایت نہیں پا رہے ہیں۔ وہ اس اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو، یا

ظاہر کرتے ہو، اُس کو جانتا ہے۔ اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی عرشِ عظیم کا رب ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ہم ابھی دیکھیں گے کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹا ہے۔ جاؤ میرا یہ خط لے جاؤ۔ اور اُن کے پاس پہنچا دو۔ پھر ذرا ان سے ہٹ کر دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ ملکہ نے کہا: اے سردارو! میرے پاس ایک مُعَنَز مِر اسلہ آیا ہے۔ یہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور یہ بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے شروع کیا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ سرکشی مت کرو اور فرمانبردار ہو کر میرے پاس آ جاؤ۔ ملکہ نے کہا، اے سردارو! میرے اس کام میں مجھے مشورہ دو۔ کیونکہ جب تک تم موجود نہ ہو، میں کسی کام کے بارے میں فیصلہ نہیں کرتی۔ سرداروں نے جواب دیا۔ ہم بڑی طاقت والے اور سخت لڑاکے ہیں، لیکن سب اختیار تمہیں ہے۔ پس جو حکم دینا چاہتی ہو، اُس پر غور کرو۔ ملکہ نے کہا۔ جب بادشاہ کسی بُنی میں داخل ہوتے ہیں تو اُس کو خراب کر دیتے ہیں اور عزت والوں کو ذلیل بنا دیتے ہیں۔ وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ میں اُن کی طرف تحفے بھیج کر دیکھتی ہوں کہ اچھی کیا جواب لاتے ہیں؟ جب وہ سلیمان علیہ السلام کے پاس آئے، تو انہوں نے فرمایا، تم مال سے مجھے راغب کرنا چاہتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو کچھ عطا فرمایا وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں اُس نے دیا ہے بلکہ تم اپنے تحفوں پر خوش ہو رہے ہو۔ ان کی طرف واپس جاؤ اور اُن کو بتاؤ کہ ہم ایسے لشکر کے ساتھ آئیں گے کہ جن کے مقابلے کی اُن میں شک نہ ہوگی اور ہم ان کو ذلیل و دُروا کر کے وہاں سے نکال دیں گے۔ سلیمان علیہ السلام نے اپنے سرداروں سے فرمایا۔ تم میں سے کون ہے جو ان کے تابعدار ہو کر آنے سے پہلے اس کا تخت میرے پاس لے آئے۔ ایک بہت بڑے جن نے کہا کہ آپ کے اس مقام سے اُٹھنے سے پہلے میں اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کھڑوں گا۔ اور میں اس پر قدرت رکھنے والا اور امین ہوں۔ جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ اس نے کہا: ملک چمکنے سے

پہلے ہی آپ کے پاس لاسکتا ہوں۔ جب سلیمان علیہ السلام نے ملک کے تخت کو سامنے رکھا ہوا پایا۔ تو کہا کہ یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے کریں اس کا شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی نفس کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بے نیاز اور کریم ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ملک کے تخت کو اس کے لئے کچھ بدل دو۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ وہ ہدایت پاتی ہے یا گمراہوں میں ہو جاتی ہے۔ جب وہ آئی۔ اُس سے کہا گیا، کیا نیزا تخت اسی طرح کا تھا؟ اُس نے کہا، یہ تو وہی ہے۔ اس کی خبر ہمیں پہلے دی جا چکی ہے۔ اور ہم فرمانبردار ہیں۔ اللہ کے سوا جس کی وہ عبادت کرتی تھی۔ اس سے رُک گئی۔ حالانکہ وہ کافروں میں سے تھی۔ اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو جاؤ۔ جب اس نے اس کو دیکھا، تو اس کو گہرا پانی سمجھا اور پنڈلیوں سے کپڑا اٹھالیا۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ محل شیثوں سے جڑا ہوا ہے۔ اس نے کہا، اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ رب العالمین کے لئے فرمانبردار ہوتی ہوں۔

بلقیس کے سارے قصے میں کوئی ایسی خبر نہیں ملتی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اس کی حکومت کو قائم رکھا۔ اگر کہا جائے کہ تفاسیر میں ایسی روایات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کر لی۔ اس سے اولاد ہوئی اور انہوں نے اس کی حکومت اسی کے ہاتھ میں رہنے دی۔ جینے میں ایک مرتبہ اس کے پاس جاتے۔ اور تین دن اس کے ہاں قیام کیا کرتے تھے۔ اگر اسرائیلی روایات پر ہی انحصار کرنا ہے تو مذکورہ روایت کے ساتھ یہ بھی منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی شادی تبع ملک ہمدان سے کر دی۔ اور

اس کے سپرد حکومت کر دی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات تک وہی حکمران تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا (بلقیس) کے بجائے ہمدان کو یمن کا حکمران بنا دیا۔

ملکہ یمن کے واقعہ سے پیدا ہونے والی غلطی کو دور کرنے کے لئے مفسرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک "کہ جس قوم نے حکمرانی عورت کے سپرد کر دی وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی" کو اسی واقعہ میں نقل کیا ہے۔

علامہ آلوسی نے واضح کیا ہے کہ سورۃ نمل کی آیت "میں نے ایک عورت کو پایا کہ وہ ان پر حکمران ہے" میں عورت کے حکمران یا ملکہ ہونے کے جواز کی کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی کافروں کے عمل سے اس قسم کی کوئی حجت قائم ہو سکتی ہے۔

اگر عورت کی سربراہی کا اسلام میں کوئی تصدیق ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا۔ اس کی ضرورت پیش نہ آتی کیوں کہ قرآن آپ پر نازل ہوا اور آپ سے بڑھ کر کوئی اسے سمجھنے والا نہ تھا۔

محترمہ فاطمہ جناح کا لکیشن میں حصہ لینا اور مونا موڈی کا ان کی حمایت کرنا

۱۹۶۴ء میں ایوب خان کے خلاف جب محترمہ فاطمہ جناح نے مقابلے کا اعلان کیا، تو بہت سے علما کرام نے ان کی حمایت کی اور ان کو کامیاب کروانے کے لئے پُورا زور لگایا۔ لہذا اب ایک خاتون کے وزیر اعظم بن جانے پر اختلاف کیوں کیا جا رہا ہے؟ جب محترمہ فاطمہ جناح

۱۔ تفسیر الخازن، جلد ۳۔ ص ۳۴۲، تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۵۶۹۔ الکشاف جلد ۳ ص ۳۷۰۔

۲۔ اسباب الرحمن جلد ۲ ص ۲۳، المغیری، جلد ۱ ص ۱۱۰، حسن التفسیر جلد ۵ ص ۵۵، الخازن جلد ۳ ص ۳۷۸، روح المعانی جلد ۱ ص ۱۹۱۔

کے الیکشن کی بات ہوتی ہے۔ تو مولانا مودودی کا ذکر ضرور کیا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ عورت کی سربراہی کی وکالت کرنے والے وہی تھے۔ اس لئے مناسب ہو گا کہ انہی کے الفاظ میں عورت کی سربراہی کے بارے میں ان کے عقیدے کی وضاحت ہو جائے۔

انہوں نے اپنی ایک انتخابی تقریر میں کہا کہ یہ امر مسلم ہے کہ اسلام میں اصولاً سیاست و نظم مملکت کا دائرہ مردوں ہی کے لئے ہے۔ اور عورتیں اس ذمہ داری میں شریک نہیں کی گئیں۔ یہ بھی ناقابل انکار ہے کہ مسلمانوں کی امارت کے لئے شریعت میں جو شرائط رکھی گئی ہیں، ان میں سے ایک شرط مرد ہونا بھی ہے۔ اس مسئلے کو میں خود پورے دلائل کے ساتھ اور پورے زور کے ساتھ بیان کر چکا ہوں اور آج بھی اسی بات کا قائل ہوں۔ لیکن اس وقت ہمارے سامنے یہ مسئلہ محض اپنی اس سادہ صورت میں درپیش نہیں ہے کہ ایک عورت مسلمانوں کی امیر ہو سکتی ہے یا نہیں بلکہ ہم ایک خاص صورت حال سے دوچار ہیں جس میں ملک پر ایک جابرانہ اور ظالمانہ استبدادی نظام مسلط ہو گیا ہے جو ہمارے دین و اخلاق، تمدن و تہذیب اور معیشت و سیاست کے لئے تباہ کن ہے۔ اس نظام کو پُر امن آئینی طریقے سے بدل دینے کے لئے ہمیں انتخابات میں ایک خداداد موقع مل رہا ہے۔

ملک میں فاطمہ جناح کے سوا کوئی دوسری شخصیت ایسی موجود نہیں جس پر اہل ملک کی عظیم اکثریت مجتمع ہو سکے اور انتخاب صدارت میں جس کے کامیاب ہونے اور اس طرح موجودہ استبداد کے ختم ہونے کا کچھ بھی امکان ہو۔

فاطمہ جناح کھڑی ہو چکی ہیں اور ملک کی عام آبادی ان کی حمایت پر کمر بستہ ہو گئی ہے۔ ان کے مقابلے میں کسی اور شخص کو کھڑا کرنا یا انتخابی مقابلے میں غیر جانبدار رہنا، دونوں یہ معنی رکھتے ہیں کہ ہم صدر ایوب کی کامیابی میں عملاً مددگار ہیں۔

یہ وہ مخصوص حالات تھے کہ جن کی بنا پر مولانا مودودی جیسی شخصیت محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کرنے پر راضی ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اسی تقریر میں واضح کر دیا کہ عورت کو امیر بنانا اگر ایک درجہ کا گناہ ہے۔ تو اس کے مقابلے میں اس جباریت کا برقرار رہنا کم از کم دس درجے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ لیکن یہ ان کا اپنا اجتہاد اور ذاتی سوچ تھی۔ بات وہی درست ہے جو انہوں نے پہلے ہی اور جسے زور کے ساتھ انہوں نے بیان کر دیا۔ اُن کے مخصوص حالات میں اختیار کئے گئے موقف پر قیاس کرتے ہوئے آج حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ لہذا بات وہی حق ہے جو کہ ہمارے لئے قرآن و سنت میں بیان کر دی گئی ہے۔ یعنی عورت کا اسلامی ملک کی سربراہ بن جانا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔

مولانا مودودی کا اپنا عقیدہ

مولانا مودودی کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ چونکہ انہوں نے عورتوں کے مناصب پر روشنی ڈالتے ہوئے واضح کیا ہے

الزَّيَّالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ
سَدِّ فَلَاحِ قَوْمٍ لَّوْلَا امْرُؤُهُمْ امْرَاةٌ

مرد عورتوں پر قوام ہیں
وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جو اپنے معاملہ کو عورت کے پر کر دے

ان کا کہنا ہے کہ یہ دونوں نصوص سراب ہیں قاطع ہیں کہ مملکت میں ذمہ داری کے مناصب (خواہ وہ صدارت ہو یا وزارت یا مجلس شوریٰ کی رکنیت یا مختلف محکموں کی ادارت) عورتوں کے سپرد نہیں کئے جاسکتے ماس لئے کسی اسلامی ریاست کے دستور میں عورتوں کو یہ پوزیشن دینا یا اس کے لئے کفالتیں رکھنا نصوص صریحہ کے خلاف ہے اور اطاعت خدا اور رسول کی پابندی قبول کرنے والی ریاست اس خلاف ورزی کی سرے سے مجاز ہی نہیں ہے۔

۱۔ سورۃ النساء: آیت ۳۴۔

۲۔ بخاری: ص ۶۳۷-۱۰۵۳۔

۳۔ اسلامی ریاست - ص ۲۷۹۔

مولانا مودودی سے سوال کیا گیا کہ آخر وہ کون سے اسلامی اصول یا احکام ہیں جو عورتوں کی رکنیت مجالس قانون ساز سے مانع ہیں؟ اور قرآن و حدیث کے وہ کون سے ارشادات ہیں جو ان مجالس کو صرف مردوں کے لئے مخصوص قرار دیتے ہیں؟

مولانا نے فرمایا۔ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم ان مجالس کی صحیح نوعیت اچھی طرح واضح کر دیں جن کی رکنیت کے لئے عورتوں کے استحقاق پر گفتگو کی جا رہی ہے۔ ان مجالس کا نام مجالس قانون ساز رکھنے سے یہ غلط فہمی واقع ہوتی ہے کہ ان کا کام صرف قانون بنانا ہے اور پھر یہ غلط فہمی ذہن میں رکھ کر جب آدمی دیکھتا ہے کہ عہد صحابہ میں خواتین بھی قانونی مسائل پر بحث، گفتگو، اظہار رائے سب کچھ کرتی تھیں اور لبا اوقات ان سے رائے لیتے۔ اور اس رائے کا لحاظ کرتے تھے تو حیرت ہوتی کہ آج اسلامی اصولوں کا نام لے کر اس قسم کی مجالس میں عورتوں کی شرکت کو غلط کیسے کہا جاسکتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں جو مجالس اس نام سے موسوم کی جاتی ہیں۔ ان کا کام محض قانون سازی کرنا نہیں ہے بلکہ عملاً وہی پوری ملکی سیاست کو کنٹرول کرتی ہیں۔ وہی وزارتیں بناتی اور ملتوثی ہیں۔ وہی نظم و نسق کی پالیسی طے کرتی ہیں۔ ذہنی ثلیات اور معاشیات کے مسائل طے کرتی ہیں اور انہی کے ہاتھ میں صلح و جنگ کی زمام کار ہوتی ہے۔ اس حیثیت سے ان مجالس کا مقام محض ایک فقید اور مفتی کا نہیں ہے بلکہ پوری مملکت کے تو اہم کام کا مقام ہے۔

اب ذرا دیکھئے، قرآن اجتماعی زندگی میں یہ مقام کس کو دیتا ہے اور کسے نہیں دیتا۔ سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّبَاِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ**۔

مرد عورتوں پر تو اہم ہیں۔ بوجہ اس خصلت کے جو اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر دی ہے اور بوجہ اس کے کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ پس صالح عورتیں اطاعت شعار اور غیب کی حفاظت کرنے والیاں ہوتی ہیں اللہ کی حفاظت کے تحت۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ صاف الفاظ میں تو اہمیت کا مقام مردوں کو دے رہا ہے۔ اور

صالح عورتوں کی دو خصوصیات بیان کرتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ اطاعت شعار ہوں۔ دوسرے یہ کہ وہ مردوں کی غیر موجودگی میں ان چیزوں کی حفاظت کریں، جن کی حفاظت اللہ کرانا چاہتا ہے۔

آپ کہیں گے۔ یہ حکم تو خانگی معاشرت کے لئے ہے نہ کہ ملکی سیاست کے لئے۔ مگر یہاں تو مطلقاً "مرد عورتوں پر قوام ہیں" کہا گیا ہے۔ فی البیوت (گھروں میں) کے الفاظ ارشاد نہیں ہوئے ہیں۔ جن کو بڑھائے بغیر اس حکم کو خانگی معاشرت تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ پھر اگر یہ بات مان بھی لی جائے تو ہم پوچھتے ہیں کہ جسے اللہ نے گھر میں قوام نہ بنایا بلکہ اطاعت شعاری کے مقام پر رکھا۔ آپ اسے تمام گھروں کے مجموعے یعنی پوری مملکت میں اطاعت شعاری کے مقام سے اٹھا کر قوامیت کے مقام پر لانا چاہتے ہیں۔ گھر کی قوامیت مملکت کی قوامیت تو زیادہ بڑی اور اونچے درجے کی ذمہ داری ہے۔ اب کیا اللہ تعالیٰ کے متعلق آپ کا یہ گمان ہے کہ وہ ایک گھر میں تو عورت کو قوام نہ بنائے مگر کئی لاکھ گھروں کے مجموعے پر اسے قوام بنا دے گا؟ اور دیکھئے۔ قرآن صاف الفاظ میں عورت کا دائرہ عمل یہ کہہ کر معین کر دیتا ہے۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ
تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ
اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ ٹھہری رہو اور پہلی
جہالت کے سے بناؤ سنگمار کا از کتاب نہ کرو۔

آپ پھر فرمائیں گے کہ یہ حکم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی خواتین کو دیا گیا تھا مگر ہم پوچھتے ہیں کہ آپ کے خیال مبارک میں کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی خواتین کے اندر کوئی خاص نقص تھا جس کی وجہ سے وہ بیرون خانہ کی ذمہ داریوں کے لئے نااہل تھیں؟ اور کیا دوسری خواتین کو اس لحاظ سے ان پر کوئی فوقیت حاصل ہے؟ پھر اس سلسلے کی ساری آیات صرف اہل بیت نبوت کے لئے مخصوص ہیں تو کیا دوسری مسلمان عورتوں کو تبرج جاہلیت (جاہلیت کے بناؤ سنگمار) کی اجازت ہے؟ اور کیا انہیں غیر مردوں سے اس طرح باتیں کرنے کی بھی اجازت ہے کہ ان کے دلیں طمع پیدا ہو؟ اور کیا اللہ اپنے نبی کے گھر کے سوا ہر مسلمان گھر کو "رجس" (پلیسٹی) میں آلود دیکھنا چاہتا ہے؟

اس کے بعد حدیث کی طرف آئیے۔ یہاں ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ واضح ارشادات ملتے ہیں۔
 اِذَا كَانَ امْرَأُكُمْ شَرَّ رَکْمٍ وَاَعْنِيَا کُمْ
 بَعْلَاءَکُمْ وَاُمُورَکُمْ اَلْحَقَّ
 نِسَاءُکُمْ فِی بَطْنِ الْاَرْضِ خَیْرٌ
 مِنْ ظَهْرِهَا
 جب تمہارے امراء تمہارے بدترین لوگ ہوں اور
 جب تمہارے دولت مند خلی ہوں اور جب تمہارے
 معاملات تمہاری عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو
 زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے

ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو
 اپنا بادشاہ بنالیا ہے تو آپؐ نے فرمایا۔ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنے معاملات ایک
 عورت کے سپرد کئے ہوں سہ

مولانا کا فرمان ہے کہ یہ دونوں حدیثیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد الرَّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ کی ٹھیک
 ٹھیک تفسیر بیان کرتی ہیں۔ اور ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیاست و ملک داری عورت کے دائرہ
 عمل سے خارج ہے سہ

معلوم ہوا کہ مولانا مودودیؒ عورت کی سربراہی کے بارے میں اُمتِ محمدیہ کے علمائے کرام
 سے کوئی الگ نظریہ یا عقیدہ نہ رکھتے تھے بلکہ محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت ان کے نزدیک اس وقت کے
 ایک ڈکٹیٹر سے نجات حاصل کرنے کے لئے ضروری تھی۔ اور یہ ان کی اپنے رائے تھی جس سے قرآن و
 سنت کی تعلیم میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔

۱ جامع الترمذی۔ جلد ۲ ص ۶۱۔

۲ صحیح بخاری ص ۶۳۷۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ ۱۴۱۲۔ ۱۴۱۳۔ ۱۴۱۴۔ ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۱۴۱۷۔ ۱۴۱۸۔ ۱۴۱۹۔ ۱۴۲۰۔ ۱۴۲۱۔ ۱۴۲۲۔ ۱۴۲۳۔ ۱۴۲۴۔ ۱۴۲۵۔ ۱۴۲۶۔ ۱۴۲۷۔ ۱۴۲۸۔ ۱۴۲۹۔ ۱۴۳۰۔ ۱۴۳۱۔ ۱۴۳۲۔ ۱۴۳۳۔ ۱۴۳۴۔ ۱۴۳۵۔ ۱۴۳۶۔ ۱۴۳۷۔ ۱۴۳۸۔ ۱۴۳۹۔ ۱۴۴۰۔ ۱۴۴۱۔ ۱۴۴۲۔ ۱۴۴۳۔ ۱۴۴۴۔ ۱۴۴۵۔ ۱۴۴۶۔ ۱۴۴۷۔ ۱۴۴۸۔ ۱۴۴۹۔ ۱۴۵۰۔ ۱۴۵۱۔ ۱۴۵۲۔ ۱۴۵۳۔ ۱۴۵۴۔ ۱۴۵۵۔ ۱۴۵۶۔ ۱۴۵۷۔ ۱۴۵۸۔ ۱۴۵۹۔ ۱۴۶۰۔ ۱۴۶۱۔ ۱۴۶۲۔ ۱۴۶۳۔ ۱۴۶۴۔ ۱۴۶۵۔ ۱۴۶۶۔ ۱۴۶۷۔ ۱۴۶۸۔ ۱۴۶۹۔ ۱۴۷۰۔ ۱۴۷۱۔ ۱۴۷۲۔ ۱۴۷۳۔ ۱۴۷۴۔ ۱۴۷۵۔ ۱۴۷۶۔ ۱۴۷۷۔ ۱۴۷۸۔ ۱۴۷۹۔ ۱۴۸۰۔ ۱۴۸۱۔ ۱۴۸۲۔ ۱۴۸۳۔ ۱۴۸۴۔ ۱۴۸۵۔ ۱۴۸۶۔ ۱۴۸۷۔ ۱۴۸۸۔ ۱۴۸۹۔ ۱۴۹۰۔ ۱۴۹۱۔ ۱۴۹۲۔ ۱۴۹۳۔ ۱۴۹۴۔ ۱۴۹۵۔ ۱۴۹۶۔ ۱۴۹۷۔ ۱۴۹۸۔ ۱۴۹۹۔ ۱۵۰۰۔ ۱۵۰۱۔ ۱۵۰۲۔ ۱۵۰۳۔ ۱۵۰۴۔ ۱۵۰۵۔ ۱۵۰۶۔ ۱۵۰۷۔ ۱۵۰۸۔ ۱۵۰۹۔ ۱۵۱۰۔ ۱۵۱۱۔ ۱۵۱۲۔ ۱۵۱۳۔ ۱۵۱۴۔ ۱۵۱۵۔ ۱۵۱۶۔ ۱۵۱۷۔ ۱۵۱۸۔ ۱۵۱۹۔ ۱۵۲۰۔ ۱۵۲۱۔ ۱۵۲۲۔ ۱۵۲۳۔ ۱۵۲۴۔ ۱۵۲۵۔ ۱۵۲۶۔ ۱۵۲۷۔ ۱۵۲۸۔ ۱۵۲۹۔ ۱۵۳۰۔ ۱۵۳۱۔ ۱۵۳۲۔ ۱۵۳۳۔ ۱۵۳۴۔ ۱۵۳۵۔ ۱۵۳۶۔ ۱۵۳۷۔ ۱۵۳۸۔ ۱۵۳۹۔ ۱۵۴۰۔ ۱۵۴۱۔ ۱۵۴۲۔ ۱۵۴۳۔ ۱۵۴۴۔ ۱۵۴۵۔ ۱۵۴۶۔ ۱۵۴۷۔ ۱۵۴۸۔ ۱۵۴۹۔ ۱۵۵۰۔ ۱۵۵۱۔ ۱۵۵۲۔ ۱۵۵۳۔ ۱۵۵۴۔ ۱۵۵۵۔ ۱۵۵۶۔ ۱۵۵۷۔ ۱۵۵۸۔ ۱۵۵۹۔ ۱۵۶۰۔ ۱۵۶۱۔ ۱۵۶۲۔ ۱۵۶۳۔ ۱۵۶۴۔ ۱۵۶۵۔ ۱۵۶۶۔ ۱۵۶۷۔ ۱۵۶۸۔ ۱۵۶۹۔ ۱۵۷۰۔ ۱۵۷۱۔ ۱۵۷۲۔ ۱۵۷۳۔ ۱۵۷۴۔ ۱۵۷۵۔ ۱۵۷۶۔ ۱۵۷۷۔ ۱۵۷۸۔ ۱۵۷۹۔ ۱۵۸۰۔ ۱۵۸۱۔ ۱۵۸۲۔ ۱۵۸۳۔ ۱۵۸۴۔ ۱۵۸۵۔ ۱۵۸۶۔ ۱۵۸۷۔ ۱۵۸۸۔ ۱۵۸۹۔ ۱۵۹۰۔ ۱۵۹۱۔ ۱۵۹۲۔ ۱۵۹۳۔ ۱۵۹۴۔ ۱۵۹۵۔ ۱۵۹۶۔ ۱۵۹۷۔ ۱۵۹۸۔ ۱۵۹۹۔ ۱۶۰۰۔ ۱۶۰۱۔ ۱۶۰۲۔ ۱۶۰۳۔ ۱۶۰۴۔ ۱۶۰۵۔ ۱۶۰۶۔ ۱۶۰۷۔ ۱۶۰۸۔ ۱۶۰۹۔ ۱۶۱۰۔ ۱۶۱۱۔ ۱۶۱۲۔ ۱۶۱۳۔ ۱۶۱۴۔ ۱۶۱۵۔ ۱۶۱۶۔ ۱۶۱۷۔ ۱۶۱۸۔ ۱۶۱۹۔ ۱۶۲۰۔ ۱۶۲۱۔ ۱۶۲۲۔ ۱۶۲۳۔ ۱۶۲۴۔ ۱۶۲۵۔ ۱۶۲۶۔ ۱۶۲۷۔ ۱۶۲۸۔ ۱۶۲۹۔ ۱۶۳۰۔ ۱۶۳۱۔ ۱۶۳۲۔ ۱۶۳۳۔ ۱۶۳۴۔ ۱۶۳۵۔ ۱۶۳۶۔ ۱۶۳۷۔ ۱۶۳۸۔ ۱۶۳۹۔ ۱۶۴۰۔ ۱۶۴۱۔ ۱۶۴۲۔ ۱۶۴۳۔ ۱۶۴۴۔ ۱۶۴۵۔ ۱۶۴۶۔ ۱۶۴۷۔ ۱۶۴۸۔ ۱۶۴۹۔ ۱۶۵۰۔ ۱۶۵۱۔ ۱۶۵۲۔ ۱۶۵۳۔ ۱۶۵۴۔ ۱۶۵۵۔ ۱۶۵۶۔ ۱۶۵۷۔ ۱۶۵۸۔ ۱۶۵۹۔ ۱۶۶۰۔ ۱۶۶۱۔ ۱۶۶۲۔ ۱۶۶۳۔ ۱۶۶۴۔ ۱۶۶۵۔ ۱۶۶۶۔ ۱۶۶۷۔ ۱۶۶۸۔ ۱۶۶۹۔ ۱۶۷۰۔ ۱۶۷۱۔ ۱۶۷۲۔ ۱۶۷۳۔ ۱۶۷۴۔ ۱۶۷۵۔ ۱۶۷۶۔ ۱۶۷۷۔ ۱۶۷۸۔ ۱۶۷۹۔ ۱۶۸۰۔ ۱۶۸۱۔ ۱۶۸۲۔ ۱۶۸۳۔ ۱۶۸۴۔ ۱۶۸۵۔ ۱۶۸۶۔ ۱۶۸۷۔ ۱۶۸۸۔ ۱۶۸۹۔ ۱۶۹۰۔ ۱۶۹۱۔ ۱۶۹۲۔ ۱۶۹۳۔ ۱۶۹۴۔ ۱۶۹۵۔ ۱۶۹۶۔ ۱۶۹۷۔ ۱۶۹۸۔ ۱۶۹۹۔ ۱۷۰۰۔ ۱۷۰۱۔ ۱۷۰۲۔ ۱۷۰۳۔ ۱۷۰۴۔ ۱۷۰۵۔ ۱۷۰۶۔ ۱۷۰۷۔ ۱۷۰۸۔ ۱۷۰۹۔ ۱۷۱۰۔ ۱۷۱۱۔ ۱۷۱۲۔ ۱۷۱۳۔ ۱۷۱۴۔ ۱۷۱۵۔ ۱۷۱۶۔ ۱۷۱۷۔ ۱۷۱۸۔ ۱۷۱۹۔ ۱۷۲۰۔ ۱۷۲۱۔ ۱۷۲۲۔ ۱۷۲۳۔ ۱۷۲۴۔ ۱۷۲۵۔ ۱۷۲۶۔ ۱۷۲۷۔ ۱۷۲۸۔ ۱۷۲۹۔ ۱۷۳۰۔ ۱۷۳۱۔ ۱۷۳۲۔ ۱۷۳۳۔ ۱۷۳۴۔ ۱۷۳۵۔ ۱۷۳۶۔ ۱۷۳۷۔ ۱۷۳۸۔ ۱۷۳۹۔ ۱۷۴۰۔ ۱۷۴۱۔ ۱۷۴۲۔ ۱۷۴۳۔ ۱۷۴۴۔ ۱۷۴۵۔ ۱۷۴۶۔ ۱۷۴۷۔ ۱۷۴۸۔ ۱۷۴۹۔ ۱۷۵۰۔ ۱۷۵۱۔ ۱۷۵۲۔ ۱۷۵۳۔ ۱۷۵۴۔ ۱۷۵۵۔ ۱۷۵۶۔ ۱۷۵۷۔ ۱۷۵۸۔ ۱۷۵۹۔ ۱۷۶۰۔ ۱۷۶۱۔ ۱۷۶۲۔ ۱۷۶۳۔ ۱۷۶۴۔ ۱۷۶۵۔ ۱۷۶۶۔ ۱۷۶۷۔ ۱۷۶۸۔ ۱۷۶۹۔ ۱۷۷۰۔ ۱۷۷۱۔ ۱۷۷۲۔ ۱۷۷۳۔ ۱۷۷۴۔ ۱۷۷۵۔ ۱۷۷۶۔ ۱۷۷۷۔ ۱۷۷۸۔ ۱۷۷۹۔ ۱۷۸۰۔ ۱۷۸۱۔ ۱۷۸۲۔ ۱۷۸۳۔ ۱۷۸۴۔ ۱۷۸۵۔ ۱۷۸۶۔ ۱۷۸۷۔ ۱۷۸۸۔ ۱۷۸۹۔ ۱۷۹۰۔ ۱۷۹۱۔ ۱۷۹۲۔ ۱۷۹۳۔ ۱۷۹۴۔ ۱۷۹۵۔ ۱۷۹۶۔ ۱۷۹۷۔ ۱۷۹۸۔ ۱۷۹۹۔ ۱۸۰۰۔ ۱۸۰۱۔ ۱۸۰۲۔ ۱۸۰۳۔ ۱۸۰۴۔ ۱۸۰۵۔ ۱۸۰۶۔ ۱۸۰۷۔ ۱۸۰۸۔ ۱۸۰۹۔ ۱۸۱۰۔ ۱۸۱۱۔ ۱۸۱۲۔ ۱۸۱۳۔ ۱۸۱۴۔ ۱۸۱۵۔ ۱۸۱۶۔ ۱۸۱۷۔ ۱۸۱۸۔ ۱۸۱۹۔ ۱۸۲۰۔ ۱۸۲۱۔ ۱۸۲۲۔ ۱۸۲۳۔ ۱۸۲۴۔ ۱۸۲۵۔ ۱۸۲۶۔ ۱۸۲۷۔ ۱۸۲۸۔ ۱۸۲۹۔ ۱۸۳۰۔ ۱۸۳۱۔ ۱۸۳۲۔ ۱۸۳۳۔ ۱۸۳۴۔ ۱۸۳۵۔ ۱۸۳۶۔ ۱۸۳۷۔ ۱۸۳۸۔ ۱۸۳۹۔ ۱۸۴۰۔ ۱۸۴۱۔ ۱۸۴۲۔ ۱۸۴۳۔ ۱۸۴۴۔ ۱۸۴۵۔ ۱۸۴۶۔ ۱۸۴۷۔ ۱۸۴۸۔ ۱۸۴۹۔ ۱۸۵۰۔ ۱۸۵۱۔ ۱۸۵۲۔ ۱۸۵۳۔ ۱۸۵۴۔ ۱۸۵۵۔ ۱۸۵۶۔ ۱۸۵۷۔ ۱۸۵۸۔ ۱۸۵۹۔ ۱۸۶۰۔ ۱۸۶۱۔ ۱۸۶۲۔ ۱۸۶۳۔ ۱۸۶۴۔ ۱۸۶۵۔ ۱۸۶۶۔ ۱۸۶۷۔ ۱۸۶۸۔ ۱۸۶۹۔ ۱۸۷۰۔ ۱۸۷۱۔ ۱۸۷۲۔ ۱۸۷۳۔ ۱۸۷۴۔ ۱۸۷۵۔ ۱۸۷۶۔ ۱۸۷۷۔ ۱۸۷۸۔ ۱۸۷۹۔ ۱۸۸۰۔ ۱۸۸۱۔ ۱۸۸۲۔ ۱۸۸۳۔ ۱۸۸۴۔ ۱۸۸۵۔ ۱۸۸۶۔ ۱۸۸۷۔ ۱۸۸۸۔ ۱۸۸۹۔ ۱۸۹۰۔ ۱۸۹۱۔ ۱۸۹۲۔ ۱۸۹۳۔ ۱۸۹۴۔ ۱۸۹۵۔ ۱۸۹۶۔ ۱۸۹۷۔ ۱۸۹۸۔ ۱۸۹۹۔ ۱۹۰۰۔ ۱۹۰۱۔ ۱۹۰۲۔ ۱۹۰۳۔ ۱۹۰۴۔ ۱۹۰۵۔ ۱۹۰۶۔ ۱۹۰۷۔ ۱۹۰۸۔ ۱۹۰۹۔ ۱۹۱۰۔ ۱۹۱۱۔ ۱۹۱۲۔ ۱۹۱۳۔ ۱۹۱۴۔ ۱۹۱۵۔ ۱۹۱۶۔ ۱۹۱۷۔ ۱۹۱۸۔ ۱۹۱۹۔ ۱۹۲۰۔ ۱۹۲۱۔ ۱۹۲۲۔ ۱۹۲۳۔ ۱۹۲۴۔ ۱۹۲۵۔ ۱۹۲۶۔ ۱۹۲۷۔ ۱۹۲۸۔ ۱۹۲۹۔ ۱۹۳۰۔ ۱۹۳۱۔ ۱۹۳۲۔ ۱۹۳۳۔ ۱۹۳۴۔ ۱۹۳۵۔ ۱۹۳۶۔ ۱۹۳۷۔ ۱۹۳۸۔ ۱۹۳۹۔ ۱۹۴۰۔ ۱۹۴۱۔ ۱۹۴۲۔ ۱۹۴۳۔ ۱۹۴۴۔ ۱۹۴۵۔ ۱۹۴۶۔ ۱۹۴۷۔ ۱۹۴۸۔ ۱۹۴۹۔ ۱۹۵۰۔ ۱۹۵۱۔ ۱۹۵۲۔ ۱۹۵۳۔ ۱۹۵۴۔ ۱۹۵۵۔ ۱۹۵۶۔ ۱۹۵۷۔ ۱۹۵۸۔ ۱۹۵۹۔ ۱۹۶۰۔ ۱۹۶۱۔ ۱۹۶۲۔ ۱۹۶۳۔ ۱۹۶۴۔ ۱۹۶۵۔ ۱۹۶۶۔ ۱۹۶۷۔ ۱۹۶۸۔ ۱۹۶۹۔ ۱۹۷۰۔ ۱۹۷۱۔ ۱۹۷۲۔ ۱۹۷۳۔ ۱۹۷۴۔ ۱۹۷۵۔ ۱۹۷۶۔ ۱۹۷۷۔ ۱۹۷۸۔ ۱۹۷۹۔ ۱۹۸۰۔ ۱۹۸۱۔ ۱۹۸۲۔ ۱۹۸۳۔ ۱۹۸۴۔ ۱۹۸۵۔ ۱۹۸۶۔ ۱۹۸۷۔ ۱۹۸۸۔ ۱۹۸۹۔ ۱۹۹۰۔ ۱۹۹۱۔ ۱۹۹۲۔ ۱۹۹۳۔ ۱۹۹۴۔ ۱۹۹۵۔ ۱۹۹۶۔ ۱۹۹۷۔ ۱۹۹۸۔ ۱۹۹۹۔ ۲۰۰۰۔ ۲۰۰۱۔ ۲۰۰۲۔ ۲۰۰۳۔ ۲۰۰۴۔ ۲۰۰۵۔ ۲۰۰۶۔ ۲۰۰۷۔ ۲۰۰۸۔ ۲۰۰۹۔ ۲۰۱۰۔ ۲۰۱۱۔ ۲۰۱۲۔ ۲۰۱۳۔ ۲۰۱۴۔ ۲۰۱۵۔ ۲۰۱۶۔ ۲۰۱۷۔ ۲۰۱۸۔ ۲۰۱۹۔ ۲۰۲۰۔ ۲۰۲۱۔ ۲۰۲۲۔ ۲۰۲۳۔ ۲۰۲۴۔ ۲۰۲۵۔ ۲۰۲۶۔ ۲۰۲۷۔ ۲۰۲۸۔ ۲۰۲۹۔ ۲۰۳۰۔ ۲۰۳۱۔ ۲۰۳۲۔ ۲۰۳۳۔ ۲۰۳۴۔ ۲۰۳۵۔ ۲۰۳۶۔ ۲۰۳۷۔ ۲۰۳۸۔ ۲۰۳۹۔ ۲۰۴۰۔ ۲۰۴۱۔ ۲۰۴۲۔ ۲۰۴۳۔ ۲۰۴۴۔ ۲۰۴۵۔ ۲۰۴۶۔ ۲۰۴۷۔ ۲۰۴۸۔ ۲۰۴۹۔ ۲۰۵۰۔ ۲۰۵۱۔ ۲۰۵۲۔ ۲۰۵۳۔ ۲۰۵۴۔ ۲۰۵۵۔ ۲۰۵۶۔ ۲۰۵۷۔ ۲۰۵۸۔ ۲۰۵۹۔ ۲۰۶۰۔ ۲۰۶۱۔ ۲۰۶۲۔ ۲۰۶۳۔ ۲۰۶۴۔ ۲۰۶۵۔ ۲۰۶۶۔ ۲۰۶۷۔ ۲۰۶۸۔ ۲۰۶۹۔ ۲۰۷۰۔ ۲۰۷۱۔ ۲۰۷۲۔ ۲۰۷۳۔ ۲۰۷۴۔ ۲۰۷۵۔ ۲۰۷۶۔ ۲۰۷۷۔ ۲۰۷۸۔ ۲۰۷۹۔ ۲۰۸۰۔ ۲۰۸۱۔ ۲۰۸۲۔ ۲۰۸۳۔ ۲۰۸۴۔ ۲۰۸۵۔ ۲۰۸۶۔ ۲۰۸۷۔ ۲۰۸۸۔ ۲۰۸۹۔ ۲۰۹۰۔ ۲۰۹۱۔ ۲۰۹۲۔ ۲۰۹۳۔ ۲۰۹۴۔ ۲۰۹۵۔ ۲۰۹۶۔ ۲۰۹۷۔ ۲۰۹۸۔ ۲۰۹۹۔ ۲۱۰۰۔ ۲۱۰۱۔ ۲۱۰۲۔ ۲۱۰۳۔ ۲۱۰۴۔ ۲۱۰۵۔ ۲۱۰۶۔ ۲۱۰۷۔ ۲۱۰۸۔ ۲۱۰۹۔ ۲۱۱۰۔ ۲۱۱۱۔ ۲۱۱۲۔ ۲۱۱۳۔ ۲۱۱۴۔ ۲۱۱۵۔ ۲۱۱۶۔ ۲۱۱۷۔ ۲۱۱۸۔ ۲۱۱۹۔ ۲۱۲۰۔ ۲۱۲۱۔ ۲۱۲۲۔ ۲۱۲۳۔ ۲۱۲۴۔ ۲۱۲۵۔ ۲۱۲۶۔ ۲۱۲۷۔ ۲۱۲۸۔ ۲۱۲۹۔ ۲۱۳۰۔ ۲۱۳۱۔ ۲۱۳۲۔ ۲۱۳۳۔ ۲۱۳۴۔ ۲۱۳۵۔ ۲۱۳۶۔ ۲۱۳۷۔ ۲۱۳۸۔ ۲۱۳۹۔ ۲۱۴۰۔ ۲۱۴۱۔ ۲۱۴۲۔ ۲۱۴۳۔ ۲۱۴۴۔ ۲۱۴۵۔ ۲۱۴۶۔ ۲۱۴۷۔ ۲۱۴۸۔ ۲۱۴۹۔ ۲۱۵۰۔ ۲۱۵۱۔ ۲۱۵۲۔ ۲۱۵۳۔ ۲۱۵۴۔ ۲۱۵۵۔ ۲۱۵۶۔ ۲۱۵۷۔ ۲۱۵۸۔ ۲۱۵۹۔ ۲۱۶۰۔ ۲۱۶۱۔ ۲۱۶۲۔ ۲۱۶۳۔ ۲۱۶۴۔ ۲۱۶۵۔ ۲۱۶۶۔ ۲۱۶۷۔ ۲۱۶۸۔ ۲۱۶۹۔ ۲۱۷۰۔ ۲۱۷۱۔ ۲۱۷۲۔ ۲۱۷۳۔ ۲۱۷۴۔ ۲۱۷۵۔ ۲۱۷۶۔ ۲۱۷۷۔ ۲۱۷۸۔ ۲۱۷۹۔ ۲۱۸۰۔ ۲۱۸۱۔ ۲۱۸۲۔ ۲۱۸۳۔ ۲۱۸۴۔ ۲۱۸۵۔ ۲۱۸۶۔ ۲۱۸۷۔ ۲۱۸۸۔ ۲۱۸۹۔ ۲۱۹۰۔ ۲۱۹۱۔ ۲۱۹۲۔ ۲۱۹۳۔ ۲۱۹۴۔ ۲۱۹۵۔ ۲۱۹۶۔ ۲۱۹۷۔ ۲۱۹۸۔ ۲۱۹۹۔ ۲۲۰۰۔ ۲۲۰۱۔ ۲۲۰۲۔ ۲۲۰۳۔ ۲۲۰۴۔ ۲۲۰۵

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا فرمان

انگریزوں کے تعزیر دیئے گئے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے ایک فتویٰ کا بھی حوالہ دے کر عورت کی حکمرانی کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے بجائے اس کے کہ اس فتویٰ پر بحث کی جائے مناسب یہ کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے سورۃ نمل کی تفسیر میں جو کچھ فرمایا ہے وہ نقل کر دیا جائے تاکہ حق واضح ہو جائے۔ مولانا کا فرمان ہے۔

ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے پس بلقیس کے قصہ سے کوئی شک نہ کرے۔ اول تو یہ فعل مشرکین کا تھا۔ دوسرے اگر شریعت سلیمان نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرع محمدی میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ محبت نہیں ملے

پروفیسر محمد اسلم صاحب کا استدلال

جامعہ پنجاب میں شعبہ تاریخ کے استاذ پروفیسر محمد اسلم صاحب کا اسی موضوع پر تاریخ کے حوالے سے ۱۳ دسمبر ۲۰۰۸ء کے ”ندا“ میں شائع ہونے والا مضمون بھی نظر سے گزرا۔ جس میں پروفیسر صاحب نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عورت کے حکمران بننے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ انہوں نے اپنے مضمون میں اس فتوے کا رد کیا ہے۔ جو مولانا محمد یوسف لدھیانوی۔ مولانا فدا الرحمن درغوستی، مفتی احمد الرحمن، مولانا عبدالرؤف اور مولانا عبدالرحمن سلفی کے دستخطوں سے ۱۵ نومبر ۱۹۸۸ء کے ایک انگریزی روزنامے میں شتہر ہوا۔ علمائے کرام کے فتوے کی بھی بنیاد صحیح بخاری کی حدیث تھی جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی، جس نے عورت کو اپنا حکمران بنالیا۔

چنانچہ پروفیسر صاحب کا کہنا ہے چونکہ ایران کی ملکہ بوران دُخت کے تخت نشین ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ اس لئے ان کی ”تا قص رائے“ میں

۱۔ تفسیر بیان القرآن، سورۃ النمل۔ ص ۴۵۔

منفیوں کو حدیث مبارکہ کا مفہوم سمجھنے میں سہو ہوا ہے۔ کیونکہ ملکہ کتھرائن، ملکہ وکٹوریہ، ملکہ ولیمینا ملکہ جولیانہ، جون آف آرک، ملکہ الزبتھ ثانی، مسز مارگریٹ تھیچر، ملکہ این انجہانی اندا گاندھی۔ بندرانائیکہ اور گولڈا میشر کے اپنے اپنے عہد میں ان کی قوموں نے ہر میدان میں ترقی کی منازل طے کیں۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے ملک کے عوام کی خوشحالی، فادغ البالی اور کامرانی کا سبب بنی۔ خاص طور پر ملکہ وکٹوریہ کا دور تو ایسا تھا کہ انگریزوں کی حکمرانی میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ لہذا ان حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ عورت کی حکمرانی میں عوام فلاح نہیں پاسکتے؟

مسلمان خواتین میں سے انہوں نے سلطان التمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ، مصر کی شجرۃ الدر بھوپال کی قدسیہ بیگم، شاہجہان بیگم، سکندر جہاں بیگم، سلطان جہاں بیگم اور چاند بی بی کا بھی حوالہ دیا ہے۔ غیر مسلم جہانسی کی رانی کے ذکر کے بعد معترضہ فاطمہ جناح کے الیکشن کو بھی انہوں نے اجاگر کیا ہے۔ ان کی یہ بھی دلیل ہے کہ پاکستان کے آئین کی رو سے جب عورت کے اسمبلی کی رکن منتخب ہونے پر کوئی پابندی نہیں تو اس کے وزیراعظم یا صدر مملکت بننے میں کونسا امر مانع ہے۔ پھر انہوں نے بخاری کی حدیث پر دو طریقوں سے بحث کی ہے۔ کہ اگر یہ افشاء ہے تو اس سے مراد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے رہے ہیں کہ عورت کو حکمران نہ بنایا جائے۔ کیونکہ یہ کسی قوم کے مفاد اور فلاح کے خلاف ہے۔ پھر ان تاریخی حقائق کو کیے جھٹلائیں گے کہ عورتوں کی حکمرانی کے زمانے میں بہت سی قوموں کا بھلا ہوا۔ اگر یہ خبر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اطلاع دے رہے ہیں کہ عورت نا اہل ثابت ہوگی تو ظاہر ہے کہ یہ خبر صادق نہیں ہے۔ اس لئے اس حدیث کا اطلاق صرف بوران و دُخت پر کرنا ہوگا ورنہ حدیث کی صحت مشکوک ہو جائے گی۔

جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب کی بحث کا خلاصہ

محترم پروفیسر صاحب کی بحث کا مرکزی نقطہ نظریہ ہے کہ تاریخی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کی حکمرانی میں ان کے ملکوں اور عوام نے فلاح پائی۔ لہذا جب آپ نے یہ فرمایا کہ یفلح قوم ولوا امرہم امرأۃ۔ تو یہ پوران دخت کے ساتھ خاص تھا۔ اس لئے آج بھی عورت کے حکمران بننے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

فلاح سے کیا مراد ہے؟

حدیث میں ”لن یفلح قوم“ کا معنی یہ کیا جاتا ہے کہ ہرگز قوم فلاح نہیں پائے گی۔ پروفیسر محمد اسلم صاحب نے فلاح کو دنیاوی کامیابی و کامرانی اور خوش حالی سے تعبیر کرتے ہوئے غیر مسلم خواتین کو نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ ایسے کرتے ہوئے وہ بھول گئے۔ کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیر مسلموں، کافروں، ظالموں، فاسقوں اور فاجروں کی پیروی کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ بلکہ ارشاد ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

کرو اور ان کی جو تم میں سے اولی الامر ہیں، اگر کسی بات میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو پھر اس کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹاؤ۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو؟“

قرآن حکیم میں بار بار اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ یہ بھی فرما دیا گیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۖ لَ

”بے شک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں بہترین نمونہ ہے“

لیکن یہاں جس آیت کا حوالہ دیا جا رہا ہے، اس میں اولی الامر بھی شامل ہیں جن کے بارے میں اُمت محمدیہ کو سمجھا دیا گیا ہے کہ جب ان سے کسی مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو پھر معیار اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رہ جاتے ہیں جو راہنمائی اور سرے ملے گی، اسی کے مطابق اگر عمل ہوگا تو عند اللہ مقبول ہوگا، یعنی اختلاف کی صورت میں مسلمانوں اور مومنوں کو اولی الامر کی پیروی سے بھی روک دیا گیا ہے تو غیر مسلم خواتین کا نمونہ اُمت محمدیہ کے لئے کیسے محبت ہو سکتا ہے۔؟

اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسی حقیقی فلاح ہے۔ پرہیزگار صاحب نے جس فلاح کو کامیابی اور کامرانی سے تعبیر کیا ہے۔ کیا اللہ اور اس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہی تصور دیا ہے۔؟

پانچ نمازوں میں مسلمان سوئے فاتحہ پڑھتے ہوئے دعا کرتے ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ • صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

۱۔ ان حزاب: ۲۱۰

۲۔ الفاتحہ: ۶-۷

اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کئے۔ نہ کہ ان کی جن پر تو غضب کیا گیا، اور نہ ہی ان کی جو گمراہ ہوئے۔

نماز میں ہم دعا مانگیں کہ اللہ ہمیں ان کی راہ پر چلا۔ جن پر تو مہربان ہوا۔ اپنی نعمتوں سے جن کو مالا مال کیا۔ لیکن پر دفسیر صاحب نے ایک نہایت ہی اہم مسئلے میں ہمیں راہ اُن کی دکھائی ہے جو کفر و شرک پر قائم رہے اور اسی پر ان کی موت واقع ہوئی۔

قرآن پاک کے آغاز ہی میں فلاح پانے والوں کی صفات اللہ تعالیٰ نے بیان کر دی ہیں۔

السَّعۡدُ • ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ • الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ • وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَيَاۤ اٰخِرَةَ هُمْ يُوقِنُوْنَ • اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ • وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ • ۱۷

السَّعۡدُ۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں۔ متقین کے لئے باعثِ ہدایت ہے۔ متقین وہ ہے جو ایمان بالغیب رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو رزق دے رکھا ہے۔ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو آپ پر اوچھو آپ سے پہلے نازل کیا گیا، اس پر یقین رکھتے ہیں۔ وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ فلاح پانے والے وہی ہوں گے جو متقی، پرہیزگار، اللہ تعالیٰ

سے ڈرنے والے اور اس کے احکام کو بجالانے والے ہیں۔

ارشاد رب العزت ہے۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

”اور اللہ سے ڈرجاؤ تاکہ تم فلاح پاؤ“

فلاح پانے والوں کی صفات پر مزید روشنی یوں ڈالی گئی ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ • الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ •
وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ • وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ
فَاعِلُونَ • وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ • إِلَّا عَلَى
أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ •
فَمَنْ ابْتَغَى وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ • وَالَّذِينَ
هُمْ لِمَا نَاهَوْا مِنْهُ وَعَهْدُهُمْ رَاعُونَ • وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى
صَلَوَاتِهِمْ حَافِظُونَ • أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ • الَّذِينَ
يَرِثُونَ الْيَتْرَدَوسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ • ۝

”فلاح پائی مومنوں نے وہ جو اپنی نمازوں میں ڈرتے ہیں اور وہ جو لغویات سے
اعراض کرتے ہیں، اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرکگاہوں کی حفاظت
کرتے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں اور اپنی لونڈیوں کے۔ پس اس پر ان کو کوئی ظلمت

۱ آل عمران: ۳۰۰

۲ المؤمنون: ۱۱

نہیں ہوگی۔ جس نے اس کے علاوہ کچھ تلاش کیا۔ پس وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد کا خیال رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہی لوگ وارث ہوں گے۔ وہی ہیں جو جنت الفردوس کے وارث ہوں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

یہاں بھی فلاح پانے والوں کا وہ تصور نہیں۔ جو پروفیسر محمد اسلم صاحب نے غیر مسلم محدثوں کے حوالے سے پیش کیا ہے۔

ہر نماز کے لئے اذان دینے ہوئے مؤذن کہتا ہے۔ **حقی علی الصلوٰۃ حقی علی الفلاح** نماز کی طرف آؤ۔ فلاح کی طرف آؤ۔ ظاہر ہے کہ یہاں فلاح سے مراد نماز ہے۔

جس رمضان المبارک میں قیام اللیل کے لئے اپنے اپنے اہل، اپنی بیویوں اور لوگوں کو تائیسویں رات جمع فرمایا تو آپ نے اس رات اتنا لمبا قیام کیا کہ:-
البؤذر کا بیان ہے۔

حقی خشینا ان یفوتنا الفلاح۔

ہمیں خطہ ہذا کہ ہمدانی فلاح جاتی رہی۔ راوی حدیث سے جب پوچھا گیا کہ فلاح سے کیا مراد ہے، تو انہوں نے کہا، **السمحور یعنی عمری کا کھانا** ہے۔

قرآن مبین میں بہت سی آیات میں فلاح کے معنی کو واضح کیا گیا ہے۔ لیکن صرف ایک آیت کو پیش کیا جاتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:-

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْمِعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا
لِّأَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُؤْتِكُمْ ثَمَنَ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ •

”پس اللہ تعالیٰ سے اپنی استطاعت کے مطابق ڈر جاؤ اور سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو۔ یہ

تمہارے حق میں بہتر ہے اور جو اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا پس وہی فلاح پانے والے ہیں۔“
معلوم ہوگا کہ اسلام میں فلاح کا جو تصور ہے، اس سے بالکل مختلف ہے۔ جو پروفیسر محمد اسلم
صاحب نے تاریخی حقائق کی صورت میں پیش کر کے مفسیوں کو استنہاد کا نشانہ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے
نزدیک دنیاوی کامیابی و کامرانی کی کیا حقیقت ہے۔ قرآن سے اس کی بھی ایک جھلک دیکھ لی جائے
توبات اور واضح ہوگی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ فَمَنْ رُخِّصَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ
فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ •

”ہر نفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے اور بے شک قیامت کے روز تم کو تمہارا پورا پورا
اجر دیا جائے گا۔ پس جو آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا۔ وہ کامیاب
ہوگا، اور دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے ؟

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ

لِالتَّغَابُنِ : ۱۶

لِآلِ عِمْرَانَ : ۱۸۵

لَيْسَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝

”دنیا کی زندگی ایک کھیل نمائش ہے اور بے شک آخرت کا گھر ہمیشہ کی زندگی ہے۔ اگر وہ جانتے ہوتے“

پروفیسر صاحب نے دنیا کی جس کامیابی اور کامرانی کو فلاح کا نام دیا ہے۔ قرآن اسے دھوکے کا سامان اور کھیل تماشا قرار دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے موقع پر کیا ہی خوب فرمایا۔

اللَّهُمَّ اِنِ الْعِشَّ عِشَّ الْآخِرَةِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ ۝

”اے اللہ! بے شک اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے پس انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔“

اللَّهُمَّ اِنَّهُ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرِ الْآخِرَةِ فَبَارِكْ فِي الْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ ۝

”اے اللہ! بے شک بھلائی تو آخرت کی بھلائی ہے پس انصار اور مہاجرین میں برکت فرما۔“

امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے کہ عمر فاروقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر چٹائی

کے نشان دیکھے، تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، سیدہ الزبیراء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

دریافت فرمایا۔

مَا يَكِيكَ؟ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ اِنَّ كَسْرِي وَقِيَصْرَ فِيمَا هُمَا

فِيهِ وَاَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اَمَا تَرْضَى اِنْ تَكُنْ

۱۔ العنكبوت : ۶۴

۲۔ صحیح بخاری : ص ۵۸۸

۳۔ صحیح بخاری : ص ۵۸۸

لهم الدنيا ولنا الآخرة

تہیں کس بات نے رلایا ہے؟ (عمر فاروق کا قول ہے) میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! بے شک کسریٰ و قیصر جس حال میں ہیں۔ اس میں ہیں۔ لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تو اس پر راضی نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہو۔ اور ہمارے لئے آخرت؟

عمر فاروقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسریٰ و قیصر کی خوش حالی کا ذکر کیا، تو آپ نے عمر فاروقؓ کو آخرت کی کامیابی کی بشارت دے دی۔
پروفیسر محمد اسلم صاحب نے فلاح کا جو معیار غیر مسلم خواتین کے حوالے سے قائم کیا۔ ان کو ام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کہاں نظر آتے ہیں۔؟

پوران دخت کے ساتھ فلاح والی حدیث کو خالص کرنا

پروفیسر محمد اسلم صاحب کی روشن خیالی اور تحقیق پاکستان کے عوام الناس کو فلاح والی حدیث کا وہ مفہوم بجا رہی ہے۔ جو آج تک مُفسرین اور مُتدین کی کچھ میں نہیں آیا۔ مفتی بیچارے کے سامنے جب کوئی مسئلہ رکھا جاتا ہے تو وہ قرآن و سنت اور فقہ کی روشنی میں اپنی علمی استطاعت کے مطابق فتویٰ دیتا ہے۔ لیکن روشن خیال پروفیسر حضرات زیادہ تر جدیدیت کی رُو میں جتے ہوئے قرآن و سنت کو موجودہ حالات میں فٹ ہونے والے اپنے من گھڑت معنی و مفہوم سے تعبیر کر کے داد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے یہ تو لکھ دیا کہ میری ناقص رائے میں ان مُفسرین کو حدیث مبارکہ کا مفہوم

بکھنے میں سہم ہوا ہے، لیکن انہوں نے اپنی ناقص رائے قائم کرتے ہوئے یہ نہیں بتایا کہ جو کچھ انہوں نے بچھا ہے۔ تاریخی حقائق کے علاوہ اس کا اخذ کیا ہے ؟

اگر کہا جائے کہ ایک عورت پوران دخت کی تخت نشینی کے وقت آپ نے یہ فرمایا تھا اس لئے اسی کے ساتھ یہ خاص ہے۔ حالانکہ ملکہ بلقیس کا قصہ مکہ میں ہی نازل ہو گیا تھا اور پوران دخت کا واقعہ صلیح حدیبیہ کے بعد کا ہے۔ پھر پوران دخت کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ کیا تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط مبارک کو اس نے تو نہیں پھاڑا تھا۔ اور پروفیسر صاحب نے فلاح کا جو تصور غیر مسلموں کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ وہ بھی اس کے عہد میں موجود تھا۔

چنانچہ امام ابن جریر اور ابن اثیر نے نقل کیا ہے۔

فلما ملکت احسن السيرة في رعيتهما وعدلت فيهما فاصلحت

القناطير ووضعت ما بقى من الخراج وردت خشبة الصليب

على ملك الروم وكانت مملكتها سنة واربعه اشهر

”جب وہ مکہ بنی تو اس نے اپنی رعیت کے بارے میں اچھی سیرت کا مظاہرہ کیا۔ ان

کے درمیان عدل کیا۔ پولوں کی مرمت کروائی اور کسانوں پر خراج کی جو بقیہ رقم واجب اللہ

تھی، اسے بھی معاف کر دیا۔ لکڑی کی صلیب شاہ روم کو لوٹا دی اور اس کی حکومت ایک سال

چار مہینے رہی۔“

مؤرخین نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ پوران کے بعد ایک آدمی خشیتہ حکمران بن گیا۔ جسے فوج نے

ایک مہینے کے اندر ہی قتل کر دیا۔ کیوں کہ اس کا کردار اچھا نہ تھا۔

اس کے بعد پوران کی بہن آذر میدخت تخت پر بیٹھ گئی اور اس نے رستم کے باپ کو دھوکے سے قتل کر دیا۔

لہذا فلاح دالی حدیث کو پوران سے خاص کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو متنبہ فرمایا تھا۔

اگر کہا جائے کہ ”لف یفعل قوم“ میں لفظ قوم نکرہ ہے۔ اس لئے اس سے مراد صرف مسلمان نہیں ہو سکتے۔ کوئی بھی قوم ہو سکتی ہے تو اس کا جواب پر دنیہ صاحب نے خود ہی دے دیا ہے۔ یعنی عورتوں کی حکمرانی میں ان کی قوموں نے فلاح پائی۔ کیوں کہ غیر مسلموں میں مرد اور عورت کی حکومت میں کوئی فرق نہیں۔ ان کے ہاں عورت کے حکمران بن جانے پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ دیے بھی ان کے ہاں دنیوی کامیابیاں ہی سب کچھ ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ حدیث مسلمانوں کے ساتھ ہی خاص ہے۔

اس کی مثال قرآن حکیم میں موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا
خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ

”اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کو مذاق نہ کرے۔ ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھے ہوں

اور نہ ہی عورتیں دوسری عورتوں سے ایسا کریں۔ ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں۔“

یہاں قوم سے واضح طور پر مسلمان مراد ہیں۔ لہذا آپ کا ارشاد پوران کے ساتھ نہیں بلکہ امت محمدیہ

کے ساتھ خاص ہے۔ کیوں کہ اسلام میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔

لہذا مسلمان مرد جب کسی عورت کو حکمران بنائیں گے تو قرآنی تعلیم کی خلافت ورزی ہوگی یہی وجہ ہے کہ مفتقرین نے بخاری کی روایت لے کر یفلح قوم ولّوا امرہم امراً کو الرجال قوامون علی النساء کی تفسیر اور مکہ بن بلقیس کے واقعہ میں نقل کیا ہے۔

ائمہ تفسیر کا متفقہ فیصلہ

پروفیسر محمد اسلم صاحب تو ایسے ہی پچارے مفتیوں کے پیچھے پڑ گئے۔ کیونکہ امام ابن جریر طبریؒ، امام قرطبیؒ، امام فخر الدین رازیؒ، امام ابن کثیرؒ، امام سیوطیؒ، امام مراغیؒ، امام خازنؒ، امام شوکانیؒ، امام زعفرانیؒ، امام حبیبیؒ اور علامہ آلوسیؒ نے اپنی اپنی تفاسیر میں تو فیصلہ دے دیا ہے کہ امامت کبریٰ اور صغریٰ مردوں میں رہے گی۔ ان کے نزدیک تو عورت قاضی بھی نہیں بن سکتی۔ اگرچہ امام ابوحنیفہؒ عورت کو فیصلہ کرنے کا صرف ان باتوں میں اختیار دیتے ہیں کہ جن میں اس کی شہادت قابل قبول ہے۔ حدود اور قصاص میں اسے یہ حق حاصل نہیں۔

مفتیوں کی تو یہ مجبوری ہوتی ہے کہ وہ ائمہ سلف سے راہنمائی لیتے ہیں، جب کہ روشن خیال اس کے پابند نہیں ہوتے۔ وہ جو تاویل پسند کریں اپنا لیتے ہیں۔

ایک اور سوال

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے۔

لَا يَفْلَحُ الظَّالِمُونَ ۝
”ظالم فلاح نہیں پائیں گے“

لَا يَفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۝ کافر فلاح نہیں پائیں گے۔

حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ظالم اور کافر دنیا میں دنیاوی فلاح پاتے رہے ہیں اور قیامت تک پاتے رہیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈھیل دے رکھی ہے۔ تاریخی حقائق کی روشنی میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کیا یہ خبر صادق ہے؟ تاریخی حقائق اور قرآن میں جب ٹکراؤ پیدا ہو جائے تو کس کو اپنا یا جائے گا؟ کن ظالموں اور کافروں کے ساتھ ایسی آیتوں کو خاص کیا جائے گا؟

قرآنی رہنمائی

ظاہر ہے کہ کوئی بھی مسلمان قرآن کو جھٹلا نہیں سکتا۔ بلکہ مسلمانوں کا یہ ایمان ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی کتاب حق اور سچ نہیں۔ یہ ایک سترہ حقیقت ہے کہ آخرت میں ظالموں اور کافروں کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کی وضاحت فرمادی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں:-

لَا يَغُرُّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ • مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ
مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ • لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ
لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُسَبِّحُ
مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ ارْتَابُوا ۝

”کافروں کا شہر دل میں خوش حالی میں چلنا پھرنا آپ کو ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے۔
یہ تمہارا سامان ہے۔ پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے لیکن جو اپنے رب سے

ڈر گئے، ان کے لئے ایسی جنتیں ہوں گی کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کے ہاں ان کی ہمانی نوازی ہوگی۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے۔ وہ نیکو کاروں کے لئے اچھا ہے۔“

اسی لئے قرآن و سنت کی تعلیم ہے کہ مسلمان دنیا کی چکا چوند کے پیچھے لگ کر اپنی آخرت کو برباد نہ کریں بلکہ ان کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ دنیا میں ایسے عمل کریں جن پر اللہ راضی ہو جائے اور وہ سب کچھ نصیب ہو جائے جس کا اُس نے اپنے نیک فرمانہ دار بندوں سے وعدہ کر رکھا ہے۔

مسلم خواتین کی سربراہی

پروفیسر محمد اعظم صاحب نے چند مسلم خواتین کے حوالے دے کر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر اس وقت کے علماء کو ان کی سربراہی پر کوئی اعتراض نہ تھا تو اب علماء محافظت کیوں کر رہے ہیں۔ ۹

بات بڑی سیدھی سادھی یہ ہے کہ اگر کسی وقت کسی غیر شرعی کام کے خلاف علمائے کرام اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے ہیں تو یہ دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ اصل معیار قرآن و سنت ہے۔ ویسے بھی جب حکمران کوئی کام کرنے پر تیار جاتے ہیں تو علماء کو اہمیت نہیں دی جاتی، بلکہ زبردستی اپنی مرضی کے مطابق فتویٰ بھی حاصل کر لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی اپنی مرضی سے حمایت میں کچھ کہہ دیتا یا لکھ دیتا ہے، تو اس کا مسئلہ وہ خود ہوگا۔

بھوپال کی بیگمات کا ذکر کرتے ہوئے نواب صلیق الحسن کا نام لے کر یہ تاثر دیا گیا ہے، کہ وہ اس کام پر راضی تھے۔ چنانچہ حافظ عبدالرحمن سلفی کو مخاطب کر کے ان سے نواب صاحب کے کسی ایسے فتوے کا مطالبہ کر دیا گیا ہے کہ جس میں انہوں نے عورت کے سربراہ نہ بننے کا ذکر کیا ہو۔

نواب صدیق الحسن کا تفسیری فتویٰ

اس بحث میں پڑے بغیر کہ بھوپال کی بیگمات کی تقرری انگریز حکومت کے دور میں علانے کرام کے مشورہ سے ہوتی تھی یا نواب صدیق الحسن کا اس میں کوئی ہاتھ ہوتا تھا۔ پروفیسر محمد اسلم کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے نواب صاحب کی اردو تفسیر کا وہ حصہ پیش کیا جاتا ہے جو انہوں نے **السَّجَّالُ قَوْمُونَ عَلَى النِّسَاءِ** کے سلسلے میں لکھا ہے۔

انہوں نے لکھا ہے :- اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد کیا ہے، کہ مرد عورتوں پر قیم ہیں یعنی اس کا رئیس کبیر حاکم مُؤَدَّب ہے جب عورت کبروی کرے۔ یہ اس کو اُدب دے۔ اس لئے کہ مرد افضل ہیں عورتوں پر۔ اسی لئے نبوت مخصوص ہے ساتھ رجال کے۔ بادشاہی اعظم خاص ہے ساتھ مردوں کے لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَوْ اَمْرُهُمْ امْرَاَةٌ۔ رواہ البخاری من حدیث ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ۔ اسی طرح منصب قضاء وغیرہ مخصوص ہے ساتھ مردوں کے علاوہ اس کے مرد اپنا مال عورت پر صرف کرتے ہیں جیسے ہمدونہا وغیرہ۔ ۱۷

یہی نواب صاحب نے وہی فرمایا کہ جس کی بنا پر مفتیوں پر اعتراض کیا گیا۔ نواب صاحب نے اپنی تفسیر میں ایسی بات کہہ دی کہ جس کے بعد کسی خصوصی فتوے کی ضرورت نہیں رہتی۔ انہوں نے وہی کہا جو سلف صالحین سے منقول تھا۔

محترمہ فاطمہ جناح اور رضیہ سلطانہ کے بارے میں پہلے ہی بحث ہو چکی ہے۔

صحیح بات

پروفیسر صاحب کا کہنا بالکل درست ہے کہ پاکستان کے آئین کی رو سے عورت کے اسمبلی کی رکن ہونے پر کوئی پابندی نہیں بلکہ اس کے لئے مزید پیش نشینتیں مختص ہیں جب وفاقی حکومت میں عورتیں وزیر بن سکتی ہیں تو وزیر اعظم یا صدر مملکت بننے سے کوئی امر مانع ہے؟

اگر پروفیسر صاحب کسی شرعی بحث میں اُٹھے بغیر صرف پاکستان کے آئین کے حوالے سے بات کرتے تو کسی کو اعتراض کرنے کا موقع نہ ملتا۔ کیونکہ پاکستان کے آئین کی رو سے جب کوئی سیاسی پارٹی الیکشن جیت لیتی ہے تو اس کا حق بن جاتا ہے کہ حکومت اُس کو سونپی جائے۔ چاہے اُس پارٹی کا سربراہ کوئی مرد ہو یا عورت۔ اگر کوئی عورت لوگوں کے دلوں پر کامیاب ہو کر وزیر اعظم کے عہدے تک پہنچتی ہے تو آئین کی رو سے کوئی اُسے روکنے والا نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ قرارداد و مقاصد خواب آئین کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ اور وزیر اعظم کو حلف لینے ہوئے یہ بھی کہنا پڑتا ہے، کہ میں معیمر قلب حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ میں ایک مسلمان ہوں اور قادرِ مطلق کی توحید، اللہ تعالیٰ کے صحیفوں، قرآن و احکام میں آخری ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور ان کے نبی آخر الزمان ہونے اور ان کے بعد کسی اور نبی کے نہ ہونے، روزِ حساب اور قرآن کریم اور سنت کی تمام تعلیمات و مقتضیات یکمل ایمان رکھتا ہوں۔

اس کے ساتھ آئین میں یہ بھی موجود ہے کہ موجودہ قوانین کو قرآن و سنت کے طے شدہ اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے گا اور ان اصولوں سے متصادم ہونے والا کوئی قانون منظور نہیں کیا جائے گا۔

اِس کے باوجود اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ اور لِلرِّجَالِ عَلَيْهِمُ

درجۃ۔ کو ٹھکرا دیا جائے، تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کما تکنونوا یولی علیکم

”جس طرح تم ہو جاؤ گے ویسے ہی تم پر حاکم مستط کر دیئے جائیں گے۔“

اگر لوگ چاہتے ہیں کہ ان پر عورت حکمران ہو تو ان کو کون روک سکتا ہے؟ لیکن الجھاؤ اس وقت ہوتا ہے جب عورت کے حکمران بننے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ کو شرعی طور پر ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لہذا صحیح بات یہی ہے کہ عورت کی سربراہی والے مسئلے کو آئین اور سیاسی میدان تک محدود رکھا جائے۔ شرع محمدی سے جواز تلاش کرنے کو ترک کر دیا جائے۔

پروفیسر رفیع اللہ شہاب کی تحقیق

عورت کی سربراہی کے عین شریعت کے مطابق ہونے پر اپنی روشن خیالی کا مظاہرہ کرنے والوں میں سے جناب پروفیسر رفیع اللہ شہاب بڑے سرگرم نظر آتے ہیں۔ بیشتر اس کے کہ ان کے دلائل کا جائزہ لیا جائے۔ مناسب ہو گا کہ ان کے معنائیں کو نقل کر دیا جائے۔

اسلامی تعلیمات کو بازیچہ اطفال نہ بنایا جائے

پاکستان کا قیام اسلام کے نام پر عمل میں آیا تھا۔ اس لئے یہاں قائم ہونے والی حکومتیں اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں کوئی نہ کوئی قدم اٹھاتی رہی ہیں۔ تاہم ان میں سے کوئی حکومت بھی اسلامی حکومت کے معیار پر پوری نہیں اُترتی تھی۔ لیکن ہمارے علماء نے ان کے خلاف اسلام کے حوالے سے کوئی آواز نہ اٹھائی۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے سود جیسے حرام کو بھی جائز قرار دے دیا۔ تو یہ

حضرات خاموش رہے لیکن مختصر مدد بے نظیر بھٹو صاحبہ کے وزیراعظم منتخب ہونے پر انہوں نے ایک مکرور حدیث کا سہارا لے کر ان کی حکومت کو خلاف اسلام ثابت کرنا شروع کر دیا۔ اس حدیث کا متن یہ ہے :-

عثمان بن الہشیم نے عوف سے انہوں نے الحسن سے اور انہوں نے ابو بکرؓ سے روایت بیان کی ہے کہ جنگ جمل کے دنوں میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک محکم کے ذریعے نفع پہنچایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنالیا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی غلبہ نہیں پائے گی جو اپنے کاموں کو عورت کے سپرد کر دیں گے لہٰذا اس حدیث کا متن قرآن مجید کے اس واقعے کے خلاف ہے جس میں یمن کی ملکہ سبا کا ذکر ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ وہ عورت اعلیٰ درجے کی حکمران تھی۔ اور اس کی حکمرانی کے نتیجے میں ان کا ملک بڑا خوشحال تھا لہٰذا

مفسرین نے اس کی حکومت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس عورت نے ایک قومی اسمبلی قائم کر رکھی تھی جس کے اراکین کی تعداد ۳۱۲ تھی۔ وہ ان کے مشورے سے کام لے کر حکومت چلاتی تھی۔ لیکن قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تمام اراکین اسمبلی سے زیادہ لائق اور ذہین تھی۔

اس حدیث کا متن نہ صرف قرآن مجید کی آیات کے خلاف ہے بلکہ ائمہ حدیث کے نزدیک اس حدیث کے چاروں راوی غیر ثقہ تھے۔ اس کے پہلے راوی جناب عثمان بن الہشیم کے بارے

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن

۲۔ سورۃ النمل: آیات ۲۲-۲۳۔

میں اگرچہ یہ تصریح کی ہے کہ وہ ایک سچا راوی تھا لیکن اس پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ وہ احادیث بیان کرنے میں بہت زیادہ غلطیاں کرتا تھا۔

عام طور پر وضعی روایات کو قابل قبول بنانے کے لئے اس قسم کے راویوں کا سہارا لیا جاتا تھا۔

دوسرے راوی جناب عوف تھے۔ جن پر الزام تھا کہ وہ قدسی اور شیعہ عقائد رکھتا تھا۔ محدثین نے جن راویوں پر یہ الزام لگائے تھے۔ انہیں غیر ثقہ تصور کیا جاتا تھا۔
تیسرے راوی الحسن ہیں۔ اس نام کے کوئی ۱۵۹ راوی تھے۔ جن کی اکثریت غیر ثقہ تھی۔
اس روایت میں جان بوجھ کر ان کے والد کا نام نہیں دیا گیا۔ جو ان کے غیر ثقہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ وہ بصری تھے۔ یعنی بصرہ کے رہنے والے تھے جن کے بارے میں محدثین نے لکھا ہے کہ وہ مجہول راوی تھے۔

چوتھے راوی حضرت ابو بکرؓ تھے۔ ان کا اصل نام نافع بن الحارث تھا۔ آپ اگرچہ صحابی تھے۔ لیکن آپ ان تین صحابیوں میں سے تھے۔ جنہیں حضرت عمرؓ نے مختلف جرائم کے ارتکاب پر کوڑوں کی سزا دی تھی۔ دوسرے دو صحابیوں کا نام حضرت نافع بن الحارث اور شبل بن معبد تھا۔ انہیں

۱۔ میزان الاعتدال از علامہ ذہبی۔ جلد ۳ ص ۵۹

۲۔ میزان الاعتدال : جلد ۳ ص ۳۰۵

۳۔ میزان الاعتدال : جلد ۱ ص ۸۰ تا ۵۲۸

۴۔ میزان الاعتدال : جلد ۱ ص ۵۰۶

کوٹھوں کی سزا دینے کے بعد حضرت عمرؓ نے تائب ہونے کا مطالبہ کیا۔ دوسرے دو صحابہؓ نے تو فوراً تعیل کر دی لیکن حضرت ابو بکرؓ نے توبہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ ان کی گواہی قبول نہیں کرتے تھے۔

در اصل یہ حدیث حضرت عائشہؓ کو اس بناء پر مطعون کرنے کے لئے وضع کی گئی تھی کہ کچھ لوگ ان کے جنگ جمل میں شریک ہونے پر ناراض تھے۔ اس حدیث میں اس جنگ کا ذکر اسی لئے کیا گیا ہے۔ ویسے خود حضرت عائشہؓ کا عمل ثابت کرتا ہے کہ ایک مسلمان عورت اسلامی فوج کی سپہ سالار بھی بن سکتی ہے اور ضرورت پڑے تو وہ حکمران بھی ہو سکتی ہے۔

آج کل ہمارے علماء اس ضعیف حدیث کو تو خوب اچھال رہے ہیں لیکن سابقہ دعوہ حکومت میں جسے وہ اسلامی قرار دیتے تھے۔ انہوں نے اسلام میں سب سے بڑے حرام یعنی سود کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا۔ قرآن مجید میں سود کو اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔

اس مجرم کے اتکاب کرنے والوں کی قرآن مجید نے سخت سزا مقرر کی ہے۔ یعنی انہوں نے سولی پر لٹکایا جائے۔

لیکن اتنے واضح قرآنی احکامات کو پس پشت ڈالتے ہوئے انہوں نے سود کی ہر صورت کو جائز قرار دے دیا۔ اس مقصد کے لئے ان کے ایک عالم دین نے ایک مستعمل کتاب بلا سود

۱۔ تہذیب التہذیب، تالیف علامہ ابن حجر عسقلانی، جلد ۱۰، ص ۲۶۹

۲۔ سورة البقرہ: آیت ۲۷۹

۳۔ سورة المائدہ: آیت ۳۳

بنکاری تالیف کی۔ اس وقت تک اس کتاب کے تین چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ راقم نے
امروز کی معرفت علمائے کرام کی اسلامی احکامات کے خلاف اس جہارت کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن ان میں
سے کسی نے اس بارے میں ایک لفظ تک کہنا گوارا نہ کیا۔ اسلامی قانون کی اصطلاح میں اسے اجماع سکوتی
کہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں شریعت اسلامی میں جو معاملہ سب سے بڑا حرام بلکہ سنگین جرم ہے۔
اس کے جائز ہونے پر ہمارے علماء نے کامل اتفاق کر لیا تھا اور ابھی تک اس کے خلاف ایک لفظ
تک نہیں کہا۔

اس کے مقابلے میں وہ ایک ضعیف حدیث کا سہارا لے کر عوام منتخب حکومت کے خلاف
کیچڑ اچھال رہے ہیں۔ کسی حدیث کا اگر ایک راوی بھی غیر ثقہ ہو تو محدثین کے نزدیک وہ حدیث
ضعیف قرار پاتی ہے۔ جب کہ اس حدیث کے چاروں راوی جیسا کہ اوپر تفصیلات بیان کی جا چکی
ہیں، غیر ثقہ ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کا متن بھی قرآن مجید کی واضح تعلیمات کے
خلاف ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مذہبی جماعت کی جانب سے پاکستان کے در و دیوار پر اس
ضعیف حدیث کو لکھ کر عوام کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ عوام ان کے اس طرز عمل سے کیا اثر قبول کریں گے
اس کا نتیجہ تو بعد میں ظاہر ہوگا۔ لیکن ان کے اس طرز عمل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ پیش گوئی
ثابت ہو گئی، جو انہوں نے ریاکار علماء کے بارے میں فرمائی تھی کہ یہ لوگ مجھ کو چھانٹتے ہیں اور
اونٹوں کو ثابت نگل جاتے ہیں۔ انہی اس قسم کی غیر اسلامی حرکات سے اپنی عزت تو وہ کھو چکے ہیں،
اس لئے عوام کی اکثریت نے انہیں ووٹ کے قابل نہیں سمجھا۔ لیکن اسلام کے نام پر جو وہ اس قسم
کی حرکات کرتے ہیں۔ تو انہیں اس امر کا اندازہ نہیں کہ وہ اس پتے دین کو کتنا نقصان پہنچا رہے
ہیں۔ کاش وہ اسلام کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے سے باز آ جائیں۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انہیں حق بات تسلیم کرنے کی بہت عطا فرمائے۔ آمین

اسلام میں عورت کی سربراہی کے موضوع پر ایک انقلاب آفرین کتاب

محترم بے نظیر صاحبہ کے وزیر اعظم پاکستان کا عہدہ جلیلہ سنبھالنے سے پہلے ہی ہمارے نیم سیاسی قسم کے علماء نے یہ بحث چھیڑ دی تھی کہ عورت اسلامی ملک کی سربراہ نہیں بن سکتی۔ لیکن ان کی فتنی ٹکافیلوں کو کسی نے درخور اعتناء نہ سمجھا اور محترمہ بے نظیر کو پاکستان کا وزیر اعظم نامزد کر دیا گیا۔ ان کی جانب سے اس عہدے کا حلف اٹھالینے کے بعد ان حضرات نے اپنے اس اعتراض میں مزید شدت پیدا کر لی ہے۔ درودیلوار پر اس ضعیف حدیث کو لکھا جا رہا ہے جس میں حضرت عائشہؓ کو مطعون کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب یہ منسوب کیا جا رہا ہے کہ جب ایک عورت ایران کی حکمران بنی تو آپؐ نے فرمایا کہ جو قوم عورت کو اپنا حکمران بنائے گی، وہ کبھی فلاح نہیں پاسکتی۔

راقم روزنامہ امروز کی ۹ دسمبر کی اشاعت میں ائمہ حدیث کی تحقیق سے یہ ثابت کر چکا ہے کہ اس حدیث کے چاروں راوی ضعیف تھے۔ اور یہ روایت حضرت عائشہؓ کو مطعون کرنے کے لئے وضع کی گئی تھی۔ دوسرے اہل علم نے بھی اپنے اپنے طریقے سے اس حدیث کو قرآن مجید کی تعلیمات کے خلاف ثابت کیا ہے۔ اور اب اس موضوع پر ایک نہایت ہی علمی کتاب سامنے آئی ہے۔

کتاب کا عنوان ہے ”عورت اور مسئلہ امارت“ اور اس کے مصنف ملتان کے علامہ رحمت اللہ طارق صاحب ہیں۔ انہوں نے نہ صرف اس حدیث کا ہر پہلو سے جائزہ لیا ہے بلکہ اسے قرآن مجید اور اسلامی تاریخ کے بھی خلاف ثابت کیا ہے اور اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں جن مہمان عورتوں نے مختلف اسلامی ممالک میں حکومت کی۔ ان کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ اول پر دعویٰ کیا گیا ہے کہ امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی کے اصول و نظریات کی روشنی میں فقہاء اور محدثین کے دلائل کا تفصیلی جائزہ لے کر ثابت کیا گیا ہے کہ اسلامی فہم کی تاریخ میں عورت

کی امامت اور سربراہی کبھی قابلِ اعتراض نہیں رہی۔

کتاب کے پہلے باب میں مسلم معاشرے میں عورت کے مقام اور قیادتِ نسواں کی شرعی حیثیت بیان کی گئی ہے۔ پھر علماء حضرات نے عورت کی سربراہی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اُسے نقل کرنے کے بعد خود انہی علماء کے تسلیم کردہ اصولوں کے مطابق ان کی تحریروں اور دعووں کو رد کیا ہے۔ چونکہ ان سب حضرات کا سب سے بڑا سہارا وہی ایران میں عورت کی حکومت والی حدیث ہی واحد دلیل ہے اس لئے مصنف نے اس پر سیرِ محال تبصرو کیا ہے۔ علماء حضرات جان بوجھ کر اس حدیث کو پورا نقل نہیں کرتے۔ کیوں کہ اس کا پورا متن نقل کر دیا جائے تو ہر صاحبِ عقل قاری پر واضح ہو جاتا ہے۔ کہ یہ روایت حضرت عائشہ کو مطعون کرنے کے لئے وضع کی گئی تھی۔ حدیث کا متن نقل کرنے کے بعد انہوں نے اس حدیث کے راویوں کا جائزہ لیا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کے لئے انہوں نے اسماء الرجال کی کتابوں کی بجائے زیادہ بخاری شریف کی مختلف شروح پر انحصار کیا ہے۔ ان شروح میں علامہ ابن حجر عسقلانی کی شرح فتح الباری کو زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے اور مصنف نے بھی زیادہ تر اسی کتاب کے حوالے دیے ہیں۔ لیکن امام بخاری کی طرح چونکہ علامہ ابن حجر عسقلانی بھی شافعی مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے امام بخاری کے ہم مسلک ہونے کی وجہ سے بخاری کی شرح میں وہ ان کی رعایت کر جاتے ہیں۔ حالانکہ انہی علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی دوسری کتابوں میں راویانِ حدیث کے بارے میں جو تحقیق پیش کی ہے، اُس کی روشنی میں بخاری شریف کی بہت سی احادیث ضعیف قرار پاتی ہیں جن میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے۔ جس کے راوی کے بارے میں وہ اپنی ایک دوسری کتاب میں یہ تحقیق پیش کرتے ہیں۔

اس حدیث کے چوتھی راوی ابو بکرؓ ہیں۔ جن کا اصل نام نفع بن الحارث تھا۔ آپ صحابی

سے کوٹوں کی سزا دی۔ دوسرے دو صحابیوں کے نام حضرت نافع بن الحارث اور حضرت شبل بن معبد تھا۔ انہیں کوٹوں کی سزا دینے کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے ثابت ہونے کا مطالبہ کیا۔ دوسرے دو صحابہ نے تو فوراً تعمیل کی، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے توبہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی بناء پر حضرت عمرؓ ان کی گواہی قبول نہیں کرتے تھے لے

اس کے برعکس مصنف نے ثابت کیا ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے محدث اسے اس لئے تسلیم نہ کرتے تھے۔ کیونکہ اس کے دوسرے تمام راویوں کا تعلق بصرہ سے تھا۔ اور بصرہ کے تمام راوی ائمہ حدیث کے نزدیک غیر ثقہ تھے (صفحہ ۲۸)

مختلف اعداء میں جو مسلمان عورتیں حکمران ہوئیں۔ ان کی تفصیلات کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ فقہاء نے اس بارے میں واضح فتاویٰ اس لئے جاری نہیں کئے کہ مختلف اسلامی ممالک میں ملکیت کا غلبہ تھا۔ ملکیت بنفسہ خلافت اسلام تھی، لیکن حکومت کے ڈر کی وجہ سے علماء حضرات ملکیت کے خلافت زبان نہیں کھولتے تھے۔

سلطان کے بعد دوسرا بڑا غیر ملکی عہدہ قاضی کا ہوتا تھا (صفحہ ۲۲ بحوالہ بدائع الصنائع)

اور حنفی فقہ کے بڑے بڑے فقہاء نے عورت کو اس عہدے کے لائق قرار دیا۔ ان کے نزدیک عورت قاضی بن سکتی ہے اور جب وہ مملکت کا دوسرا بڑا عہدہ حاصل کر سکتی ہے۔ تو وہ سربراہ کیوں نہیں بن سکتی؟ اس بارے میں حنفی فقہ کی سب سے معتبر کتاب بدائع الصنائع میں جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں مصنف نے ان کا خلاصہ اپنی کتاب کے صفحہ ۷۲ پر بیان کر دیا ہے۔

کتاب ”عورت اور مسئلہ امارت“ اس موضوع پر مفصل کتاب ہے، اس کے مطالعہ سے

تمام غلط فہمیاں دُور ہو جائیں گی جو ہمارے بعض علماء کی جانب سے اپنی سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے پھیلائی جا رہی ہیں۔

علامہ طارق بڑے روشن خیال عالم دین دکھائی دیتے ہیں۔ حکومت کو ان کی خدمات سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ ان کی یہ ۸۰ صفحات پر مشتمل کتاب ادارہ ادبیات اسلامیہ، پاک گیٹ، صرافہ بازار، ملتان سے مل سکتی ہے لے

پاکستان ٹائمز میں چھپنے والے دو مضمون

پروفیسر رفیع اللہ شہاب کے انگریزی میں بھی دو مضمون شائع ہوئے۔ ایک کا عنوان ”اسلامی ریاست میں عورت بحیثیت حج“ اور دوسرے کا ”عورتوں کی حکومت کے خلاف جہاد“ تھا لے پہلے مضمون میں امام ابو الحسن ماوردی کی کتاب ”الاحکام السلطانیہ“ کے حوالے سے مسلمان حکمران اور مسلمان حج کے لئے حسب ذیل شرائط نقل کی ہیں۔

۱:- غیر جانبداری : اس کے ذریعے وہ اپنی رعایا کے درمیان اچھی طرح عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے۔

۲:- علم : اس کے لئے پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے قرآن و سنت کی روشنی میں اجتہاد کر سکے گا۔

۳:- فہم و فراست :- اس کے ذریعے اس کو ریاست کے حالات و واقعات

لے روزنامہ امروز ۱۲ دسمبر ۱۹۸۸ء

۲ پاکستان ٹائمز ۹ فروری ۱۹۸۹ء - ۶ مارچ ۱۹۸۹ء

کے بارے میں جلدی مطلع ہونے میں مدد ملے گی۔

۴:- جسمانی نقص سے پاک ہونا؛ اس خوبی کا ہونا نیز نقل و حرکت کے لئے ضروری ہے

۵:- ملکی معاملات میں ماہر ہونا؛ حکمران کے لئے ضروری ہے کہ ریاست کے

سیاسی معاملات میں اسے ماہر ہونا چاہیئے۔ اُمت کی فلاح و بہبود کے لئے جس گہری نظر کی

ضرورت ہوتی ہے وہ بھی اس میں موجود ہونی چاہیئے۔

۶: شجاعت و دلیری:- اسے بہادر اور دلیر ہونا چاہیئے۔ تاکہ دشمن کا مقابلہ ڈٹ کر

کر سکے۔

۷: نسب:- اس کا تعلق عزت والے خاندان سے ہو۔

شرائط کو نقل کرنے کے بعد جناب رفیع اللہ شہاب صاحب نے لکھا ہے کہ مذکورہ بالا

شرائط میں مرد ہونے کا ذکر نہیں۔ اس لئے اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف

رہا ہے۔

پھر انہوں نے امام ابن جریر طبرانی اور امام مالک کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

کہ مسلمان عورتیں مردوں کی طرح اسلامی ریاست کی حکمران اور حج بن سکتی ہیں لے

انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ایسے بھی فقہاء ہیں جو دونوں اماموں کے ساتھ

اتفاق نہیں کرتے۔ کیوں کہ ان کے سامنے بخاری والی حدیث ہے جس کا ذکر انہوں نے اپنے اُردو

مضامین میں کر کے اس کی صحت پر اعتراض کیا ہے۔

انہوں نے امام ابوالحسن ماوردی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ جہاں تک حج کا تعلق ہے امام طبرانی

اور امام مالک کے علاوہ اکثریت اس پر مُصر ہے کہ یہ اہم منصب صرف مردوں کو سونپا جانا چاہیے۔ کیونکہ اس کا درجہ مسلمان حکمران سے بھی اُوچا ہے۔ اس لئے کہ اس کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ حکمران کی بدٹولنیوں کا احتساب کرے۔

ان کا کہنا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا خیال تھا کہ عورت کو اسلامی ریاست میں جج بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن بعد ان کے مکتبہ فکر کے بعض فقہاء نے عورت کی ججی کو ان معاملات تک محدود کر دیا کہ جن میں اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔ دوسرے فقہاء سے بھی یہی منقول ہے لے

جناب پروفیسر صاحب نے دعویٰ کیا کہ بعد میں حنفی فقہاء نے یہ شرط ہٹا دی اور انہوں نے کہا کہ عورت تمام معاملات میں جج ہو سکتی ہے۔

اپنے دوسرے مضمون میں زیادہ تر انہوں نے ہفتہ وار ”تیکر“ کے ایڈیٹر جناب محمد صالح الدین کے پمفلٹ ”عورت کی سربراہی“ کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ علامہ مادر دی کی ”الاحکام السلطانیہ“ کا مطالعہ کے بغیر کوئی شخص مسئلہ امارت کو سمجھ نہیں سکتا۔

پاکستان ٹائمز میں چھپنے والے اپنے دونوں مضامین میں انہوں نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ مسئلہ امارت کے حوالوں کی معرفت کے حصول کے لئے صرف امام مادر دی کی ہی مستند اور لاجواب کتاب ”الاحکام السلطانیہ“ ہے۔

اور دوسرے مضمون میں بھی انہوں نے حضرت ابو بکرؓ والی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان پر حدیث تذف لگی تھی اور حضرت عمرؓ نے ان کی گواہی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ جس شخص کی گواہی حضرت عمرؓ کے نزدیک قابل قبول نہ تھی تو اس کی روایت کردہ حدیث

کس طرح بہارے لئے حجت ہو سکتی ہے۔ مقررہ فاطمہ جناح کے ساتھ جماعت اسلامی نے جس طرح ۱۹۶۵ء کے الیکشن میں تعاون کیا۔ رفیع اللہ شہاب صاحب نے اس کا بھی ذکر کیا ہے۔

جناب پروفیسر صاحب کے آج تک ”عورت کی سربراہی“ کے حق میں جو دلائل نظر سے گزرے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ سامنے آتا ہے۔

۱۔ عورت کی سربراہی میں صحیح بخاری کی جو روایت حضرت ابوبکرؓ سے مروی ہے وہ نہ صرف ضعیف بلکہ گھڑی ہوئی روایت ہے جو حضرت عائشہؓ کو مطعون کرنے کے لئے وضع کی گئی۔ اس لئے ایسی روایت قابلِ حجت نہیں۔

۲۔ چونکہ قرآن میں ملکہ بلقیس کی حکمرانی کا ذکر ہے۔ اس لئے کسی مسلمان عورت کے حکمران ہونے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

۳۔ عورت جب قاضی بن سکتی ہے تو وزیرِ اعظم کیوں نہیں بن سکتی؟

۴۔ اسلام میں عورت کے حکمران بنائے جانے کی ممانعت کا کوئی حکم واضح نہیں۔

۵۔ اسلام کے مختلف ادوار میں مسلمان عورتیں حکمران رہی ہیں۔ لہذا اب بھی عورت حکمران ہو سکتی ہے۔

۶۔ مقررہ فاطمہ جناح کو ایوب خان کے خلاف علماء کی تائید حاصل رہی ہے۔ اب اصول کیوں بدل گیا؟

۷۔ ”عورت کی سربراہی“ کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے انہوں نے علامہ مودودی کی کتاب ”الاحکام السلطانیہ“ کو بہترین قرار دیتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ علامہ عورت کی سربراہی کے خلاف نہ تھے۔

۸۔ ”عورت کی سربراہی“ کے موضوع پر جناب پروفیسر صاحب نے علامہ رحمت اللہ طارق

کی کتاب کو انقلاب آفرین قرار دیا ہے۔

انقلاب آفرین کتاب ”عورت اور مسئلہ مارت“

۹ صفحات پر مشتمل یہ کتاب پہلی مرتبہ اپریل ۱۹۶۵ء اور دوسری مرتبہ اضافات جدیدہ کے ساتھ جولائی ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی۔ چونکہ جناب رفیع اللہ شہاب کی تحقیق کا زیادہ تر مآخذ یہی کتاب ہے۔ لہذا بہتر ہوگا کہ اس کتاب کا رنگ ڈھنگ دیکھ لیا جائے تاکہ مصنف کی روشن خیالی عیاں ہو جائے۔

اس کتاب میں اپنے موقف کو بیان کرتے ہوئے جس طرح اسلامی تاریخ کو مسخ کیا گیا ہے جس انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت ابوبکرؓ کی عزت پر ہاتھ ڈالا گیا ہے اور محدثین کے لئے جو جملے استعمال کئے گئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد مبارک جو علامہ ماوردیؒ نے ”الاحکام السلطانیہ“ میں نقل کیا ہے سامنے آجاتا ہے۔

حبیبك الشئى یعمى ویصم لہ

”کسی چیز کی محبت تمہیں اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے“

امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابو داؤدؒ نے اس حدیث کو حضرت ابوالدرداءؓ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

حضرت علیؓ جویریؒ نے بھی اس سلسلے میں بڑی خوبصورت بات لکھی ہے۔

لہ الاحکام السلطانیہ: ص ۲۶۔ ابو داؤد کتاب الادب باب المہوی

ص ۶۹۹۔ منہ احمد، جلد ۵۔ ص ۱۹۲۔

فكل من في فؤاده وجع يطلب شيئا يوافق الوجع^۱
 ”ہر وہ شخص جس کے دل میں بیماری ہوتی ہے وہ وہی طلب کرتا ہے جو اس کی بیماری
 کے موافق ہو۔“

چنانچہ جناب رحمت اللہ طارق نے ”عورت کی سربراہی“ کو ثابت کرنے کے لئے ایسی
 بیئت کا مظاہرہ کیا ہے کہ جس کے سامنے قرآن و سنت اور اجماع اُمت بیچ ہو گیا۔
 اس سے بڑھ کر کذب و دجل کیا ہو سکتا ہے کہ ”اسلامی فکر کی تاریخ میں عورت کی امارت
 سربراہی کبھی قابلِ اعتراض نہیں رہی“؟ یہ جلد ان کی کتاب کے ٹائٹل کا حصہ ہے۔

نور کا ناقص العقل اور ناقص الدین ہونا

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-
 اسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ
 رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ
 فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ
 تَرْضَوْنَ مِنَ الشَّاهِدَاتِ الْب
 تَصِلَ أَحَدُهُمَا فَتَدْكَرْ
 أَحَدُهُمَا الْآخَرَىٰ س
 (جب کوئی مالی لین دین ہوا تو اپنے مردوں میں سے
 دو کو گواہ بنا لو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور
 دو عورتوں کو ان میں سے گواہ بناؤ جن کی
 گواہی پر تم راضی ہو۔ دو عورتوں کی گواہی اس
 لئے کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اس
 کو یاد کرے۔)

کشف المحجوب (شیخ غلام علی ایڈمنسٹر) ص ۱۸۔

سورة البقرة: آیت ۲۸۲۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ عورت کی عقل میں نقصان کے باعث ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کو رکھا گیا ہے۔ جس طرح صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اے عورتوں کی جماعت! صدقہ اور کثرت سے استغفار کیا کرو۔ اس لئے کہ میں نے تمہاری اکثریت کو اہل جہنم میں دیکھا۔ ان میں سے ایک جزلہ نامی عورت نے عرض کیا۔ اللہ کے رسول! جہنمیوں میں ہماری اکثریت کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا: تم لعن طعن زیادہ اور خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو۔ ناقص العقل والدین ہونے کے باوجود تم سے بڑھ کر عقلمندوں پر غالب آنے والیاں میں نے نہیں دیکھیں۔ اُس عورت نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! عقل و دین میں نقصان کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: عقل میں نقصان یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ اور دین میں نقصان یہ ہے کہ ہمینے میں چند ایسی راتیں آتی ہیں کہ وہ نماز نہیں پڑھتی اور اسی طرح رمضان کے روزے بھی پورے نہیں رکھ پاتی۔ قرآن و سنت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عورت کا وہ مقام نہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عطا فرمایا۔ لیکن جناب رحمت اللہ طارق نے علمائے کرام کو استہزاء کا نشانہ بنایا کہ وہ عورت کا مرتبہ گھٹانے کے لئے کوشاں ہیں۔

ہمارا یہ ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینی مسائل کے بارے میں جو کچھ فرمایا کرتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ارشاد فرماتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کی مضاحت قرآن مجید میں فرمائی ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ
 ہمارا پیارا اپنی مرضی سے بات نہیں کرتا، بلکہ وہی کہتا ہے جو اس کو وحی کیا جاتا ہے۔

علمائے امت نے قرآن مجید کے وحی جلی یا وحی متلو اور آپ کے ارشادات کو وحی خفی یا وحی غیر متعلقہ ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ اس لیے صحیح بخاری کی روایت جو عورت کی سربراہی کے متعلق بارے میں مروی ہے۔ ہمارے نزدیک وہ وحی خفی یا وحی غیر متلو ہے صحت کے اعتبار سے اس کے بالکل صحیح ہونے پر انشاء اللہ مفصل بحث ہوگی۔

عورت کے بارے میں غلط بیانی

رحمت اللہ طارق صاحب نے چند احادیث کا ذکر اسی انداز میں کیا ہے کہ کوئی کہہ دے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ ۖ
 نماز کے قریب مت جاؤ۔

ظاہر ہے کہ سیاق و سباق کو نظر انداز کرنے کے بات کہی جا رہی ہے۔ اسی طرح انہوں نے بھی جامع الترمذی کی شرح، تحفۃ الاحوذی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے سے کُتّا اور عورت گزر جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اگر کُتّا سیاہ رنگ کا نہ ہو۔ تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ لیکن عورت بچی ہو یا بڑی، ظاہریوں کے نزدیک کُتے سے زیادہ پلید ہے۔

نماز میں سترہ کے بارے میں علامہ عبد الرحمن مبارکپوریؒ کی بحث بڑی تختی کے دو صفحوں

میں پھیلی ہوئی ہے جس میں ائمہ حدیث کے مختلف اقوال انہوں نے نقل کئے ہیں۔

امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں دو باب باندھے ہیں۔

باب ماجاء لا یقطع الصلوة شیئ

باب ماجاء لا یقطع الصلوة الا الکلب والحمار والمرأة

ایک باب ہے، کہ نماز کو کوئی شے توڑتی نہیں۔

دوسرا، کتے، گدھے اور عورت کے علاوہ کوئی شے توڑتی نہیں۔

بات صرف اتنی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی تربیت فرمائی کہ جب

نماز میں کھڑے ہونے لگو اور جگہ ایسی ہو کہ لوگوں اور جانوروں کا سامنے سے گزرنا ممکن ہو، تو تم کوئی شے اپنے آپ کے رکھ لو۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ نماز میں کھڑے ہونے کے بعد خضوع و خضوع میں خلل نہ واقع ہو۔

بخاری مسلم کے حوالے سے علامہ عبد الرحمن مبارکپوری نے نقل کیا ہے کہ عائشہؓ سے مروی ہے کہ

رات میں ہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو میں جنازے کی طرح آپ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی۔

اسی لئے امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے اہل علم

کی اکثریت اور ان کے بعد تابعین کا کہنا ہے کہ نماز کو کوئی شے قطع نہیں کرتی لیکن رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جب کوئی تمہارے آگے سے گزرنے لگے تو اس کو روکو۔ کیوں کہ وہ

شیطان ہے۔ خیال رہے کہ شیطان کا لفظ اس پر بولا جاتا ہے جو سرکش اور نافرمان ہو۔

حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ

ایک کبوتر کے پیچھے جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ شیطان یتبع شیطاناً لے ایک شیطان

شیطان کے پیچھے جا رہا ہے :

جہاں تک اہل الظاہر کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں پوری روایت نقل کی جاتی ہے کہ ان کا خیال ہے کہ کتا اور گدھا آگے سے گزرنے والے یا کھڑے ہونے والے ہوں۔ چھوٹے بڑے، مردہ یا زندہ ہوں۔ ان کی وجہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اسی طرح عورت چھوٹی یا بڑی ہو، گزرنے یا رکنے والی ہو۔ سامنے لیٹی ہوئی نہ ہو تو نمازی کی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

اس روایت میں کہیں یہ بات منقول نہیں کہ عورت بچپن ہو یا بڑی وہ کتے سے زیادہ پلید ہے۔ یہ علامہ عبدالرحمن مبارکپوری پر سراسر بہتان ہے۔

مسلمانوں پر یہ فرض نہیں کہ جو اہل ظواہر کہتے ہیں صرف اسی پر عمل ہو۔ محدثین میں سے جس نے کالے کتے کی وجہ سے نماز کے ٹوٹنے کو محمود رکھا۔ اُس میں بھی حکمت وہی ہے کہ نمازی جب نمازیں کھڑا ہو تو اُس کا رابطہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہو جانا چاہیئے

عورت کا ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہونا

جناب رحمت اللہ طارق نے عورت کے ٹیڑھی پسلی سے پیدا کئے جانے کو اپنے انداز میں ذکر کرنے سے بھی صحیح بخاری کی روایت پر اعتراض کیا ہے۔ یعنی ایسی روایت عورت کے مرتبہ کو گھٹانے کے مترادف ہے۔ لیکن وہ بھول گئے کہ جہاں یہ واضح کیا گیا ہے کہ عورت کی پیدائش آدم علیہ السلام کی پسلی سے ہوئی۔ وہاں یہ حکم بھی دو مرتبہ موجود ہے کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

استوصوا بالنساء خیرا "عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو کیونکہ
فانھن خلقن من ضلع ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے اور سب سے
وان اعوج شیء فی الضلع پیڑھی پسلی اوپر والی ہے۔ اگر تو اسے سیدھا
اعلاہ فان ذہبت تقیمہ کرنے کی کوشش کرے گا تو اس کو توڑ دیگا
کھرتہ وان ترکته لہ اگر چھوڑے گا تو وہ پیڑھی رہے گی اس لئے
یزل اعوج فاستوصوا عورتوں سے اچھا سلوک کیا
بالنساء خیرا لہ کرو۔"

امام مسلمؒ نے بھی الفاظ میں معمولی سے فرق کے ساتھ ایسی ہی ہدایت نقل کی ہے۔
قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ لَہ
اور ہم نے کہا۔ اے آدم تم اور تمہاری زوجہ جنت میں رہو۔

اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابہؓ سے منقول ہے۔

واسکن آدم الجنة فكان "اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت میں
یتمشی فیہا وحشاً لیس بسایا۔ وہ اس میں اکیلے ہی چلتے پھرتے تھے
لہ زوج یسکن الیہا ان کا کوئی ساتھی نہ تھا کہ جس سے وہ سکون حاصل

۱۔ صحیح بخاری: باب الوصاة بالنساء: ص ۹۹۔۔ صحیح مسلم: جلد ۱۔ ص ۷۵

۲۔ سورة البقرة: آیت ۳۵

فَتَامَ نَوْمَهُ فَاسْتَيْقَظَ وَإِذَا عِنْدَ رَأْسِهِ امْرَأَةٌ قَاعِدَةٌ خَلَقَهَا اللَّهُ مِنْ ضُلْعِهِ فَسَأَلَهَا مِنْ انْتِفَاعِهَا قَالَتْ امْرَأَةٌ قَالَتْ لَعَلَّ خَلْقَتِ؟ قَالَتْ تَسْكُنُ إِلَىَّ

کرتے ہیں وہ سوئے لیکن جب جاگے تو اپنے سر کے پاس ایک عورت کو بیٹھے پایا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی پسلی سے پیدا کیا تھا آدم علیہ السلام نے اس سے پوچھا تم کون ہو اس نے جواب دیا میں عورت ہوں۔ انہوں نے کہا ہمیں کیوں پیدا کیا گیا؟ اس نے کہا تاکہ مجھ سے تم سکون حاصل کرو۔

قرآن حکیم کے ہی الفاظ ہیں۔
هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا

”وہی ہے جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کے ساتھی کو بنایا تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے“

عورت کی تخلیق کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ اپنے خاوند کے لئے سکون کا سبب بنے۔ یہی بات کہ اس کی تخلیق پسلی سے ہوئی تو امام ابن جریر طبرانی نے اس روایت کو سورۃ البقرہ اور سورۃ النساء میں یعنی دو مرتبہ نقل کیا ہے۔

یہ وہی امام ابن جریر ہیں، جن کے بارے میں جناب رحمۃ اللہ طارق اور رفیع اللہ شہاب دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک عورت حج اور حکمران بن سکتی ہے۔ جہاں تک عورت کے حج بنائے جانے کی بات ہے یہ تو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے لیکن حکمران بنانے والی ان سے

۱۔ تفسیر ابن جریر طبری پ ۲۲۹ - ابن کثیر جلد ۷ ص ۷۹ - تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۵۳

۲۔ ایضاً ابن جریر طبری پ ۲۲۲ - تفسیر القرطبی، جلد ۱ ص ۳۰۱

منقول نہیں۔ لیکن یہ دونوں روشن خیال حضرات اپنے مضامین میں غلط طور پر ان کے کھاتے میں ڈالنے پر تکیے ہوئے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر اس پر بھی منقٹل بحث ہوگی۔ درحقیقت دونوں حضرات کے نزدیک وہ تمام احادیث من گھڑت ہیں۔ جو ان کی فکر اور سوچ کے مطابق نہیں۔

عورت کے قاتل کو قصاص میں قتل کرنا

جناب رحمت اللہ طارق کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ اگر مرد عورت کو قتل کر دے تو قصاص نہیں کیونکہ جس صحیح بخاری کو مشکوک بنانے کا انہوں نے ذمہ لیا ہے۔ اسی میں واضح طور پر منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے قاتل کو اسی طرح قتل کروایا کہ جس طرح اس نے عورت کو قتل کیا تھا۔ امام بخاری نے الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ چار مرتبہ اس روایت کو چار مختلف ابواب کے تحت کتاب الدیات میں نقل کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے۔

ان یہودی ارضی رأس جاریۃ	کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دوڑ
بین حجرین فقیل لہا من	پتھروں کے درمیان رکھ کر کپل دیا۔ اس سے
فعل بک هذا أفلان أخلان	کہا گیا کہ فلاں نے تیرے ساتھ ایسا کیا
حتى ستمی الیہودی فاومأت	فلاں نے ایسا کیا۔ یہاں تک کہ یہودی کا نام
برأسہا فجیئ بالیہودی	لیا گیا تو اس نے سر کے لشدے سے کہا ہاں۔
فاعترف فامر بہ التبی	پس یہودی کو لایا گیا اور اس نے اعتراف کر لیا۔
صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم دیا
فرض رأسہ بالحجارة	پس اس کا سر پتھروں سے کھلا گیا۔

ان چار بابوں میں سے ایک ”بَابُ قَتْلِ الرَّجُلِ بِالْمَرْأَةِ“ ہے۔ یعنی مرد کو عورت کے بدلے قتل کرنے کا باب ہے

عورت کی دیت

امام ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ عورت کی دیت کے بارے میں ابن المنذر اور ابن عبد البر سے مروی ہے کہ اہل العلم کا اس پر اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ اگرچہ ابن علیہ اور الاصم کا کہنا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کی مثل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومنہ کی جان کی دیت سو اونٹ ہے۔ لیکن یہ قول شاذ اور اجماع صحابہ اور سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ کیونکہ آپ نے حضرت عمرو بن حزم کو جو خط لکھا اس میں تھا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہوگی۔

امام زلیعی نے بیہقی کے حوالے سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ میں پہلے اور موجودہ اہل علم میں سے کسی ایک کو نہیں جانتا کہ جس نے عورت کی آدھی دیت ہونے کے بارے میں اختلاف کیا ہو۔

۱۔ صحیح بخاری: کتاب الدیات، ص ۱۰۶-۱۰۷۔ ایضاً الدارمی: ص ۸۰۸۔

۲۔ المغنی: جلد ۷، ص ۷۹۔

۳۔ نصب الرایۃ: جلد ۳، ص ۳۳۔

۴۔ الام: جلد ۶، ص ۱۰۶۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔

يُؤْصِيكُمُ اللَّهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلَّذِيْ كَانَ مِنْكُمْ اَلْاُنْثٰى لِلَّذِيْ كَانَ مِنْكُمْ اَلْاُنْثٰى
اَللّٰهُ تَعَالٰی تمہاری اولادوں کے بارے میں حکم دیتا ہے
کہ ایک مرد کو دو عورتوں کے حصے کے برابر دیا جائے
اگر صرف عورتیں دوسرے زیادہ ہوں تو جو میرے پھوپھا
ہے اس میں سے ان کو دو تہائی دیا جائے۔ اگر صرف
ایک عورت ہو یعنی اس کے ساتھ کوئی مرد وارث
نہ ہو تو اس کو آدھا حصہ دیا جائے۔

احادیث پر اعتراض کرنے والوں کو قرآن بھی اپنے سامنے رکھنا چاہیے کہ میت کے وارثوں
میں مرد اور عورتیں ہوں تو عورت کو مرد سے آدھا حصہ دیا جاتا ہے۔ جب عورتوں کے ساتھ کوئی
مرد نہ ہو۔ تب بھی ان کو پورا نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل و کرم ہے کہ اس نے اپنے دین کو
روشن خیال حضرات کے تابع نہیں کیا۔ ورنہ نہ جانے آج دین کا کیا حشر ہوتا۔ بیکنے اور بہکانے
والے اعتراض کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ لیکن دین حق نہ منسوخ ہوا اور نہ ہی انشاء اللہ تعالیٰ
ہوگا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے۔

عجیب بات

یہ عجیب بات یہ ہے کہ عورت کی نصف دیت کے بارے میں اگر کسی کو اعتراض
کرنے کا کوئی حق پہنچتا ہے تو وہ مردوں کا ہے۔ کیونکہ مرد کے مارے جانے کی صورت میں دیت

اس کی بیوی امدادِ اولاد میں جاتی ہے۔ جب کہ عورت کی دیتِ خاوند اور اس کی اولاد کو ملتی ہے۔
لہذا نقصان تو خاوند کو ہوتا ہے۔ کیونکہ مرد کی دیت میں بیوی کے جھٹے میں کوئی فرق نہیں پڑتا،
نقصان خاوند کو پہنچے اور احتجاجِ عورت کے حامیوں کی طرف سے ہو تو اس سے بڑھ کر ناگہمی اور
کیا ہو سکتی ہے۔ ۹

ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کے بعد حلالہ

یہ مسئلہ کسی بھی حدیث کی کتاب میں موجود نہیں۔ کیونکہ ایک مجلس میں دی جانے والی تین طلاقوں
کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک
حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت اور حضرت عمر فاروقؓ کے خلافت کے پہلے دوسالوں میں تین طلاقوں
کو ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ جب لوگوں نے جلدی کی تو عمر فاروقؓ نے کہا۔ اگر لوگوں نے اس
معلے میں جلدی کی جس میں اللہ تعالیٰ نے آسانی رکھی ہے تو میں اُسے جاری کر دوں گا۔
لوگوں کو تین طلاق میں جلدی کرنے سے روکنے کے لئے حضرت عمر فاروقؓ کا اپنا اجتہاد تھا۔
جس پر انہوں نے بعد میں اپنی ندامت کا اظہار بھی کیا۔

حضرت ابن عباسؓ سے ہی مروی ہے کہ حضرت رکان بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس
میں تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اس پر بڑے غمزدہ ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے
دریافت فرمایا کہ تم نے کیسے طلاق دی۔ انہوں نے عرض کیا۔ میں نے اس کو تین طلاقیں دے دیں۔

۱۔ صحیح مسلم: باب طلاق الثلاث: ص ۷۷، ۷۸۔ ابوداؤد، کتاب الطلاق: ص ۲۹۹-۳۰۰

۲۔ اغاثۃ اللہقان: جلد ۲ ص ۳۵۱۔

آپ نے فرمایا۔ کیا ایک مجلس میں تین دیں۔ انہوں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ وہ ایک ہی طلاق ہے۔ جا اپنی بیوی سے رجوع کر لے لے

حضرت محمود بن لبیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دے دی ہیں۔ آپ غصے کی حالت میں کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کھینچتا ہے۔ حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ ایک شخص کھڑا ہوا۔ اللہ کے رسول! کیا میں اسے قتل کر دوں لے

مفحّہ حوالوں سے عیاں ہوا کہ تین طلاق ایک ہی مجلس میں دینے کا مسئلہ حدیث کا نہیں۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو ان کو ایک شمار کیا جاتا تھا۔ رہی بات حلالہ کی۔ تو اس کے بارے میں جو وعید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتب احادیث میں موجود ہے اس کا علم رکھنے والا کوئی بھی شخص ایسے فعل قبیح و شنیع کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے اور کروانے پر لعنت بھیجی ہے لے

فقہ کی کتابوں میں بھی یہ حدیث مبارک موجود ہے لے بلکہ اس میں لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے لعن اللہ ہے۔ اگر کوئی اس کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ تو وہ اپنے عمل کا خود مسئول ہوگا، اس میں اسلامی تعلیم کا کوئی قصور نہیں۔

لے مسند احمد: جلد ۵ ص ۲۶۵۔ ابوداؤد: ص ۲۹۹۔

لے سنن النسائی، جلد ۲ ص ۸۹۔

لے الترمذی، جلد ۱ ص ۹۲۔ سنن النسائی جلد ۲ ص ۹۲۔ ابن ماجہ ص ۱۳۹۔ ابوداؤد: ص ۲۸۴۔

لے المہدات، باب الرجعة، ص ۳۷۶۔

لہذا جناب رحمت اللہ طارق نے اپنی کتاب کے آغاز میں عورت کے بارے میں اپنے مطلب کے چند حوالے ایسے انداز میں پیش کئے ہیں کہ جن سے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ احادیث و روایات میں عورت کے سماجی رُتبے کو کم دکھانے کے لئے اسلام کو اکسپلاٹ کیا گیا ہے۔ جس نے سابقہ ادیان و ائم کے برعکس عورت کو مساوی حقوق دے کر ایک نئی مثال قائم کی تھی۔ کیونکہ بعد کی مذہبی قیادت محسوس کر رہی تھی کہ عورت کو قبل از اسلام والے مقام تک آکر واپس نہ پہنچایا گیا۔ تو یہ علوم، فنون، معیشت، معاشرت اور سیاست میں بھرپور حصہ لے کر مرد کے مقابلے میں عورت کی کمتری کے مفروضہ کو اسلامی جواز مہمیا کرنے میں رکاوٹ بن جائے گی۔ اس طرح ترجیحات کے اسی تصور نے عورت کی سربراہی کے معاملہ کو بھی اسلام ہی کے حوالے سے ناقابلِ ہمسری ٹھہرایا ہے۔ لیکن اسلام اس کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔ یوں عورت کی سربراہی کے لئے جواز پیدا کرنے کے لئے انہوں نے احادیث کو ٹھکانے، محدثین کی امانت و دیانت کو مجروح کرنے اور لوگوں کو اسلامی تعلیم سے دُور کرنے کا آغاز کر دیا ہے جس میں ان کو چند مدد و معاون بھی مل گئے ہیں لیکن وہ بھول گئے ہیں کہ قرآن و سنت کے تقدس کا خیال رکھنے والے کو ہڈوں مسلمان ابھی موجود ہیں۔

حدیث لَنْ يَفْلِحَ قَوْمٌ وَلَوْ اَمَرَهُمْ امْرَاَةٌ کے بارے میں جناب رحمت اللہ طارق کا

توہین آمیز و منکرانہ موقف

جناب رحمت اللہ طارق کے نزدیک یہ حدیث خالصتہً سیاسی ہے اور اس پر یوں روشنی ڈالتے ہیں کہ اس روایت کی شانِ نزول میں فرمایا جاتا ہے کہ ایران میں جب کسریٰ کی موت واقع ہوئی تو لوگوں نے اس کی بیٹی کو تخت و تاج کا وارث بنالیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبر سنی تو فرمایا۔ لَنْ يَفْلِحَ قَوْمٌ وَلَوْ اَمَرَهُمْ امْرَاَةٌ ”وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی، جس

نے عورت کو مملکت کا والی اور سربراہ بنالیا۔

یہ شانِ نعل اپنے مفہوم میں واضح ہے۔ اگرچہ پس منظر کے لحاظ سے مبہم اور ناکافی ہے۔ کیونکہ واقعات و مشاہدات اس کی تصدیق سے ابا کرتے ہیں۔ اس کا ابتدائی لفظ ”قوم“ نکرہ ہے۔ اسے مرد بنانے کے لئے کسی قاعدے قانون کا سہارا نہیں لیا گیا۔ مان لیا کہ یہاں ”قوم“ سے شہداء سے جنگ جمل کا ایک فریق مراد ہے۔ لیکن اس طرح یہ پس منظر پیشگی تراش سے متعلق ہو کر روایت کی پوزیشن کو مشکوک بنا گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر اطلاع تھی کہ آپ کی رحلت کے ربیعِ صمدی بعد آپ کی زوجہ محترمہ کو اس کا نشانہ بننا پڑے گا۔ تو یہ ناممکن تھا کہ آپ اپنے اہلِ خاندان کو تباہی کے پیش آنے سے پہلے باز نہ رکھتے۔ لیکن دینی تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے کبھی بھی اپنے اہلِ خانہ کو جمل جیسے ناگوار حادثے سے دوچار ہونے کی اطلاع بہم نہیں پہنچائی۔ اس کے باوصف بخاری اور شامین حدیث کے عام اسلوب سے واضح ہوتا ہے کہ ان تمام حضرات نے روایتِ ہذا کے مذکورہ مبہم الفاظ کو تباہیِ فارس والی روایت کا تتمہ کیا ہے۔ یعنی زیرِ بحث فقرو بھی دراصل ایک دوسری روایت کا حصہ ہے۔ جس میں ہے کہ ”تم عنقریب کسریٰ کے خزانوں کے وارث بنو گے اور ایران تمہارے قدموں میں ہوگا۔“ (کتبِ روایات)

لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ ”تباہیِ فارس“ والی پیش گوئی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی گنجائش رکھی تھی کہ فارسی اعدائے اسلام اگر مردوں کو سربراہ بناتے رہے تو ”تباہیِ فارس“ کی نبوی بددعا سے بچے رہیں گے؟ لیکن جب عورت ان کی سربراہ ہوگی تو ان کے خزانے فنا نہیں اسلام کے قبضے میں چلے جائیں گے؟ جواب اگر نفی میں ہے تو ”تباہیِ فارس“ کو بطورِ خاص عورت کی سربراہی سے مربوط کرنے کے کیا سبب؟ اس گزارش کے ساتھ ہی آئیے۔ اب اصلی پس منظر سے نقاب الٹیں تاکہ منہمک کی حیثیت واضح ہو سکے۔

تباہی فارس کا پس منظر (رحمت اللہ طارق)

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ ایران کے عادل بادشاہ خسرو اول عرف نوشیروان ۶۵۱ء - ۶۵۹ء کے عہد حکومت کے چالیسویں سال ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو وہ آفتاب عالم تاب طلوع ہوا۔ جس نے تاریخی اور ظلمت کے پردے چاک کر کے دنیا والوں کو نئی روشنی عطا کی۔ اس نوشیروان کے مرنے کے بعد کسریٰ دوم عرف خسرو پرویز ۵۹۰ء تخت نشین ہوا۔ اور جب ۶۱۰ء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اس کے نام منثور ہدایت ارسال فرمایا۔ پرویز نے وصول کر کے طیش میں آکر اسے چاک کر ڈالا۔ اور یمن میں جو ان دنوں فارس کا حصہ تھا۔ اس کے گورنر باذان کو لکھا کہ دو آدمیوں کو مدینہ منورہ بھیج کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کر کر پرشین دار الحکومت ”مدائن“ میں پیش کیا جائے۔ ادھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ آپ کا منثور رحمت چاک کر دیا گیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ منثور رحمت چاک نہیں ہوا۔ سلطنت کسریٰ کے ریزے ریزے ہو گئے (بخاری وغیرہ)۔

مشکوٰۃ میں بخاری اور مسلم کے حوالہ سے یہ اضافہ بھی موجود ہے کہ آپ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر تباہی فارس ”کی پیش گوئی کے بعد فرمایا۔“ آئندہ تم کسریٰ کے خزانوں کے وارث بنو گے“ وغیرہ گویا کہ آپ نے پرویز کے معاندانہ رویہ پر ہی ”تباہی فارس“ کی اٹل دُعا فرمائی اور اس تباہی کے لئے پیش گوئی کے الفاظ کو زمانی بُعد سے معزاً کر کے پورے وثوق سے واضح فرما دیا۔ کہ مستقبل قریب میں اسلام کی پہلی پود یعنی صحابہ کرام ہی تخت کیاں کے مالک بنا دیئے جائیں گے۔ وغیرہ

یہاں غمخیز کرنے کی بات یہ ہے کہ اس پیش گوئی میں یہ اضافہ کہیں بھی نہیں ہے کہ فارس پر ایسی تباہی اس وقت آجائے گی جب ان پر عورت حکمران ہوگی۔ نابریں ”لن یصلح قوم“ کے فقرے کے لئے تجویز کردہ تتمہ ہوا ضمیمہ اس کا پس منظر نہیں بن سکتے۔

تباہی فارس کسی خاتون کی قیادت کا نتیجہ نہیں تھی (رحمت اللطاف)

یہ بات کہ تباہی فارس کا ضمیمہ تسلیم کرنے کے باوصف بھی یہ حدیث حقائق و مشاہدات کے منافی مواد پر مشتمل ہونے کی بنا پر ناقابل تسلیم ہے کیونکہ مشاہدہ گواہ ہے کہ آپ کی بددعا کہیے یا تیر قضا کا نکلنا تھا کہ یکے بعد دیگرے ایرانی شہزادیاں اور سلاطین قتل ہوتے چلے گئے۔ یعنی خسرو جس نے ۶۱۴ء میں یروشلم اور ۶۱۸ء میں ایجیٹ فتح کر کے ایرانی سلطنت کو دنیا کی بڑی اور ناقابل تحیر حکومت میں تبدیل کیا تھا۔ اس کے بیٹے شیروہ نے ۶۲۸ء میں اسے قتل کر کے خود ہی تخت فارس پر چلوہ کر ہو گیا۔ نہ صرف اتنا بلکہ باپ کی طرح اپنے دیگر سترہ بھائیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد بڑا یہ کہ ۸۱۸ء حکومت کرنے کے بعد ۶۲۹ء میں خود بھی پاگل ہو کر مر گیا۔ اب شیروہ کے بعد اس کا خورد سال بیٹا اردشیر بادشاہ بنا مگر چار ہی ماہ بعد ماٹن کے شیر آزاد نامی ایک شہزادے نے اُسے قتل کر کے بادشاہ بن بیٹھا اور پھر چالیس دن بعد اسے بھی کسی نے تیر جفا کا نشانہ بن کر میدان کسی دوسرے کے لئے صاف کر دیا۔ اب ہوا یہ کہ اس کے بعد ایرانیوں کے پاس کوئی بھی مرد حکومت کا اہل نہ رہا۔ اور سب نے مل کر شیروہ کی بہن پوران دخت کو تخت نشین بنا دیا۔ لیکن چھ ماہ بعد پنیبر اسلام کی پیشگی مگر عام بددعا کے تیر کا شکار ہو کر وہ بھی نیست و نابود ہو گئی۔ اس کے بعد مکر قرعہ فال ایک خاتون ہی کے نام پڑا۔ اور سب نے مل کر اس کی چھوٹی بہن آذر می دخت کو تخت پر بٹھا دیا۔ لیکن اس خاتون کو خراسان کے سر عسکر فرخ ہرمز نے شادی کا پیغام دیا۔ جواب میں شہزادی نے کہا کہ میں بادشاہی کی حالت میں علانیہ شوہر نہیں رکھ سکتی۔ خفیہ طور پر کام براری کر سکتی ہوں۔ چنانچہ فرخ ہرمز رات کے وقت محل میں آیا تو آذر می دخت کے پاس بانوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اور اسی طرح یزدگرد سوم کے عہد تک آذر می دخت ہی فرماں روا رہی۔

یہ تمام واقعات بتا رہے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایران کی تباہی کو غیر مشروط بتایا تھا۔ اور اشارتاً خواہ کتنا ہی کسی خاتون کی قیادت کا نتیجہ ٹھیرا یا تھا۔ یعنی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا نتیجہ تھا کہ تخت کیاں پر جو بھی آیا قبر الہی کی بجلیاں اس پر کوند نے لگیں۔ عورت کا خصوص نہیں مرو بھی ان قبرانی بجلیوں سے بھگم ہوتے رہے اور سلسلہ م سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال (سلسلہ ۴) تک یکے بعد دیگرے کیا مرد کیا عورتیں، بلا امتیاز تباہی کے جہنم میں واصل ہوتے گئے۔ ایسے میں آپ نے عورت ہی کو اگر ذوال ایران کا سبب ٹھہرایا ہوتا تو یہ سلسلہ ابھی یہیں پر نہیں رککا تھا۔ آپ کے وصال (سلسلہ ۴) کے بعد آنے والے ایرانی ”مرد“ سلاطین پر بھی قبر الہی کے تیر برستے رہے اور ایران کی تباہی کا خود مرد بھی اس طرح موجب بنتے رہے جس طرح کہ یہ لوگ عورت کو قصود کر رہے ہیں۔ یعنی آذر میدخت کو ہنز چار ماہ نہیں گزرے تھے کہ خراسانی سر عسکر کے بیٹے ”رستم“ نے اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے اُسے آدھا اور زندہ گرفتار کر کے آنکھوں میں گرم لوبہ پھروا دیا۔ اسی طرح تباہی کے تسلسل نے شاہی نسل کے دانشان تخت تاج کو قریب قریب ختم کر دیا تھا۔ لیکن تپہ چلا کہ ”شیرویہ“ کے خوف سے مفور ایک شہزادہ ”فرخ زاد“ روم میں موجود ہے۔ چنانچہ اُسے بلوایا گیا۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو تیر بددعا نکل کر آں سامان کے جم میں پیوست ہو چکا تھا وہ کب کسی کو آرام سے تخت شاہی پر بیٹھنے دیتا۔ چنانچہ ایک ماہ بعد اسے بھی زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ اب ایک بار درباریوں کو شاہی نسل کے بچے کچھ افراد کی پھر سے تلاش ہوئی تو دراصل ”شہر بار“ کے فرزند اور خسرو پرویز کے پوتے ”یزدگرد“ کا سراغ ملا۔ اور اُسے ہی خلافت فاروقی کے پہلے سال اکیس برس کی عمر میں تخت پر بٹھا دیا گیا۔ جس نے فاروق اعظم سے کئی مقابلے کئے اور ہر بار شکست کھانے کے با وصف موت کے جاں لیوا پنہوں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوتا رہا۔ بالآخر عہد عثمانی میں اُسے بری طرح ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اور پیغمبر خدا کی بددعا کے نتیجہ میں یہ بد نصیب تاجدار بھی بھاگ کر خراسان میں روپوش ہو گیا اور وہاں کے ایک مسلمان نے یہ سمجھ کر کہ اس کے پاس

دولت ہوگی۔ ۲۳۔ اگست ۱۵۵۷ء میں اسے قتل کر کے کپڑے اتارنے کے بعد لاش نہریں بہادی اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آتش پرستوں کے شاہی نسل کی تباہی کی جو بد دعا کی تھی وہ حرفِ بھون پوری ہو گئی۔

عورت کی سربراہی کی حمایت کرنے والوں میں اختلاف

جناب رحمت اللہ طارق نے فارس کی تباہی کے پس منظر کو جس انداز میں پیش کیا ہے۔ اس سے انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جس حدیث کی رو سے عورت کی سربراہی کی نفی ہوتی ہے۔ اس کا فارس کی حکمران عورتوں سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا یا تیر قضا کا نتیجہ تھا جب کہ تاریخ دان پروفیسر محمد اسلم صاحب کا کہنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس قوم کی فلاح کیونکر ہو سکتی ہے جس کی سربراہ عورت ہو۔ یہ فرمان رسالت انشاء ہے یا خیر۔ اگر یہ انشاء ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے رہے ہیں کہ عورت کو حکمران نہ بنایا جائے کیونکہ یہ کسی قوم کے مفاد اور فلاح کے خلاف ہے۔ تو پھر اس تاریخی حقائق کو کیسے جھٹلائیں گے کہ عورتوں کی حکمرانی میں بہت سی قوموں کا بھلا ہوا۔ اگر یہ خبر ہے اور حضور علیہ السلام اطلاع دے رہے ہیں کہ عورتیں نا اہل ثابت ہوں گی۔ تو ظاہر ہے کہ خبر صادق نہیں۔ اس لئے اس حدیث کا اطلاق صرف پورانِ دخت پر کرنا ہوگا۔ ورنہ حدیث کی صحت مشکوک ہو جائے گی۔

معلوم ہوتا ہے کہ جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب کی روشن خیالی ابھی اس انتہاء کو نہیں پہنچی کہ

۱۔ کیونکہ دولت کے لابلاب میں جان لینا مسلم ثقافت کا جزو ہے۔ (رحمت اللہ طارق)

۲۔ ہفت روزہ نندا۔ ص ۳۸-۱۳ دسمبر ۱۹۸۶ء

جہاں قرآن و سنت کی اہمیت اور حقیقت ذاتی رجحان و میلان کے سامنے کچھ نہیں رہتی۔ وہ تاویل تو اپنے رنگ کی کرتے ہیں۔ لیکن جناب رحمت اللہ طارق اور جناب ریفیع اللہ شہاب کی طرح انکار نہیں کرتے۔ اسی لئے انہوں نے عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کو پوراں وخت سے متعلق کر دیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس جناب رحمت اللہ طارق فارس کی حکمران عورتوں کے ساتھ خاص کرنے کو تیار نہیں اور اس حدیث کو نہ صرف خالصتاً سیاسی بلکہ حضرت عائشہؓ کو مطعون کرنے کے لئے گھڑی ہوئی قرار دیتے ہیں۔

جناب رحمت اللہ طارق کے پیش کردہ پس منظر کا تجزیہ

سب سے پہلے شک میں ڈالنے والی بات رحمت اللہ طارق صاحب کو ٹلن فیلم قوم و لو امرهم امرأۃ“ میں لفظ ”قوم“ ہے۔ جو نہ نکرہ ہے۔ جسے معرفتہ بنانے کے لئے کسی قاعدے کا سہارا نہیں لیا گیا۔ اس کی وضاحت پروفیسر محمد اسلم صاحب کے مقالے کے جواب میں کی جا چکی ہے۔ کہ اگرچہ یہ نکرہ ہے۔ لیکن مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے۔ کیوں کہ آپ نے اپنی ہی امت کو متنبہ فرمایا تھا کہ جو قوم اپنے معاملات عورت کو سونپ دے گی۔ وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔ اس لئے کہ عورت کا یہ منصب نہیں ہے۔ اس کو ملک کا نہیں بلکہ گھر کا نگران بنایا گیا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

الا کلکم راع وکلکم	آگاہ ہو جاؤ تم سب نگران ہو۔ تم سب
مستول عن رعیتہ فالامام	سے تمہاری رعیت کے بارے میں سوال ہوگا
الذی علی الناس راع وھو	پس جو امام لوگوں پر نگران ہوگا۔ اس
مستول عن رعیتہ	سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا

والرجل راع علی اهل بیتہ
 وهو مسئول عن رعیتہ
 والمرأة راعیة علی اهل
 بیت زوجها ولده وهی
 مسئولة عنهم وعبد الرجل
 راع علی مال سیده وهو
 مسئول عنه وکلکم
 مسئول عن رعیتہ ۷
 مرد اپنے گھروالوں پر نگران ہے اور اس سے
 اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا اور
 عورت اپنے خاوند کے گھروالوں اور اپنی اولاد پر
 نگران ہے اور ان کے بارے میں اس سے سوال ہوگا
 اور آدمی کا غلام اپنے آقا کے مال پر نگران ہے
 اور اس سے اس کے بارے میں سوال ہوگا اور
 تم سب نگران ہو اور تم سب تمہاری رعیت
 کے بارے میں سوال ہوگا ۷

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں امام کی بجائے امیر اور زوج کی بجائے بعل کے الفاظ ہیں۔ صحیح بخاری کی بعض روایات میں عبد الرجل کی جگہ الخادم بھی منقول ہے۔
 امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے۔

المرأة راعیة فی بیت زوجها عورت اپنے خاوند کے گھر میں نگران ہے
 پھر امام بخاری نے غلام والے حصے کے علاوہ ساری روایت نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ عورت
 ملک کی نہیں بلکہ اپنے گھر کی نگران ہوتی ہے ۷

۱۔ صحیح بخاری: کتاب الاحکام: ص ۱۰۵۔ صحیح مسلم: کتاب الجمع: ص ۳۲ (کتاب الوصایا: ص ۳۸۴۔
 کتاب العتق: ص ۴۴۔ کتاب الاستقراض: ص ۳۲۲۔ کتاب النکاح: ص ۷۹۔ صحیح مسلم: کتاب الامارہ جلد ۲ ص ۱۲
 ابوداؤد: کتاب الامارہ: ص ۴۶۔ جامع الترمذی: کتاب الجہاد: ص ۲۲۔ مسند احمد: جلد ۲۔ ص ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔
 ۷ صحیح بخاری: کتاب النکاح۔ ص ۷۸۳۔

امام ترمذی نے اسی روایت کو ”باب ما جاء في الامام“ امام کے بارے میں جو باب ہے۔ اس کے تحت نقل کیا ہے۔ جس سے مزید واضح ہو جاتا ہے کہ عورت کی حکمرانی کا دائرہ اس کے خاوند کے گھر تک محدود ہے۔

لہذا عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت اُمت محمدیہ ہی سے خاص ہے۔ آپ نے اپنی اُمت کو آگاہ فرمایا کہ جب کوئی قوم اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دے گی تو وہ فلاح نہیں پائے گی۔

لفظ قوم کی وضاحت

جہاں تک ”قوم“ کے نعرہ ہونے کے باوجود مسلمان کے ساتھ خاص کرنے کے قاعدے کا تعلق ہے۔ تو اس کی مثال اللہ تعالیٰ کی اپنی کتاب میں موجود ہے۔ مومنوں سے خطاب ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُوا
قَوْمٍ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا
نِسَاءً مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ
اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ہو سکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہوں۔ اور نہ ہی عورتیں، عورتوں کو مذاق کریں۔ ہو سکتا ہے کہ جن کو مذاق کیا جا رہا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔

امام القرطبیؒ سے مروی ہے کہ قوم سے مراد مرد ہیں۔ کیونکہ قوم لغت میں مردوں کے لئے خاص ہے۔ پھر انہوں نے زہیر کا شعر بھی نقل کیا ہے۔

وما ادری وسوف اخال ادری أقوم آل حصین ام نساء

اُور میں نہیں جانتا اور میرا خیال یہ کہ جلدی جان جاؤں گا کہ قلعے والے مرد ہیں یا عورتیں“
مردوں کو قوم اس لئے کہا گیا کیونکہ لڑائیوں میں بلانے والوں کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور یہ
بھی کہا گیا ہے کہ یہ قائم کی جمع ہے۔ پھر یہ ہر جماعت کے لئے استعمال ہونے لگا اگرچہ وہ کھڑے
بھی نہ ہوتے اور عورتوں کو مجازاً قوم میں شامل کیا گیا ہے لے

اسی لفظ ”قوم“ پر امام القسطنطینی نے اپنی تفسیر کے الجزء الاول میں بھی بحث کی ہے۔
سورۃ حجرات کی اس آیت مبارکہ میں ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو خطا کیجے
ان کو الگ الگ حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپس میں کسی کو کمزور جان کر استہزاء کا نشانہ نہ بنائیں۔
لہذا جس طرح قرآن پاک میں ”قوم“ سے مراد مسلمان مردوں کی جماعت ہے۔ اسی طرح
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ”لن یفلح قوم“ فرمایا۔ تو اس سے مراد مسلمان مرد ہیں یعنی
جب مسلمان مرد اپنا معاملہ کسی عورت کے سپرد کر دیں گے۔ تو وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ عورتوں کو مجازاً
شامل کر لیا جائے تو ساری مسلمان قوم مراد ہوگی۔

جناب رحمت اللہ طارق کی افسوسناک یاد تلی

جناب رحمت اللہ طارق کا کہنا ہے کہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کا فارس
کی حکمران عورتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جب اہل فارس نے عورت کے سپرد
حکومت کر دی۔ تو ان کے اس عمل کی روشنی میں آپ نے خصوصاً مسلمانوں کے لئے فرمایا تھا۔ کہ
جو قوم اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دیگی تو وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔ تاریخ گواہ ہے، آپ نے

جو فرمایا۔ وہ ہمیشہ سچ ہوا۔ جن مسلمان حکمران عورتوں کے حوالے دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے کسی کے دور کو بھی فلاحی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ امدان سب کا عموماً جو انجام ہوا۔ وہ بھی کامیابی سے تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اس پر آگے چل کر انشاء اللہ بحث ہوگی۔

ہمارے اور جناب رحمت اللہ طارق کے موقوف میں بہت بڑا فرق یہ ہے کہ ہم سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و مبارک کو سامنے رکھے ہوئے کہتے ہیں کہ کوئی بھی مسلمان عورت اسلامی ملک کی سربراہ نہیں ہو سکتی۔ جب کہ جناب رحمت اللہ طارق کا فرمان ہے کہ بالکل ہو سکتی ہے امدان کی سربراہی کی نفی کے بارے میں صحیح بخاری کی جو روایت ہے وہ تراشی اور گھڑی گئی تھی۔ ان کے استدلال کو ان ہی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔

کیا وجہ ہوئی کہ جنگِ جمل (۳۵ھ) کے حادثے کے ظہور پذیر ہوتے ہی عورت کی سربراہی میں ہلاکت اور تباہی کا تاثر دیا جانے لگا؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ربع صدی بعد ایک ایسا فقرہ تراش کر آپ کی طرف منسوب کرنے سے کسی طرح حدیث نبوی کہلا سکتا ہے۔ جسے حریم شریفین کے مسلمان اور خود جنگِ جمل میں حصہ لینے والے صحابہؓ اور تابعین حضرات، جو پچاس ہزار کے لگ بھگ تھے، جانتے ہی نہیں تھے؟ ہے کوئی جو اس کا جواب مرحمت فرمادے؟ آئیے آج کی صحبت میں اس رازِ سرستہ کو سر مخفی لا کر ابابِ دانش و بینش پر واضح کر دیں کہ اُمتِ اسلام کے بہت سے افراد بایں زہد و تقویٰ احادیثِ نبوی کے بارے میں بہت ہی بد اعتیاد اور اخذِ مطالب میں غیر سنجیدہ واقع ہوئے تھے۔ ان کا ظاہری کردار تو قابلِ رشک تھا، مگر ان کا باطن سازشوں اور فتنہ پرداز یوں سے ملوث رہا یا ملوث کیا جاتا رہا۔

سوچیے کہ یہ فقرہ کیوں کر اور کن مصیبتوں کے پیشِ نظر ”جنگِ جمل“ کے دوران یا اس کے فوراً بعد مشہور کر کے زبانِ زدِ کرایا گیا؟ اور گنہامِ اشخاص نے مغلوں علمی ماحول سے فائدہ اٹھا کر

کس طرح اپنے دامِ تزویر کو پھیلایا ؟

بخاری نے یہ فقرہ ”کتاب المغازی“ عنوان ”کسر اے کے نام منسوب ہدایت“ میں ۔ اور ”کتاب الفتن“ باب بغیر عنوان کی ذیل میں ایک ہی سند کے ایک ہی جیسے الفاظ میں نقل کیا ہے ، فرماتے ہیں کہ :-

حد ثنا عثمان بن الہیثم حدثنا	ابو بکرۃ نفع بن الحارث (سلسلہ ۱)
عوف عن الحسن عن ابی	نے کہا کہ جنگِ جمل کے دوران نبی اکرم
بکرۃ قال لقد نفعنی اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان نے مجھے تباہی
بکلمۃ سمعتها عن	سے عین اس وقت بچا لیا جبکہ حضرت علیؓ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ	کے خلاف عائشہؓ کی حمایت کا تہیہ کر چکا تھا
وسلم ان اهل فارس قد	یعنی وہ فرمان یاد آ گیا جو ایک عورت کے
ملکوا علیہم بذت کسری	تختِ کسریٰ پر بیٹھنے کے موقع پر آپ
قال لن یفلح قوم ولّوا	نے فرمایا تھا کہ ”وہ قوم کبھی کامران نہیں ہو
امرهم امرأۃ۔	سکتی جس نے کسی عورت کو والی بنالیا۔“

(بخاری بحاشیہ سندھی طبع مبینہ صفحہ ۳۶۶ جلد ۳/۲۳ خیر ۱۵۴/۲)

یہ روایت موجودہ الفاظ کی رو سے اپنے مفہوم میں واضح بھی ہے اور مبہم بھی۔ واضح اس لحاظ سے ہے کہ اس سے عورت کی قیادت کی نفی ہو جاتی ہے اور مبہم اس معنی میں ہے کہ عائشہؓ کے بارے میں تشنہ ہے۔ تاہم سوال یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (سلسلہ ۱) میں آذر میدخت کی تخت نشینی کی خبر سن کر مذکورہ فقرہ زبان پر لا چکے تھے تو آپ کی وفات کے ربع صدی بعد تک صحابہ کرام سے کیوں پوشیدہ رہا ؟ اور بقول بدرالدین عینی حنفی (سلسلہ ۱) حضرت علیؓ کی

فوج کے میں ہزار اور جنابہ صدیقہ کے تیس ہزار حامی (عمدۃ القاری) طبع مصر جلد ۱۱/۵۹/۲ تا ۱۳ اس اہم موقع پر اس اہم حدیث سے آشنا کیوں نہ ہو سکے؟ سینہ امام حسنؑ نے معرکہ جمل کے موقع پر بصرے کے کوچہ و بازار میں سیدہ موصوفہ کے خلاف بڑے معرکہ الاراء لیکچر دیئے مگر کہیں بھی اپنے نانا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رعایت کا حوالہ نہ دے سکے۔ بلکہ موقع و محل کی مناسبت سے چاہئے تھا کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مہم فرمان کی وضاحت فرما دیتے تاکہ مسلمان کا زار جمل میں حصہ ہی نہ لے سکتے۔ اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر پہلے سے کہیں اس روایت کا وجود ہوتا تو بروقت ہی صدیقہ کی محاذ آرائی کو روکا جاسکتا تھا۔ ایسے میں تنہا نفع بن الحارث کو (۱۵۶ھ) میں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ عائشہؓ کی حمایت۔ گمراہی اور ہلاکت کی طرف لے جانے والی ہے؟ اور کیوں اس کے ذہن میں یہ منہی جذبہ ابھرا کہ اُم المؤمنین کی حمایت کو ایک کافرو کی اعانت سے تشبیہ دے کر تاریخ اسلام میں ایک ناگوار تاثر چھوڑا؟ یا یہ کہ ابوجہرہ نفع کے شاگردوں نے آپ کے ذاتی خیالات کو نبوی فیصلہ کا عکس بٹھرا کر ہرقم کی ذمہ داری نفع پر کیوں ڈالی؟ اور پھر یہ بھی سوچئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کئی طور پر ”تبایہ ایران“ کے لئے ”غیر استثنائی“ بد دعا کی تھی تو ایسے میں آتش پرست مردوں کی قیادت میں عافیت اور عورتوں کی سربراہی میں تبایہ سے آپ کو کیا دلچسپی ہو سکتی تھی؟ آپ کہیں گے کہ رافضیوں نے نتیجہ سخت الفاظ میں اخذ کیا ہے۔ میں عرض کروں گا کہ الفاظ کے انتخاب میں میرا علم قاصر ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں۔ لیکن خدا را یہ فرمائیے کہ اُم المؤمنین کو اس روایت کا مصداق بنانے والے کیسے ہی الفاظ کیوں نہ ڈھنڈھ لائیں، ان کا حاصل اس سے کچھ مختلف ہو سکتا ہے؟ کیا عصر حاضر کے علماء حضرات نے اس روایت کی اوٹ میں کھلے بندوں عائشہؓ پر تیر نہیں برسائے؟ یہ تمام سوالات اس قسم کے نہیں کہ انہیں نظر انداز کر کے ایک سیاسی حدیث کو رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے؟

مضحکہ خیز تاویل (رحمت اللہ طارق)

ان جوہری اعتراضات سے بچنے کے لئے ذیل کی مضحکہ خیز تاویل کا سہارا بھی لیا جاتا ہے۔ یعنی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی سربراہی کو تباہی سے موسوم ضرور کیا ہے۔ لیکن جبل کے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ:-

”یہ صدیقہ نہ کسی منصب سربراہی کی خواہاں تھیں اور نہ ہی خلافت و امامت اور ملکہ بننے کی دعویدار“
(فتح الباری طبع بولاق مصر جلد ۱۳/۲۷۷/۸)

لیکن یہ بھی ایک مضحکہ خیز تاویل ہے۔ کیونکہ آپ کی کمان میں تیس ہزار لوگوں کا سر و نشانہ مظاہر کرنا واضح کرتا ہے کہ کسی منصب کی خواہش نہ ہونے کے باوصف لوگوں نے آپ کی سیاسی قیادت پر اعتماد کیا تھا اور کسی حد تک باقاعدہ ”والی“ کی حیثیت دے رکھی تھی اور وہ ”مرد“ والی کی طرح آپ کی اطاعت کرنے کو فرض سمجھتے تھے اور آپ سباطور پر ”ولایت“ کے تقاضوں کے مطابق ان کی کمان کرنے کا اختیار رکھتی تھیں۔ اور اسی دوران آپ کے فوجداری احکام کی طرح دیوانی فیصلے بھی قابل عمل اور باعث تصفیہ تھے۔ ان میں شرعاً اگر قباحت ہوتی تو قد آور صحابہ کرام اور دیگر مسلمانوں کا جم غفیر قباحت پر مجتمع نہ ہو سکتا تھا۔ لہذا عورت کی امارت و صدارت اس زاویہ بھی قابل اعتراض نہیں رہتی! بلکہ اتنے اجمال و اعزاز کے سمیٹنے کے بعد وہ خود بھی اگر منصب قیادت کی مٹی بن جاتیں، تب بھی کسی طرح کی قباحت لازم نہ آ سکتی تھی۔ کیوں کہ تیس ہزار آدمیوں کا اجتماع کسی قیادت کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ اور تاریخ نے یہ محفوظ کر لیا ہے کہ اس وقت ایک عورت ہی نے ”مرکز اطاعت“ بن کر ضبط و نظم کی مثال قائم کی تھی شکست و ریخت سے تو مرد بھی دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ اس کا معیار قطعی طور پر مختلف ہے۔

مصدقہ بنی غلط ہے (رحمت اللہ طارق)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب اس فقرے میں ”قوم“ کا لفظ بایں رعنائی نکمرے کے مقام پر آیا ہے اور نکمرے کا اصول یہ ہے کہ اس کا ”مشارالیه“ جب متعین ہو چکا ہو تو دیگر افسراد یا انواع کو اس کی ذیل میں لانے کے لئے ”مشارالیه“ کا تعدد لازم آئے گا جو لسان عرب کے قواعد کی رو سے فنی عیب کو مستلزم ہے۔ اور زبانِ پیغمبر فنی عیوب سے پاک ہونی چاہیئے۔ وضاحت کے لئے عرض کر دوں کہ اس فقرے یا حدیث کے پس منظر میں ”آذرمی دخت“ کی تخت نشینی بتلائی جاتی ہے۔ اور اس کی روشنی میں ”لن یصلح قوم“ کے الفاظ سیٹ کے جاتے ہیں جو ہر لحاظ سے ”قوم“ کا ”مشارالیه“ اہل فارس بن جاتے ہیں مسلمان قوم ”مشارالیه“ نہیں بن سکتی کہ اشارے کے تعدد کی رو سے ادبیات عرب اس طرح کی بے قاعدگی اور انارکی کی متحمل نہیں ہو سکتی اور جب قاعدہ قانون کی رو سے یہ فقرہ ”عموم“ کی روشنی سے عاری ہو چکا ہے یا یہ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی مشارالیه کا تعین کر کے اس کی گرفت سے مسلمان عورت کو آزاد کر دیا ہے تو ایسے میں ہمارے دور کے اہل علم حضرات کا بے سروکار بائیں بنانا مستم نظر لینی نہیں تو اور کیا ہے؟ لہذا یہ کہنے میں تامل نہ ہونا چاہیئے۔ کہ یہ روایت غلط مصداق اور غلط تاویل کے باعث صدیقہ کے خلاف گہری سازش ہے۔ اسے حقوق نسواں کی پامالی کے ضمن میں پیش کرنا افسوسناک علمی خیانت ہے۔

عائشہؓ کے خلاف گہری سازش (رحمت اللہ طارق)

یہ تنہا ہمدی ہی رائے نہیں کہ نفیع بن الحارث کی معرفت وضع کردہ یہ روایت صدیقہ کے سیاسی موقف اور اطاعت طلب پوزیشن کو کمزور کر دکھلانے کے لئے گہری سازش کا کام کر گئی ہے

اس سے اسلام کی جمہوری مزاج کی نفی بھی ہو جاتی ہے کیوں کہ سلف صالحین میں سے جتنے بھی صاحبائے اشخاص تھے۔ حدیث ہذا کو عائشہؓ کے مقام و منصب اور موقف کو کمزور کرنے کی سازش قرار دیتے تھے۔ شیخ الحدیثین علی بن خلف قرطبی شارح بخاری (۱/۲۵۸م) نے مہلب ازدی (۲۸۸م) کے ذیل کے الفاظ کو بغیر تبصرے کے نقل کر کے ایک گونہ اپنی رائے کا اظہار بھی کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ان ظاہر حدیث ابی بکرؓ یوسف توہین رائے عائشہؓ فیما فعلت۔ "نیفیع کی ظاہر حدیث کا مجموعی تاثر صدیقہ کی امانت اور آپ کی رائے کی توہین کا غماز ہے۔ (فتح الباری طبع مصر جلد ۱۳/۲۶۰/۲۷۵) قرطبی اور مہلب کا یہ بے لاگ تبصرہ کچھ لوگوں کو ناگوار ضرور گذرا ہو گا۔ لیکن اس میں پوشیدہ حقائق کو جھٹلانے کی ہمت کسی میں بھی نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ حدیث ہذا نہ صرف اپنی وضع و ساخت کے لحاظ سے سیاسی ہے۔ اور ایک سیاسی حادثے کے ظہور پذیر ہونے پر مارکیٹ میں "یافت" ہوئی۔ راویوں کے سیاسی مسلک کی ضرور میں بھی وضعی اور سیاسی ہے (وضاحت اپنے مقام پر آئے گی)

ابن حجر کا اضطراب (رحمت اللہ طارق)

قرطبی، ابن بطال اور مہلب ازدی نے زیر بحث روایت کے بارے میں جو متوازن رائے قائم کی تھی۔ ابن حجر اس پر خفا ہیں اور بخاری کا دفاع کرتے ہوئے ذیل کی تاویل کر جاتے ہیں۔ "ابن بطال اور مہلب کی رائے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ کیوں کہ نیفیع بن الحارث عائشہؓ ہی کی طرح صلح پسند اور اصلاح بین الناس کے مسلک پر عامل تھے۔" (فتح الباری ۱۳/۲۶۰) سوال یہ ہے کہ نیفیع کو جب تسلیم ہے کہ عائشہؓ صلح پسند اور اصلاح بین الناس کی حامل تھیں۔ اور اس حد تک نیفیع بھی ان کے ہم آہنگ تھے تو پھر کیا افتاد پڑ گئی کہ اپنے ہی ہم خیال کے موقف کو زک پہنچانے کے لئے ایک ایسی جبر لے آئے جس کا آج سے پہلے نہ وجود تھا اور نہ آگے تاہم اگر نیفیع

کے لئے کوئی نرم گوشہ رکھنا ہی ضروری ہے تو بھی قانون شہادت کی رو سے نفع کی شہادت مردود ہے۔ کیونکہ اُس نے منیر بن شعبہ (ؓ) پر ناحق و ناروا گھناؤنی تہمت لگائی اور ثبوت پیش نہ کر سکے جس پر فاروق اعظمؓ نے (نور - ۴) کے مطابق آئندہ کے لئے اس کی گواہی کو بھی مسترد کر دیا۔ اور انشی کوڑے بھی رسید کروئے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر امام رازی ۲۳/۱۵۹/۶۲ تا ۶۳)

ادھر سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ آپ کی دبستان کے تمام فقہاء، امام سفیان ثوری (ؒ) اور حسن بن صالح رحمہم اللہ ایسے شخص کی گواہی علی الاطلاق مسترد کر دیتے تھے۔ جو حد قذف کا سزا یافتہ ہو نا خواہ تاٹ بھی ہو چکا ہو (رازی ۲۳/۱۶۰/۲۲ تا ۲۳)

امید ہے کہ اس وضاحت کے بعد ابن حجر کا ذہن صاف ہو چکا ہوگا۔ اور جس اضطراب و دلوں میں مبتلا ہو چکے تھے، اس سے نجات مل گئی ہوگی۔ ابن حجر سے صرف اتنی شکایت ہے، کہ وہ جتنا ابوبکرہ نفع بن الحارث کی پائی داماں کے لئے مضطرب تھے۔ چاہئے تھا کہ اتنی ہی تڑپ اور اضطراب کا اظہار صدیقہ بنت حنیف کے لئے بھی کرتے۔ یہ یاد رہے کہ قرآن کے باوصف زیر بحث کی وضع و تراش کے ذمہ دار ابوبکرہ نہیں ہو سکتے۔ جس صاحب نے آپ کو اکیلا ٹ کیا۔ آگے چل کر اس کی نشاندہی کی گئی ہے (ملاحظہ ہو عنوان "اس حدیث میں جھوٹ کا شائبہ" اور "تدلیس" کیا ہے؟ اور "حسن بصری کا سیاسی مذہب")

ہوا کا رخ دیکھ کر (رحمت اللہ طارق)

ابوبکرہ نفع جو کچھ تھے صدیقہ کے بارے میں اتنا مخلص نہ تھے کہ جتنا بتلایا جاتا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ عسکر علیؓ کے میں ہزار شہسوار تھے۔ آمد زوجہ رسولؐ کے حامی و مددگار تیس ہزار تھے۔ اس کے باوجود پلڑا مولاملیؓ ہی کا بھاری تھا۔ (یعنی شرح بخاری، جلد ۱۱/۵۹/۲ تا ۳)

لہذا یہ نادر موقع تھا کہ نفع اپنی وفاداری کا بروقتہ انہار فرما کر سیدنا علیؑ کی نظروں میں
غیر جانبدار ثابت ہوں۔ کیوں کہ ہوا کا سُرخ دیکھ کر موقت بدلنے کا سنہرا چانس تھا۔ ابن حجر کے الفاظ میں
وضاحت ملاحظہ ہو۔

ثم استصوب رایة فی ذالک ۛ نفع کو نئے فیصلے کا اس وقت
الترک لما رأى عبته علی۔ خیال آیا جو نبیؐ کی کامیابی کے
رفع الباری ۱۳/۴۶) خطوط واضح ہونے لگے ۛ

اس طرح نفع نے جب دیکھا کہ غلبہ علیؑ کے ساتھ عائشہؓ کا ساتھ دینا مشکل ہے تو موقع پرست
ہونے کے طعن سے بچنے کے لئے زیر بحث روایت کا سہارا لے لیا کہ گہرائی میں نہ جھانکنے والے
مغالطہ میں پڑے رہیں۔ بلکہ ابن حجر نے زیر بحث روایت کی فنی رکاکتوں کو دیکھتے ہوئے نفع کے
لئے ذیل کی دوسری روایت کا سہارا فراہم کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نفع دراصل ذیل کی (دوسری)
حدیث کو سامنے رکھ کر ہی حمایت عائشہؓ سے دست بردار ہو گئے تھے۔ فرمایا نبی اکرمؐ نے
يُخْرِجُ قَوْمَ هَلْكَى لَا يَفْلَحُونَ ۛ ہلاکت زدہ ایک قوم ایسی نمودار ہوگی
ماتدھم امرأة فی جو جنت سے محروم رہ جائے گی۔ ان کی
الجنة۔ قیادت ایک عورت کر رہی ہوگی ۛ

یہاں ”قوم“ اور ”امرأة“ اگرچہ نکرے کے مقام پر آئے ہیں۔ تاہم نفع کے استدلال
سے ان نکرہوں کے ”مشارالیه“ صحابہ کی وہ جماعت ہے جو صدیقہ کے ساتھ تھی اور خود صدیقہ بھی
ان میں شامل تھی۔ اس طرح روایت ہذا میں جن لوگوں کو جہنمی اور ہلاکت زدہ کہا گیا ہے وہ غیر مبہم ہو
جاتے ہیں۔ یہاں قاری حضرات خود ہی انصاف کر سکتے ہیں کہ ابن حجر کہیں تو نفع کی پالیسی بدلنے
کا سبب غلبہ علیؑ کو قرار دیتے ہیں اور کہیں فرماتے ہیں کہ ان کے نقطہ نظر میں معاون دوسری

روایت نے تبدیلی پیدا کی؟ جو کچھ ہو ہمیں اس سے غرض نہیں کہ جنگ کے موقع پر ایسی احادیث کا مارکیٹ میں بکثرت آجانا کسی اچھنے کی حامل ہیں یا نہیں؟ دیکھنا یہ ہے کہ ابن حجر نے اس بے سند روایت کو معاون روایت کی حیثیت سے ذکر کر کے حالات کو اپنے ڈھب کے مطابق کر دکھلانے کی جو ستم ظریفی کی ہے علمی نقطہ نظر سے اس کی حیثیت کیا ہے؟ کیونکہ ہمارے نزدیک یہ دوسری روایت بھی بے نور اہد "غذگناہ بدر از گناہ" کے مصداق ہے کہ اس میں کھل کر عائشہؓ اور آپ کے ہم کاب ساتھیوں جن میں عشرہ مبشرہ کی صف کے افراد بھی تھے۔ ان سب کو دشمنان اسلام اہد وارث جہنم کہا گیا ہے۔

سیاسی احادیث کا اعتبار (رحمت اللہ طارق)

جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا ہے کہ زیر بحث روایت ابن بطلال، قرطبی اور مہلب کے نزدیک سیاسی روایت ہے۔ جسے ایک خاص حادثہ نے جنم دیا اور چابکدستوں نے زو جہ رسولؐ کو اس کا مصداق قرار دے کر فضا کو اکودہ بنا ڈالا۔ محدثین مانیں یا نہ مانیں، امام بخاریؒ نے روایت ہذا کو لڑائیوں، لشکر کشیوں، خانہ جنگیوں اور فتنہ سامانیوں کے باب میں جگہ دے کر شعوری طہر پر تسلیم کر لیا ہے۔ کہ یہ حدیث سیاسی حدیث ہے۔ اس سے نہ تو عقیدے کا اثبات ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی حکم کا استنباط۔ کیونکہ نیکوے کا جب "مشارالہ" متعین کیا جائے گا تو اس کا عمل محدود ہو کر رہے گا۔ اس سے استدلال عام کی جسارت وہی لوگ کر سکیں گے جو نہ کسی قاعدے قانون کا پاس کرنے دے ہوں گے اور نہ ہی اپنی جہالت پر پھپھانے والے۔

نہ صرف یہ کہ سیاسی احادیث کا اعتبار نہیں ہوتا۔ ابن الجوزی (رحمہ اللہ) و دیگر محدثین کی صراحت کے مطابق۔ مثالب و مناقب کی۔ روایات نیز صحت کے جوہر سے عاری مقصود ہونگی۔ کیوں کہ تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کی بربط صدی گزرنے سے پہلے ہی سیاسی احادیث کی وضع تراش

کی ٹکسائیں قائم ہو چکی تھیں۔ شام میں محص، صید اور حلب۔ اور عراق میں کوفہ و بصرہ۔ اہم مراکز تھے جہاں تازہ بہ تازہ اور نو بہ نو سیاسی احادیث و طعنتی اور متعارف ہوتی رہیں۔ اور مرکز اسلام سے سینکڑوں میل دور رہنے والے مناقب و مثالب اور سیاسی روایات کی گرم بازاری سے اس قدر حیران اور مبہوت ہو چکے تھے کہ انہیں سمجھ ہی نہ آتا تھا کہ اس خود رو مواد کی بابت حرمین شریفین سے کسی طرح کی تصدیق طلب کر سکتے۔ چنانچہ اندیشہ تحقیق سے بے نیاز ہو کر موقعہ شناسوں نے اپنی اپنی صف کی حمایت اور مخالف کی تنقیص میں وہ جوہر دکھلائے کہ الامان۔

اس حدیث کو حرمین شریفین والے نہیں جانتے تھے (رحمت اللہ طارق)

سطح بالا ہماری اپنی ذہنی اختراع نہیں۔ بخاری کے سب سے بڑے شارح، مؤید اور پشتیبان حافظ ابن حجر نے زیر بحث حدیث کے زادیوں کی سکونتی نشاندہی کر کے ایک گونہ ہماری تائید فرمادی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔

”والاسناد کله بصريون“

”اس حدیث کی تمام سندوں کے راوی مرکز اسلام سے باہر کے یعنی بصرے کے تھے۔“

(فتح الباری سلفی ۸/۴، ۱۱/۹ نیز عینی حنفی طبع مصر ۱۱/۳۵۰)

اور جس حدیث کو مرکز اسلام (مکہ و مدینہ) والے نہ جانتے ہوں۔ اس کی بابت امام مالکؒ (رحمہم اللہ)

فرماتے ہیں:-

”جس حدیث کو حجاز سے باہر جہم ملا۔“

إذا خرج الحديث عن الحجاز

اس کا منفر جاتا رہا (وہ بے منفر

انقطع نخاعه) (تدريب الراوى

ہے)“

جلال سیوطی طبع مصر ص ۲۳

اسی طرح امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) کا ارشاد ہے :-

اذا لم یوجد للحديث من

الحجاز اصل ذهب

مخاعده - (تدریب الراوی ص ۲۳) عاری ہے ؟

ابن حجر، عینی اور جلال الدین سیوطی (رحمۃ اللہ علیہ) کی ان تصریحات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے

ہیں کہ یہ حدیث صحابہ کرام خصوصاً حضرت طلحہ شہید (رحمۃ اللہ علیہ) زبیر شہید (رحمۃ اللہ علیہ) حضرت عائشہ

(رحمۃ اللہ علیہ) سیدنا امام حسن علیہ السلام (رحمۃ اللہ علیہ) اور سیدنا علی علیہ السلام کو معلوم نہیں تھی۔ بلکہ جنگ

جمل کا حادثہ اگر مکرر اسلام سے دور عراق میں رونما نہ ہوا ہوتا تو ممکن تھا کہ خود نفع کے شاگرد بھی اسے

نہ جانتے ہوتے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ اہل حرمین، سیدنا علیؑ اور آپ کی بیس ہزار فرج، سیدنا عائشہؓ

اور آپ کے تیس ہزار ساتھی اور عشرہ مبشرہ کا ایک نادر موقعہ پر اس حدیث کو نہ جانا اس بات کی

واضح دلیل ہے کہ یہ حدیث وضعی ہے، روایت کرنے والا کوئی بھی ہو۔ ایسے میں یہ کہنا کہ حدیث فقہ سیاسی

رجحانات اور پولٹیکل وابستگیوں کا کوئی ردِ عمل نہیں ہوا۔ حقائق سے چشم پوشی ہے۔ محدثین کرام

یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ایک راوی فی نفسہ سچا ہے لیکن روایت کرتے وقت گروہی احساسات کا زیادہ پاس

کرتا ہے۔ تو اس کی روایت قابلِ تامل ہے (امام مالک بجالہ "الکفایہ" خطیب بغدادی طبع دکن ۱۳۵۷ھ)

ص ۱۹ تا ۱۵) اور ابن حجر ایسے راوی کو اہل بدعت شمار کر کے پھر اسی پہلے نے اس کی ہمنوا روایت کو

مسترد کرتے ہیں (نزہۃ النظر ص ۳۱) تو جس وقت یہ بات اصول کی حد تک محدثین کرام کو بھی مسلم ہے

تو کیا وجہ ہے کہ امر واقعی کی حد تک ناقابلِ تسلیم ہو۔

غور فرمائیے کہ زیر بحث پولٹیکل حدیث کی بخاری کے ذریعہ دو سندوں کا ایک راوی عوف

بن ابی حمید (متوفی ۲۵۲ھ) بایں زہد و تقویٰ اور صدق شعاری باتفاق محدثین دائرہ رجال "شیعہ"

تھے۔ اور شیعہ بھی اس شان کے کہ خود امام بخاری و مسلم کے متفقہ استاد محمد بشار عوف بندار (متوفی ۱۳۸۵ھ) کو نہایت شدید لہجہ میں کہنا پڑا کہ عوف نہ صرف رافضی تھا، شیطان بھی تھا۔ (بحوالہ میزان الاعتدال، طبع مصر ۳۰۹/۲) تقریب التہذیب طبع مصر ۸۹/۲

یہاں شیطان کہنے سے کسی کے جذبات مجروح نہ ہونا چاہئیں کہ مذہبی یا سیاسی گالی مسلم ثقافت کا لازمی جز ہے۔ دکھلانا یہ مقصود تھا کہ عوف کا اس گروہ سے تعلق تھا جو عائشہ کے بارے میں نیک خواہشات نہیں رکھتا تھا لہذا عائشہ کے بارے میں ان کی مخالفا نہ گواہی بار نہ پاسکتی تھی۔

یہ حدیث منقطع ہے (رحمت اللطارق)

مذکورہ بالا سطور میں واضح کیا جا چکا ہے کہ جنگِ جبل کے بارے میں ایک خاص تاثر چھوڑنے کے لئے سیاسی ہاتھوں نے اس حدیث کو جنم دیا اور زوہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قیامت تک کے لئے ایک ناگوار تاثر کو پروان چڑھا گئے۔ اب آپ اس سند کا دوسرا ناقابلِ تلافی عیب ملاحظہ فرمائیے جس کی فتنی اقدار کو سامنے رکھ کر ہرگز ہرگز تلافی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حدیث کا درمیانی واسطہ بالکل نادر ہے۔ جناب عوف کے استاد اودہ تابعین کے مشہور پیر طریقت حسن ابن ابی الحسن البصری (متوفی ۳۲۱ھ) جو کہ اس سند کے دوسرے اہم راوی ہیں۔ بایں جلالتِ شان احادیثِ نبوی میں بزرگ ترین قسم کا تصرف کرنے کے عادی تھے۔ علامہ خزرجمی (متوفی ۸۵۸ھ) نے لکھا ہے کہ یہ شخص صحابہ کرام کی بھاری جمعیت سے یونہی مرسل روایتیں بیان کرتا تھا۔ (صف ۶۶ سطر ۵) اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے جس روایت کو مرسل انداز سے روایت کیا ہو۔ تو وہ ناقابلِ حجت ہے (سطر ۶) علامہ خزرجمی اور ابن سعد وغیرہ کی تصریحات سے واضح ہوا کہ حسن بصری منقطع اور مرسل روایتیں بیان کرنے کا عادی تھا وہو المطلوب۔ اب دیکھئے کہ حسن مذکور زیر بحث فقہ کو

روایت کرتے ہیں۔ جناب ابوبکرہ (ابوبکر نہیں) سے جن کا پورا نام نفع بن الحارث تھا۔ (ادھر محدثین کرام تصریح فرما چکے ہیں کہ حسن مذکور کی روایت ذیل کے صحابہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔) (خسار جی ۶۶/۵) مثلاً حضرات جندب، انس، عبدالرحمن بن مغیرہ، ابوبکرہ، عقیل بن یسار، ابوہریرہ اور سمرہ رضی اللہ عنہم (۵/۵) اور جب حسن کی روایت ابوبکرہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔ تو ہم کیونکر باور کریں کہ عورت کی سربراہی میں تباہی کا تخمیل عام کرنے یا ختم دینے کے ذمہ دار تنہا حضرت ابوبکرہ ہی ہو سکے ہیں؟

ایک مغالطہ (رحمت اللہ طارق)

محدثین کی اصطلاح میں جب کہا جائے کہ فلاں راوی فلاں فلاں شیخ سے روایت کرتا ہے تو اس سے ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اس راوی نے ضرور ہی اپنے شیخ سے بالمشافہ روایت کی ہے؟ بلکہ اسطرح روایت کو بھی سلسلہ رواۃ ہی میں شمار کر لیا جاتا ہے۔ ادیہی مغالطہ حسن بصری کے بارے میں بھی پیش آیا کہ اسے ابوبکرہ کا شاگرد بتایا گیا ہے۔ لیکن علامہ خزرجی نے جن الفاظ میں اس مغالطہ کا محاسبہ کیا ہے۔ ان کی موجودگی میں حسن کا ابوبکرہ سے بلا واسطہ کچھ روایت کرنا ثابت ہی نہیں ہوتا۔ خزرجی نے حسن کی جن صحابہ سے روایتیں کرنا مشہور کیا گیا ہے۔ ان میں ابوبکرہ کا نام تو لیا ہے مگر ساتھ ہی لکھ دیا ہے کہ ”لحد یصح“ حسن کا ابوبکرہ کی شاگردی کا ناظر ثابت ہی نہیں ہے کیونکہ صحیح دلائل اس کی تائید سے قاصر ہیں (خزرجی ص ۶۶ سطر ۴۴)

یہ تو ہوا حدیث کے منقطع ہونے کا سبب۔ جسے مرثوطہ کر دکھانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ اور اگر منقطع نہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی تدلیس بجائے خود اتنا بڑا عیب ہے جو ایک مضبوط سے مضبوط روایت کا دھڑن تختہ کر دینے کے لئے کافی ہے۔

اس حدیث میں جھوٹ کا ثائبہ (رحمت اللہ طارق)

اس حدیث کو مجروح اور بے ثبات کر دینے کے لئے تیسری دلیل یہ ہے کہ حسن بصری تبصریحات محدثین غالی قسم کے مدّلس بھی تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ کان الحسن کثیث التّدلیس یعنی حسن حد سے بڑھے ہوئے مدّلس تھے۔ یہ جب اپنے ”اوپر“ کے راوی سے ”عن“ کہہ کر روایت کریں۔ تو اس کی روایت ضعیف اور کسی حال میں بھی قابلِ حجت نہیں ہے۔ بلکہ اس وقت تو اس کی روایت کا اعتبار بالکل ہی نہ کرنا چاہیئے۔ جب وہ ایسے صحابی سے ”عن“ کہہ کر روایت کریں جن سے ان کی ملاقات ہی ثابت نہ ہو، جیسے ابوہریرہ (اور بقول خزرجی البکرة نیز) (میزان الاعتدال ۱/۲۴۵ ص ۱۹۹)

اس وضاحت کے بعد ایک بار زحمت فرما کر زیر بحث حدیث کی تمام اسناد ملاحظہ فرمائیجئے۔ تو آپ پر روشن ہو جائے گا کہ دہاں حسن مذکور جناب ابوبکرہ سے حوت ”عن“ کہہ کر ہی روایت کرتے ہیں جو کہ روایت کے ضعف اور کمزوری کی واضح علامت ہے۔ پھر دیکھئے کہ یہ شخص بقول حافظ ابن حجر مرسل روایتیں بیان کرنے کا اتنا عادی تھا کہ ہر کس و ناکس سے بے دریغ روایت کر لیا کرتا تھا۔ اور بقول نسائی، تدلیس اس کا دل پسند مشغلہ تھا (بحوالہ طبقات المدلسین طبع مصر ص ۸ تقریب التہذیب طبع مصر ۱/۱۶۵/۲۶۳ وغیرہ) امام ابو عبد اللہ حاکم نے لکھا ہے کہ حسن بصری اتنا غالی اور ہوشیار مدّلس تھا کہ اس کے عمل تدلیس سے بڑے بڑے محدثین و رطہ حیرت میں پڑ جاتے اور حق و باطل میں امتیاز کرنے سے عاجز آ جاتے تھے (معرفة علوم الحديث ص ۱۱)

تدلیس کیا ہے؟ (رحمت اللہ طارق)

امام عبد اللہ حاکم (متوفی ۳۸۴ھ) نے محدثین کے حوالے سے لکھا ہے کہ دین میں جھوٹ

فریب۔ دھوکہ اور تدلیس ایک ہی سطح کے گناہ ہیں (معرفۃ علوم الحدیث طبع مصر ۱۹۳۷ء ص ۱۳)
 امام محمد شین یزید بن زریع (المتوفی ۱۹۷ء) نے کہا ہے کہ تدلیس میں ارادہ کار فرما ہوتا ہے
 اس لئے یہ بھی ایک نوعیت کا جھوٹ ہی ہے۔ یعنی ”من کذب علی“ کی زد میں آ سکتا ہے۔
 تدلیس کا یہ مفہوم ذہن میں رکھ کر آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ جرم کے لحاظ سے یہ کس قدر سنگین
 نوعیت کا گناہ ہے۔ نہ صرف اتنا بلکہ دینی نقطہ نظر سے کس قدر حرام اور کذب علی الرسول کے
 مساوی حرکت ہے؟ اور کیسے کیسے پاکباز لوگ اس عیب میں ملوث تھے۔

کچھ لوگوں نے حسن بصری کے اس عیب کی یوں بھی توجیہ کی ہے کہ آپ نے حجاج بن یوسف
 کے ڈر سے یہ پیشہ اختیار کیا تھا کیونکہ آپ اموی ماحول میں علوی روایات بیان نہیں کر سکتے تھے۔
 جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ہے۔ ہمارے نزدیک یہ توجیہ بھی حسن بصری کے اس پوشیدہ عیب
 کو جسے آپ نے روزمرہ کے معمول اور کردار میں شامل کر رکھا تھا، خفیہ اور ہلکا نہیں کر سکتی بلکہ
 دینی تقاضے ہم سے سوال کرتے ہیں کہ ہم شخصیت پرستی کا ایسے مقام پر مظاہرہ نہ کریں جہاں کہ
 اصل دنیا پر زور پڑتی ہو اور جہاں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو غلط طور پر استعمال
 کیا جاتا ہو۔ حسن بصری کی جلالت شان مسلم اور عظمت کردار قابل اعتراف۔ لیکن حق و صداقت اس
 سے بھی اونچے ہیں کہ ہم انہیں شخصیتوں کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھائیں۔ اگر فاروق اعظمؓ، ابوہریرہؓ جیسے
 پاکباز صحابی رسولؐ سے حدیث کے بارے میں ثبوت طلب کر سکتے ہیں۔ اگر صحابہ کرام کی قرآنی جوہری
 فاروق اعظمؓ سے آیہ حج کی قرآنیت پر۔ ایک مزید گواہ طلب کر سکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جناب
 حسن بصری جو ہزار ہا درجہ صحابہ کرام سے فرو تھے۔ ان کی شخصیت کو بے چوں و چرا مقبوع تسلیم
 کر لیا جائے؟ یہاں سند اور حجت کلام الہی ہے یا پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان
 جو محدثین کے بتائے ہوئے تمام اصولوں کے مطابق ثابت ہو باقی سب مٹنے والے نقوش ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ اصول دوستی نہیں ہے کہ وجہ یہ۔ اور بلند شخصیتوں پر کتابوں میں جرح تو پڑھ لی جائے لیکن ان کی روایات کو قابلِ بحث نہ سمجھا جائے؟ آخر محدثوں نے کس بنا پر، ابو حنیفہ، محمد زفر اور قاضی ابویوسف کی روایات کو مسترد کیا ہوا ہے جب کہ ان کی شخصیتیں کسی طرح بھی امام بخاری سے کم درجہ کی نہیں؟ حنفیوں کو کیا حق پہنچتا تھا کہ صحابہ رسولؐ، ابوہریرہؓ اور انسؓ پر غیر فقیہ ہونے کی بھتی کتے رہیں؟ اگر یہ سب کچھ دین کی خیر خواہی کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر روا تھا اور آج بھی درس و تدریس کے طور پر روا ہے تو بتایا جائے کہ رجال اور اصول کی یہ تمام کتابیں ہمارے کس کام کی ہیں جب کہ ہم ان کی تحریر پر کسی طرح کا اعتماد کر کے عملاً استفادہ نہیں کر سکتے؟ اگر یہ فرقے ایک دوسرے کی احادیث مسترد کر کے اصول اور تنقید کی آڑ میں بے ادب اور منکرِ حدیث نہیں کہلائے تو حقیقت کی رو سے جو حدیث میزانِ تنقید میں پوری نہ اُترتی ہو، اُس کے منوانے پر کیوں زور دیا جا رہا ہے؟

حسن بصری کا سیاسی مذہب (رحمت اللہ طارق)

سابقہ سطور میں ہم نے عوف اعرابی اور حسن بصری کے نظریاتی کردار کا تجزیہ کیا امدان کی شخصیتوں کو قابلِ احترام سمجھتے ہوئے بھی اس قابل نہیں جانا کہ ان کی ہر بات قابلِ قبول ہی ہے۔ اب ہم کہتے ہیں اور واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ زیرِ بحث حدیث کے ذمہ دار جناب ابوبکرہ نیفع بن الحارث نہیں عوف اعرابی یا پھر خود جناب حسن بصری صاحب ہی ہیں۔ اور ہمارے اس شک کو اس وقت اور بھی تقویت ملتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مؤرخین کرام نے حسن کے بارے میں لکھا ہے کہ

لے سابقہ اوراق میں جہاں ابوبکرہ نیفع بن الحارث کی بابت کچھ اشارے کئے گئے تھے وہ دراصل وکیل صفائی ابنِ حجر کی غلط توجیہات کو ملحوظ رکھ کر کئے گئے تھے۔

شب فی کنف علی ابن ابی طالب یعنی حضرت علیؑ کے سایہ عاطفت میں پلے اور جواں ہوئے (ملاحظہ ہو، حلیۃ الاولیاء طبع مصر ۱۳۱۲ھ - امام المرتضیٰ ۱۰۶۱ھ - ذیل المذیل ص ۹۳ وغیرہ)

اور جب حضرت علیؑ کے سایہ عاطفت میں پلے اور جواں ہوئے تو ظاہر ہے کہ آپ کسی طرح بھی بشری انفعالات سے الگ نہیں ہو سکتے تھے۔ اور آپ کے بھی سیدہ صدیقہؑ کے بارے میں وہی جذبات ہو سکتے ہوں گے جو کہ اس وقت کی سیاسی فضا میں جانبدار نہ ہو سکتے تھے بلکہ کتب احادیث کی ایک شہور روایت کی رو سے تو یہاں تک بھی ثابت ہے کہ آپ کا زارِ حمل میں ہاتھ میں تلوار لے لے۔ عائشہ صدیقہؓ کے خلاف لڑنے جا رہے تھے کہ بقول ان کے انہیں وہی ابو بکرہ ملے۔ جن سے زیر بحث روایت مروی ہے۔ اُس نے کہا کہ حسن کہاں جا رہے ہو۔ میں نے کہا کہ ارید نصیۃ ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی کی طرف سے جنگ لڑنے جا رہا ہوں۔ اس پر ابو بکرہ نے ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے حسن بصری کو کہا کہ :-

”دونوں پارٹیاں جب مسلمان ہوں اور دونوں تلوار سے آنا سامنا کریں تو دونوں فریق

دوزخی (کافر) ہیں۔“ (بحوالہ بخاری کتاب الفتن)

علامہ بدر الدین عینی نے ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح میں لکھا ہے کہ ہو علی ابن ابی طالب یعنی ابن عم رسول اللہ سے مراد علی ابن ابی طالب ہیں (عینی ۱۱/۳۲۶ طبع القاہرہ) یہ واقعہ سند کے لحاظ سے جس نوعیت کا بھی ہو۔ اس سے بحث نہیں۔ نیز اس سے بھی بحث نہیں کہ حسن بصری کو عائشہؓ کے خلاف تلوار استعمال کرنے سے روکنے والے ابو بکرہ تھے یا نہیں ؟ ہمارا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ حسن بصری اپنے ہی الفاظ میں اور اپنے ہی اعتراف کے بموجب دشمنان صدیقہ میں سے تھے۔ ایسے میں آپ نے زیر بحث حدیث بیان کر کے خدا ترسی کا ثبوت

نہیں دیا۔ لہذا فریقِ مخالف ہمنے کے باعث آپ کی یہ روایت قابلِ حجت اور قابلِ استدلال نہیں ہے۔ کیوں کہ محدثین حضرات یہ تسلیم کرتے ہیں کہ راوی کا نظر پاتی کردار روایت کی پوزیشن پر اثر انداز ہو جاتا ہے۔ یہ ہیں وہ وجوہات جن کی روشنی میں ہم نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ اس حدیث کو بحکم دیتے وقت نہایت چابکدستی اور ہوشیاری سے کام لیا گیا ہے لیکن آگے چل کر ہماری شرمی قسمت آڑے آئی۔ کہ ہم ہاتھ کی صفائی کو اصل حقیقت سمجھ کر جیس سائی پر مجبور ہو گئے۔ **إِنَّا لِلّٰہِ**

ابن حجر کی یالوسی (رحمت اللطارق)

حافظ ابن حجر مرحوم جو بڑے پائے کے محدث اور حدیث نبوی کے شامع ہو گزرے ہیں۔ آپ نے جب محسوس کیا کہ بخاری کی دونوں سندیں توثیق اور پشتپناہی کا حق ادا کرنے کے باوصف اس قابل نہیں کہ زیر بحث حدیث کو صحیح و سچ ثابت کر سکیں تو آپ نے اہل بصیرت تنقید نگاروں کی توجہ بٹانے کے لئے اس کمزوری کا ذبے الفاظ میں اعتراف کرتے ہوئے لکھ دیا کہ بخاری کی سندوں کی بہ نسبت حمید طویل والی (ترمذی اور نسائی کی) روایت ہی معتبر اور گوارا ہے۔ آپ کے الفاظ ہیں کہ **واحسنہا اسنادا رواہ حمید** (فتح الباری ۱۳/۴۵/۵)

ابن حجر کی وضاحت کے معنی یہ ہوئے کہ اس حدیث کی جس سند میں بھی حمید واقع ہے، وہی صحیح اور قابلِ اعتبار ہے۔ باقی سب ناقابلِ اچھم مار و شن دلِ ماشاد۔ آئیے! اب علامہ ابن حجر کی خاطر حمید کی سندوں کا جائزہ بھی لیتے جائیے۔ امام ترمذی لکھتے ہیں کہ:-

۱۔ محمد بن المثنیٰ - خالد بن الحارث - حدثنا حمید الطویل - عن الحسن

عن ابی بکر (ترمذی ابواب الفتن، خالی باب ۸)

۲۔ امام نسائی نے بھی بعینہ یہی سند استعمال کی ہے جس میں حمید۔ عن الحسن۔ عن ابی بکر ہے۔ (نسائی طبع سلفیہ لاہور ۲/۳۰۱: حدیث ۵۳۹۰)

۳۔ امام احمد نے اساتذہ کے اختلاف کے ساتھ اس طرح بیان کی ہے۔

عبد اللہ۔ احمد بن حنبل۔ اسود بن عامر۔ حماد بن سلمہ۔ عن حمید۔
عن الحسن عن ابی بکر (مسند احمد بیئ کنز العمال طبع مصر ۵/۲۴۳)

یہ ہے وہ مایہ ناز سند جس پر کامل بھروسہ، پودے وثوق اور یقین محکم سے کام لے کر ابن حجر نے اپنے اعتماد کی بنیاد رکھی ہے۔ یعنی یہاں بخاری کی ہر دو اسناد کے برعکس عوف بن ابی جمیلہ کی جگہ حمید الطویل۔ تشریف لائے ہیں۔ لیکن بصرہ فوس کہ حمید بصری (متوفی ۱۲۲ھ) نیز مرکز تدلیس بصرہ میں پیدا ہوئے تھے جیسا کہ عینی اور ابن حجر کے اعتراف کے ساتھ گورچکا۔ اور یہ حمید شیخ المحدثین و امام الاتقیاء ہونے کے باوجود مدلس تھے۔ (طبقات المدلسین بحوالہ نسائی ص ۱۱) بلکہ ابن حجر کا اپنا یہ اعتراف بھی موجود ہے کہ حمید مدلس تھے۔ اور اسی عیب کے باعث ہی امام بخاری نے اس کی وہی روایتیں قبول کی ہیں جن میں ہر بار سماع کی تصریح موجود ہے ورنہ تو معلق و متابع قسم کی احادیث کے ذیل میں لائے ہیں (جو کہ امام بخاری کی عادت کے بموجب اعلیٰ درجے کی احادیث نہیں ہوتیں) (خلاصہ از مقدمہ فتح الباری جلد دوم طبع منیر یہ ص ۱۲۵)

ابن حجر کی طرح امام ذہبی جو حمید کو اچھا جانتے تھے وہ بھی فرماتے ہیں کہ حمید طویل کی وہی روایت بالاتفاق قابل تسلیم ہے جس میں اُس نے سماع کی صراحت کی ہو۔ یعنی وضاحت سے کہا ہو کہ میں نے اپنے فلاں اُستاد سے یوں سنا ہے۔ اس طرح ابن حجر اور ذہبی کی تصریحات واضح اور غیر مبہم ہیں۔ اور صاف صاف بتا رہی ہیں کہ حمید مدلس المحدثین ہونے کے باوجود چونکہ مدلس تھے لہذا جب تک اپنے اُستاد سے ہر بار حدیث نہ سنا یا اخبار نہ کہہ کر روایت نہ کریں انکی

روایت مرفوعہ اور ناقابل اعتبار ہے۔ مجروح کلمہ۔ عن کہہ کر روایت کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اب آپ حمید کی تینوں اسناد پر نظر دوڑا کر ملاحظہ فرمائیے کہ اس کی ہر ہر سندیں۔ عن۔ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی حسن بصری جس عیب میں خود ملوث تھے اور سیّد المدّین کا متفعہ حاصل کر کے ناقابل اعتبار بن چکے تھے۔ اسی عیب میں ان کے نام نہاد شاگرد حمید طویل نیز ملوث تھے یعنی یک ز شدہ و شدہ۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ حمید کے اسی ایک بھاری عیب کی وجہ سے امام عقیلی (۹۳۲ھ) اور ابن عدی (متوفی ۳۴۰ھ) نے آپ کی ثقاہت کو نظر انداز کرتے ہوئے ضعفاء اور مجروح راویوں کے خانے میں ڈال دیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اُمید ہے کہ علامہ ابن حجر مہمّوں نے زیر بحث حدیث کی تمام سندوں حتیٰ کہ بخاری کی اسانید سے بھی مایوس ہو کر حمید بصری کے جن پتوں پر تکیہ کیا تھا بالآخر انہی پتوں کا ہوا دینا بھی آپ پر روشن ہو چکا ہوگا اور جن لوگوں نے خوف خدا کو پس پشت ڈال کر زوہد رسول اکرم کی امانت پر مبنی۔ حدیث کو وحی منزل سے تعبیر کیا تھا۔ ان کے مبلغ علم کی حقیقت نیز واضح ہو چکی ہوگی۔ اب آپ دیگر اسانید کا جائزہ لیتے جائیے تاکہ خوف اعرابی، اور حمید طویل کے علاوہ جن اور اشخاص کو بطور شاہد پیش کیا گیا ہے۔ ان کا تعارف بھی ہو سکے۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ جب ایک ہی واقعہ کو متعدد افراد ذکر کریں اور بنیادی راوی جن پر کہ سلسلہ سند پہنچتا ہے جیسے بھی معیار کے ہوں۔ اس واقعہ کی اصلیت کا پتہ ضرور چل سکتا ہے لیکن ہم عرض کریں گے کہ بنیادی راوی ہی جب ہر خرابی کا منبع ہوں اور اس کے اعوان و انصار نیز فساد کی جڑ، تو بعد میں آنے والے ہم خیالوں کی بے ہنگم بھیڑ اس واقعہ کی ”اصلیت“ اور لا اصلیت پر کیوں کر اثر انداز ہو سکتی ہے؟ اسے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خانہ ساز چوروں کے خانہ ساز گواہ۔ دوسری عالمگیر جنگ کے ایک ہیرو گوبلنز کا کہنا تھا کہ ایک جھوٹ کو تم بار بار دہراؤ اور پھر یہاں تک دہراؤ کہ سننے والے یقین کر جائیں کہ بات کچھ ضرور ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر گوبلنز کے اسی اصول کے مطابق ہی آنے والے راویوں کو صفِ اول کے راویوں کے برابر شمار کر لیا جائے

تو پھر واقعی مضامین اور کذاہین کی ہر بات۔ حدیث رسول اکرم ہی ہو سکتی ہے اور پھر مسلمانوں کو یہ ضرورت بھی نہ رہے گی کہ صحیح حدیث دریافت کرنے کے اصول اور قوانین بروئے کار لائیں۔ لیکن اب مزید اسناد ملاحظہ ہوں۔

(الف) یزید بن ہارون۔ مبارک بن فضالہ عن الحسن عن ابی بکرۃ (مسند احمد ۵: ۴۹)

(ب) " (مسند احمد ۵: ۵۱)

جائزہ (رحمت اللطاریق)

حسن بصری کے بارے میں تو آپ معلوم کر چکے کہ یہ حضرت مدلسوں کے سردار تھے۔ قابل اعتبار ہونے کے باوصف جب تک اپنے شیخ سے تازہ بہ تازہ "سماع" کی وضاحت نہ کریں۔ اس وقت تک اپنے حواریوں کے نزدیک بھی آپ کی روایت کوڑی کے برابر کی نہیں ہے۔ یہ تو ہوا آپ کا تعارف حرف۔ عن۔ کی روشنی میں۔ اب ان سے نچلے راوی۔ مبارک کا حال سنئے۔ جو عوف اور حمید کی جگہ پر براجمان ہوئے ہیں۔ تو یہاں بھی آپ کو معلوم ہو کر زیر بحث حدیث کے تمام راوی مرکز تدلس بصرہ (معرفة علوم الحديث طبع مصر ص ۱۱) کے تھے۔ اور انہی بصریوں میں جناب مبارک بن فضالہ بھی تھے جن کے بارے میں امام ابو زرعہ نے فرمایا کہ یہ بہت بڑے مدلس تھے۔ ابو داؤد نے کہا کہ شدید التدلس تھے۔ خود امام احمد بن حنبل کا ارشاد ہے کان المبارک یدلس یعنی ابن فضالہ منظر تدلس تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ امام المحدثین ہونے کے باوصف مشہور نقتاد امام یحییٰ قطان اس کی خوبیوں کا اعتراف کرنا حرام سمجھتے تھے۔ امام نسائی بایں جلالت شان اسے ضعیف ہی کہتے تھے۔ ان کی وفات ۲۵۵ھ میں بتائی جاتی ہے۔ اب فرمائے کہ جن اسناد میں ایک ساتھ دو دو مدلس اور دو دو غلط بیان واقع ہوئے ہوں، ان کی صحت کا کیا کہنا؟ ہمارے خیال میں ان

راویوں نے جو کچھ فرمایا وہ وہی صدائے بازگشت تھی جو بصرے کی سیاسی فضا میں پہلے ہی سے گونج رہی تھی۔

(ج) عبد اللہ - احمد بن حنبل - عفان - حدثنا حماد بن سلمة - انا علی بن زید - عن عبد الرحمن بن ابی بکرۃ (مسند احمد ۵/۵۰)

جائزہ (رحمت اللطارق)

اس سند میں ابوبکر کا شاگرد اس کا اپنا بیٹا عبد الرحمن بصری دکھلایا گیا ہے لیکن اس سند کی کیفیت بھی اس تربوز کی مانند ہے جو باہر سے تو نہایت خوش رنگ اور جاذبِ نظر ہو۔ مگر اندر سے گلا مٹا ہو۔ کیونکہ حماد بن سلمہ جس نے شریبیاں کی بتیں۔ اس کا حافظہ خراب ہو چکا تھا۔ ابن ابی العوجا نامی ایک شخص نے اس کی تصانیف کو اپنے افکار سے بھر دیا تھا۔ یہ حماد ہی بزرگ ہیں جنہوں نے ابن عباس کے نام سے ایک روایت مشہور کر رکھی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ کو ایک گھبرو نوجوان کی صورت میں اس حال میں دیکھا کہ آپ کے سامنے موتیوں کی چادر کا پردہ آویزاں تھا اور اللہ کے ہاتھ پاؤں سبز رنگ کی جھلک دے رہے تھے۔ وغیرہ۔ امام ذہبیؒ نے حماد کی بدترین روایت اسے ہی قرار دے کر واضح کیا ہے کہ وہ ایسی خرافات بیان کرنے سے بھی گریز نہیں کیا کرتا تھا۔ ابراہیم بن عبد الرحمن مہدی کا کہنا ہے کہ ”صفات“ کی حدیثیں اس کے پاس نہیں تھیں لیکن ایک بار مبادن گیا راجہ سے سے غالباً ۲۱ میل دور ساحل ایران پر، اور جب واپس آیا تو صفات کی حدیثیں بیان کرنے لگا اور وہ بھی غلط۔ کیونکہ وہاں تو کوئی بھی محدث نہیں تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شط العرب (مسند) سے شیطان آیا اور اس نے اس کو تعلیم دی، وغیرہ۔ یہ تو ہوا تلیمذ الشیطان جناب حماد کا تعارف۔ اب اس کے اُستاد علی بن زید بن جعدان بصری (متوفی ۱۳۱ھ) سے ملے کہ یہ حضرت

یہی ابن عیینہ کے بقول ضعیف اور حماد بن زید کی تصریح کے مطابق حدیثوں میں الٹ پھیر کرنے والے تھے۔ اور سنیہ کہ امام زید بن زریع نے کہا کہ ”یہ رافضی“ تھے۔ احمد علی نے فرمایا کہ غیر ثقہ ”شیعہ“ تھے۔ امام بخاری اور ابوحاتم نے کہا کہ اس کی روایت ناقابلِ حجت ہے۔ ابن خزمیہ اور ”فسوسی“ نے واضح کیا کہ اس کا دماغ خراب ہو چکا تھا۔ اور صحیح و غلط میں امتیاز کرنے سے قاصر تھا۔ یحییٰ قطان اس کی روایات بیان کرنے سے پہلو تہی کرتے تھے۔ فرمائیے جس سند میں اس شان کے راوی ہوں یعنی کچھ تلمیذ الشیطان حد کچھ دشمنانِ عائشہؓ تو ان کا قول واقعی صدیقہ کے بارے میں وحی الہی سے تعبیر کیا جا سکے گا؟ کاش ہمارے علماء کسی اصول اور ضابطے کے پابند ہوتے اور زویہ رسولؐ کو گالیاں دینے کی بجائے قبرِ خدا سے پناہ طلب کرتے۔

(۵) عبد اللہ - احمد بن حنبل - احمد بن عبد الملك الحرانی -

حدّثنا بکاربن عبد العزيز بن ابی بکر (منہ احمد ۴۵/۵)

جائزہ (رحمت اللہ طارق)

اس سندیں البکرہ کا پوتا۔ بکار بصری واقع ہے جو ابن معین کے بقول (لیس شیئ)

لے اور شیعہ ہونا کوئی جرم نہیں ہے۔ احادیث کی وضع و تراش سنی بھی کرتے آئے ہیں۔ اور سنیوں ہی کی طرح انھوں نے شیعہ کا بھی یہی اصول رہا ہے کہ وہ پرستارِ اہل بیت کے ماسوا کسی بھی راوی کی روایت کو اہمیت میں دیتے۔ حتیٰ کہ حسبِ پسند راویوں میں سے بھی کسی نے اگر عداوتی سے کام لیتے ہوئے ایسی روایات پیش کر دی جو مسلکِ معصومین سے مختلف مفہوم دیتی تو ”رجال“ میں اس کی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے ”ساجی“ کا لفظ مکمل کرنا نہ ہی کر دی جاتی کہ اس کی روایت قابلِ تاہل ہے۔

ایک غیر معیاری انسان تھے۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ یہ بھی اسی ٹائپ کے انسانوں میں سے تھے، جنہیں ضعیف کہا جاتا ہے عقلی نے کہا یہ ضعیف تھے۔ ذہبی نے اس کی بے سرو پا احادیث میں سے نمونہ کے طور پر وہی حدیث پیش کی ہے جو حسن اتفاق سے زیر بحث ہے۔ (یعنی وہ قوم تباہی سے نہیں بچ سکتی جس نے کسی عورت کو اپنا سربراہ بنالیا ہو) لیکن لطیف کی بات یہ ہے کہ یہاں واقعہ جس پس منظر کے ساتھ سیدٹ کیا گیا ہے وہ زیر بحث حدیث کے الفاظ سے مختلف ہے۔ تبصرہ ہم بعد میں کریں گے پہلے حدیث عینے۔ ابوبکر کے حوالے سے فرمایا جاتا ہے کہ ایک بار اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک عائشہ کی گود میں رکھتے ہوئے استراحت فرماتے کہ مصر سے ایک پیغام رساں داخل ہوا اور اُس نے بتایا کہ اہل مصر نے ایک عورت کو سربراہِ مملکت بنایا ہے۔ چنانچہ یہ خبر سننے ہی آپؐ نے جھٹکا دے کر عائشہ کی گود سے اپنا سر مبارک اٹھایا اور کھڑے ہو کر تین بار فرمایا کہ ہلاک ہو گئے مرد عورت کی اطاعت کر کے۔ ہلاک ہو گئے مرد عورت کی اطاعت کر کے۔

(مسند احمد ۵/۴۵۰-میزان)

تبصرہ (رحمت اللہ طارق)

یہ حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ الف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ صدیقہ کی گود میں سر مبارک رکھتے ہوئے تھے۔

(ب) مصر کا پیغام رساں پردہ کراٹے بغیر اندر داخل ہوا تھا۔

(ج) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طیش میں اگر کچھ فرما گئے مقصد یہ کہ عورت کی سربراہی کو بلاست کا موجب آپؐ نے اُس وقت ٹھہرایا جب کہ عائشہ صدیقہ کی گود میں سر رکھتے ہوئے تھے۔ اور عائشہ صدیقہ کو وحی الہی کا منشاء معلوم ہو چکا تھا کہ عورت نمایندہ حیثیت اختیار نہیں کر سکتی۔ لیکن اس کے باوصف

ہوایہ کہ آپ نے جنگ جمل میں جو کردار انجام دیا وہ وحی الہی کی مخالفت کے باعث عسکرِ عائشہ کی بنیادی پر ہی نتیجہ ہوا یعنی انکارِ وحی کی وجہ سے آپ کو اہل جہنم کا پیشوا بننا پڑا۔

مخالفین عائشہ اپنے طور بدل بدل کر اگر بھی تاثر دینا چاہتے تھے کہ آپ کا عمل سراپا نمونہ خطا تھا۔ اور آپ نے جو کچھ کیا وحی الہی کے نقطہ نظر سے کفر صریح تھا۔ تو میرے خیال میں شریف قسم کے ضلعین کو پہلے تو اپنے دماغ کی خیر منانی چاہیے کہ جھوٹ بولنے کے لئے بھی ایک سلیقہ ہوتا ہے۔ کم از کم واقعات کی منطقی تطبیق تو درست ہونی چاہیئے۔ اوٹ پٹانگ باتوں کا ذات رسالت کو ذمہ دار گردانا اس سے زیادہ جرم ہے جو کہ صدیقہ بنتِ صدیق کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ مصر میں کب اور کس وقت عورت کو سر براہ بنایا گیا۔ جس پر آپ نے انہماک غصہ فرمایا؟ اور بنایا جاتا تو بھی مصر اسلامی مملکتی میں شامل نہیں تھا۔ وہاں کے باشندوں کی ہلاکت سے آپ کو کیا دلچسپی ہو سکتی تھی اور کیوں ان کا فروں پر ترس کھا رہے تھے؟ میرا خیال ہے کہ واقعات کا تانا بانا ترتیب دیتے وقت۔ دروغ گورہ حافظہ نباشد، کے اصول کو فراموش نہیں کیا گیا۔ جیسی تو اتنی فاحش غلطی سرزد ہوتی چلی گئی۔ اور آنے والے تبیین سنت انہی سازشیوں اور کڈتاؤں کی میرا پھیری کو وحی الہی تسلیم کرتے رہے! پھر دیکھئے کہ مشاہدے کی گواہی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مصر اور شام پر بیزنطینی ایمپائر کے آخری تاجدار ہرکلیس (۳۲۴ء) فرماں روا تھے جس کے آخری دور حکومت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (۳۳ء میں) اس جہاں سے رخصت ہو گئے۔ اور دوسرے الفاظ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں مصر پر عورت کو سر براہ بننے کا موقع ہی نہیں ملا۔ ایسے میں راویانِ احادیث کو بتانا چاہیئے کہ کب اور کس وقت اور کس نام سے اہل مصر نے عورت کو منصب سربراہی تفویض کیا؟ اور پیغام رساں کا نام کیا تھا؟ جو بن پورچھے خلوت کدہ نبوت میں داخل ہوا؟ تاکہ حدیث کی واقعات سے کچھ نہ کچھ تطبیق کی صورت نکل سکے۔

امید ہے کہ زیر بحث روایت پر ان فنی، علمی اور جان لیوا تنقیدوں کے بعد اس کی رہی سہی ریت بھی جاتی رہی ہوگی۔ اور جن حضرات نے جذبات کے تابع ہو کر زور جوڑ رسول اکرمؐ کے خلاف ایک گہری سازش کو وحی الہی سے تعبیر کر کے منکرین پر کفر کے فتوے دیئے۔ ان کا پہلا فرض یہ ہے کہ اس رسوائے عالم۔ نام نہاد عربی نقرے کو حدیث نبویؐ ثابت کر دکھلائیں وحی الہی کا مرحلہ تو بعد کا مرحلہ ہے۔

تھیا کر سی فلسفہ حیات عورت کا سماجی رتبہ تسلیم نہیں کرتا (رحمت اللہ طارق)

گذشتہ اوراق میں زیر بحث اور اس کی معاون روایات کا فنی تجزیہ کر کے نقیبان جہالت کا ہمہ پہلو مبلغ علم واضح کیا گیا ہے کہ انہیں اتنا بھی شعور نہ تھا کہ ایک ایسی روایت جو صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا کی امانت کی غرض سے دانستہ وجوہ میں لائی گئی، اُسے ہی لے کر یہ لوگ عورت کی صدارت و ادارت کو معرض بحث میں لاتے رہے۔ گو بظاہر عورت کو تھرڈ پوزیشن میں لانے کے لئے روایت ہذا ایک حسین بہانہ بنی رہی لیکن حقیقت یہ ہے کہ تھیا کر سی فلسفہ حیات خود بھی عورت کے سماجی رتبہ کو تسلیم نہیں کرتا اور جس قوم کی تھیوری میں کسی ایک ضعیف بشر کو کمتر درجے پر رکھنا شامل ہو وہ اپنی تھیوری سے اُدھر اُدھر نہیں جاسکتی۔ قرآن ہزار بار فرما دے کہ عورت دمر میں قصاص و خون بہا کے معاملہ میں کوئی امتیاز اور فرق نہیں ہے۔ مگر یہ اپنی تھیوری افتاد کے حوالہ سے قرآن کے واضح حکم کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ آپ ہماری تحلیل و تجزیہ کے علاوہ بھی اگر چاہیں تو ”مشاہدے“ کے تناظر میں اس حقیقت کا سراغ لگا سکتے ہیں کہ زوالِ اُمت کے اسباب جوہری ہوں خواہ عارضی۔ ان میں علماء اور ”مرد“ حکمرانوں کا زیادہ عمل دخل رہا ہے۔ بنا بریں آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ حکمران چونکہ طبقہ نسواں سے تعلق رکھتا تھا۔ لہذا اُمت کی فلاح و بہبود کا معاملہ کشائی میں پڑتا رہا۔ کیوں کہ دُورِ جمہوری سے پہلے علماء تھیا کر سی طرز کی حکومتیں رہی ہیں۔ یعنی پنڈت اور ملا اپنے فیصلوں کو خدا کے فیصلوں کا نام دے کر حکام وقت

کی مطلق العنانی اور اپنے اختیارات میں اضافے کرتے رہے اور مجموعی طور پر سبھوں نے مل کر عورت کے حق جہان بینی و حکمرانی کا چانس ہی ختم کر رکھا تھا۔ ایسے میں آپ یہ کہنے کے مجاز نہیں رہے کہ امت کی تباہی و بربادی میں عورت بھی برابر کی ہسیم و شریک ہے یا یہ کہ صرف وہی ذمہ دار ہے؟ ویسے یہ فلسفہ ہے عجیب کہ انگلستان کی ملکہ اور وزیر اعظم دو عورتیں ہو کر حکم چلائیں۔ ناروے اور ہالینڈ میں صنعت نازک ہی فرماں روا ہو۔ انڈیا میں عورت ہی کے دور میں فتوحات اور ایٹمی دھماکے ممکن ہوں۔ سری لنکا میں ایک عورت ہی کے طفیل امن قائم ہوا۔ اور فلپائن کے لوگ جان کی بازی لگا کر ایک عورت ہی کو اطاعت کیشی کا محور بنائیں۔ مگر ان ممالک میں نہ تو تباہی و بربادی نازل ہو اور نہ ہی کوئی مذہبی فلسفہ زوال پذیر!

حقیقت یہ ہے کہ تمنا کر لسی فلسفہ حیات نے جن اصناف بشر کو تھڑ پوزیشن میں رکھا تھا۔ مسلمان آج بھی اسی فلسفہ کے دلدادہ اور اسی پر گامزن ہیں۔ لہذا وہ سیکولر نظریہ حیات کا جس کا صحیح مفہوم طبقہ علماء و مشائخ کے علاوہ عامۃ الناس کو بھی حکمرانی کا حق ادا کر کے طاقت کا سرچشمہ عوام کو بنانا ہے (اس کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ اور کہتے افسوس کی بات ہے کہ پاکستان کی جماعت اسلامی سیکولر کے معنی "لادینی" کر کے خلق خدا کو صریح دھوکہ دے رہی ہے۔ جب کہ یہ لفظ تھا کر لسی کے جواب میں وضع ہوا۔ اور حکومت کو باپائیت اور مشیخت کے بے رحم جنگل سے نکال کر عامۃ الناس کی دلیتر تک لے آنے کا ذریعہ ٹھہرا۔ یہاں نہ تو لادینیٹ کا دخل ہے۔ اور نہ ہی دینداری کا عمل۔ اب پھر دیکھئے کہ یہ تمنا کر لیٹ بایں ہمدعویٰ خدائی، ایسے بھی مسلم فرماں رواؤں کی اطاعت کرتے رہے جو یا تو زرخ تھے یا پھر اپنے اوپر دربدزہ کی کیفیت طاری کر کے عورتوں کی طرح کراہنے اور چننے کی مشق کرتے تھے کیونکہ شریعت غزلنے صرف عورت ہی کو نشانہ تھیتر بنایا ہے، مروجیے بھی ہوں واجب تحکیم و لائق احترام ہیں۔

۱۔ عورت اور مسئلہ امارت: ص ۲۰ تا ۴۴

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ

جناب رحمت اللہ تبارک نے احادیث اور ائمہ حدیث کے خلاف جس طرح اپنے بعض وعناد کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے دل میں اسلامی تعلیم کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ بلکہ ان کے سر پر صرف عورت کی سربراہی کا بھوت سوار ہے۔ چونکہ انہوں نے صحیح بخاری کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے مناسب ہو گا کہ پہلے صحیح بخاری اور اس کے عظیم مصنف کے بارے میں ائمہ حدیث نے جو فرمایا ہے۔ اس کی ایک جھلک دیکھ لی جائے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ دوسروں کو چابکدستی کا طعنہ دینے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی۔ تابعین اور ائمہ حدیث پر یہ کیچڑ اچھالنے والے نے خود کیسی چابکدستی، دھل اور فریب کے ذریعے حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس حدیث کی کتاب کو اپنے طعن کا نشانہ بنایا ہے۔ اُمت محمدیہ کے ائمہ و علماء کرام کے نزدیک اس کا کیا درجہ و مقام ہے۔

امام بخاریؒ کی پیدائش ۱۳ شوال ۲۵۵ھ میں جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد بخارا میں ہوئی۔ امام بخاریؒ ابھی چھوٹے تھے کہ ان کے والد اسماعیلؒ کا انتقال ہو گیا۔ اپنی موت سے پہلے انہوں نے کہا تھا کہ انہیں اس بات کا علم نہیں کہ ان کے مال میں کبھی حرام شامل رہا ہے یا اس کا شبہ ہی پیدا ہو۔ والد معترم کی وفات کے بعد ان کی والدہ ماجدہ نے پرورش کی۔

بچپن میں امام بخاریؒ کی مینائی چلی گئی۔ ان کی والدہ ماجدہ کو خواب میں بشارت دی گئی کہ کثرت سے مانگی جانے والی تمہاری دعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیٹے پر اس کی مینائی نوٹا دی ہے۔ صبح جب بیدار ہوئیں تو دیکھا کہ واقعہ بیٹے کی مینائی واپس آچکی ہے۔

والدہ ماجدہ امام بخاریؒ اور ان کے بڑے بھائی احمد کو ساتھ لے کر حج کرنے مکہ آئیں۔ حج

کے بعد امام بخاری حصولِ علم کے لئے مکہ ہی میں مقیم ہو گئے تھے

امام ابو عبد اللہ شمس الدین الذہبی نے نقل کیا تھا کہ اپنے شہر میں محمد بن سلام المسندیؒ اور محمد بن یوسف البیہقی سے احادیثِ سنن کے بعد بخاری اور والدہ ماجدہ کے ساتھ سفر پر نکلے۔ بلخ میں کی بنی برہم بغداد میں عثمان، مکہ میں المقرئ، بصرہ میں ابو عاصم اور الانصاری، کوفہ میں عبید اللہ بن موسیٰ ریشام میں ابو المغیرہ اور الغریانی، عسقلان میں آدم، حمص میں ابوالیمان اور دمشق میں ابو مسہر سے علم حاصل کیا۔ پھر تصنیفِ تہذیب میں مصروف ہو گئے۔ حالانکہ ان کے چہرے پر بال نہ اُگے تھے۔

وكان راسا في الذكاء رأسا في العلم ذكوات وعلم اور عبادت و پرہیزگاری میں وہ
ورأسا في الورع والعبادة تھے سب سے آگے اور بلند و بالا تھے۔“

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسماء الرجال میں ان کا ذکر یوں کیا ہے۔

جبل الحفظ و امام الدنيا في حافظة کے اعتبار سے پہاڑ اور حدیث میں ثقہ
ثقة الحديث تھے ہونے کے اعتبار سے دنیا کے امام تھے۔“

کربانی کے الفاظ ہیں کہ امام مسلمؒ جب بھی ان کے پاس حاضر ہوتے ان کو سلام کرتے اور کہتے،
اے حدیث میں خرابی کا علاج کرنے والے۔ اے استاذ الاساتذہ، اے سید المعلمین! مجھے اجازت دیں
کہ میں آپ کے پاؤں کا بوسہ لوں تھے

امام ابو عیسیٰ الترمذیؒ نے امام بخاریؒ کی خدمت میں عرض کیا۔

۱۔ ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری : ص ۱۹۳۔

۲۔ تذکرۃ الحفاظ: جلد ۱۔ ص ۵۵۵۔

۳۔ تعریب التہذیب : ص ۲۹۰ ترجمۃ البخاری بشرح الکرذانی جلد ۱ ص ۱۴۱۔

قد جعلك الله زين هذه الامّة اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس امت کی زینت بنایا ہے
ان کا یہ بھی کہنا ہے۔ علل اور رجال میں ان سے بڑھ کر میں نے کوئی نہ دیکھا۔

امام اسحاق بن راہویہ نے نوجوانوں کو حکم دیا۔

اكتبوا عن هذا الشباب اُس نوجوان سے (احادیث) لکھا کرو۔

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی کا کہنا ہے۔

رأيت العلماء بالحرمين اُس نے حرمین اور عراقین میں علماء کرام کو

والعراقين فما رايت فيهم دیکھا۔ لیکن ان میں امام بخاری جیسا

اجمع منه لے جامع العلم نہ دیکھا۔

سليم بن مجاهد مروی ہے کہ مجھ سے امام محمد بن اسماعیل نے کہا۔

لا اجبى بحديث عن میں جن صحابہؓ اور تابعینؓ سے حدیث بیان

الصحابه والتابعين الا عرفت کرتا ہوں ان کے اکثر کی پیدائش، وفات

مولد اکثرهم ووفاتهم اور جائے رہائش سے واقف ہوتا ہوں،

ومساكنهم ولست اروي اور جب صحابہؓ اور تابعینؓ کی موقوف حدیثوں

حديثا من حديث الصحابة سے کوئی روایت لاتا ہوں تو کتاب اللہ اور

والتابعين من الموقوفات الاول سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو اس کی

اصل احفظ ذلك من کتاب اصل ہوتی ہے اُس کو یاد رکھتا

الله وسنة رسوله لے ہوں۔

لے تہذیب التہذیب - جلد ۹ - ص ۵۳

لے ہدی الساری مقدمة فتح الباری - ص ۲۱ - الادب المفرد - ص ۹ - ۱۰

ابنِ ندیم کا کہنا ہے کہ امام بخاری ثقافتِ علمائے حدیث میں سے تھے لے

امام بخاری کا امتحان

امام بخاری جس دور میں پروردگار چڑھے۔ اس میں بڑے بڑے محدث اور فقیہ موجود تھے۔ کئی مرتبہ علمی مجالس میں ان کی علمیت اور حافظے کو آزمایا گیا۔

الحافظ احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ میں نے بغداد کے کئی مشائخ سے سنا کہ امام بخاری بغداد تشریف لائے۔ اصحاب الحدیث کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے امام بخاری کے حافظے کو آزمانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے سو حدیثیں لے کر ان کے متنوں اور سندوں کو آپس میں خلط ملط کر دیا۔ کسی حدیث کے متن کو دوسری حدیث کے متن کے ساتھ اور کسی حدیث کی سند کو اس کے متن سے جدا کر کے کسی دوسری حدیث کے متن سے لگا دیا۔ جب سب حدیثوں کے متن اپنی اصلی سندوں سے کٹ گئے۔ اور تمام احادیث ایک نئی صورت اختیار کر گئیں تو ان سو حدیثوں کو دس دس شخصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور ان سے کہا گیا کہ جب امام بخاری مجلس میں آئیں تو ان پر اسی طرح پیش کرنا۔ جب سارا پروگرام طے ہو گیا تو امام بخاری سے مجلس میں تشریف لانے کی درخواست کی گئی۔ جب امام بخاری وعدے کے مطابق اس مجلس میں رونق افروز ہوئے جس میں شرکت کے لئے بغداد اور اہل خراسان اور دوسرے علاقوں کے لوگ آئے تھے تو ایک شخص سے کہا گیا کہ اس کو دی گئی حدیثیں پیش کرے۔ جب اس شخص نے احادیث پیش کرنی شروع کیں تو امام نے ہر حدیث سن کر فرمایا۔ میں اسے نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ دس اشخاص نے سو احادیث سنا دیں۔ لیکن امام وہی ایک بات کہتے رہے۔ لا اعرفہ۔ میں اسے نہیں جانتا۔

امام بخاریؒ کے یہ الفاظ سن کر اہل علم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ لیکن جو امام بخاریؒ کے مقام سے واقف نہ تھے۔ انہوں نے امام کے جواب کو ان کی علمی کمزوری، حافظے کی قلت اور کم علمی سے تعبیر کیا۔

جب غلط ملط کردہ احادیث سے دس اشخاص فارغ ہو گئے تو امام صاحب نے ان میں سے پہلے شخص کو بلایا اور اس سے کہا کہ تم نے دس حدیثیں پیش کیں، لیکن میں نے ہر حدیث سننے کے بعد کہا کہ میں نہیں جانتا۔ دراصل تم نے جو احادیث سنائیں وہ درست نہ تھیں بلکہ ان احادیث کے متون اور ان کی اسناد ایسے ایسے ہیں۔ پھر دوسرے کو بلایا کہ اس کی بیان کردہ احادیث کو صحیح اسناد کے ساتھ اس کو سنادیں۔ یہاں تک کہ دس اشخاص کی غلط ملط کردہ ایک سو احادیث کی اصلاح کر دی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے کہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے ان کی غلط احادیث کو ذہن میں محفوظ کر لیا۔ پھر ان کو دہر کر صحیح صورت میں ان کو بیان کر دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا حافظہ عطا فرمایا تھا کہ ان کے سامنے جو کچھ کہا گیا۔ انہوں نے اسے بھی حفظ کر لیا۔

اسی طرح کی ایک علمی مجلس بصرہ میں بھی قائم ہوئی جس کے راوی یوسف بن موسیٰ المروزی کا بیان ہے کہ میں بصرہ کی جامع مسجد میں موجود تھا۔ اور ایک منادی کرنے والے کی میں نے منادی سنی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اہل علم! محمد بن اسماعیل البخاریؒ تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ میں نے امام بخاریؒ کو دیکھا کہ وہ نوجوان تھے۔ ان کی داڑھی میں سفید بال نہ تھے۔ انہوں نے ستونوں کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب وہ فارغ ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا کہ ان کے لئے اطاء کی ایک مجلس لگائیں۔ امام بخاریؒ نے ان کی درخواست قبول کر لی۔

چنانچہ ایک بار پھر منادی ہوئی کہ اے اہل علم! محمد بن اسماعیل البخاری تشریف لائے ہیں۔ ہم نے ان سے املاء کی مجلس کے قیام کی درخواست کی تھی جو انہوں نے قبول کر لی ہے۔ کل فلاں جگہ مجلس قائم ہوگی۔

جب پروگرام کے مطابق طے شدہ مقام پر مجلس قائم ہوئی تو محدث، حفاظ، فقہاء اور دیکھنے والوں کی بڑی تعداد جمع ہو گئی۔ یہاں تک کہ ایک ہزار لوگ مجلس میں حاضر ہو گئے۔

امام بخاری جب املاء کے لئے تشریف فرما ہوئے تو انہوں نے کہا۔ اے اہل بصرہ! میں فوجان ہوں اور تم نے مجھ سے حدیث بیان کرنے کو کہا ہے۔ میں تمہیں تمہارے اہل شہر کی وہ احادیث بیان کروں گا جن سے تمہیں فائدہ پہنچے گا۔ یعنی جو تمہارے پاس نہیں۔ لوگوں کو ان کی یہ بات سن کر بڑا تعجب ہوا۔ چنانچہ امام بخاری نے ایک حدیث کی سند بیان کرنی شروع کی۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ جَبَلَةَ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ بْنِ أَبِي رُوَادٍ الْعَتَكِيُّ
بِلَدِّكُمْ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مَنْصُورٍ وَغَيْرِهِ عَنْ سَالِمِ
بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ النَّسِّ بْنِ مَالِكٍ۔

پھر انہوں نے پوری حدیث سنا دی۔

اس کے بعد فرمایا۔ تمہارے پاس یہ حدیث منصور کے حوالے سے نہیں ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اُس میں منصور موجود نہیں۔

یوسف بن موسیٰ کا قول ہے کہ امام بخاری نے اس مجلس میں اسی طرح کئی حدیثوں کی املاء کروائی۔ ہر حدیث کے ساتھ کہتے تھے کہ تمہارے پاس اس سند کے ساتھ ہے۔ پھر آپ دوسری سند کے ساتھ املاء کراتے تھے جو کہ ان کے پاس نہیں تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کمال حافظے اور ذہانت سے نواز رکھا تھا۔ لاکھوں حدیثیں ان کو زبانی یاد تھیں۔ ان کا اپنا قول ہے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں۔ حدیثوں کے ساتھ لاکھوں ناموں کو یاد رکھنا۔ یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف ان کے حصے میں آئی تھی۔

ابوالاذہر سے منقول ہے کہ سمرقند میں چار سو محدث تھے۔ انہوں نے جمع ہو کر پروگرام بنایا، کہ کسی طرح محمد بن اسماعیلؒ کو مغالطے میں ڈالیں۔ چنانچہ انہوں نے شامی سندوں کو عراقی سندوں میں عراقی کو شامی میں اور حرم مکہ کی سندوں کو یمنی سندوں میں داخل کر کے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح امام بخاریؒ پر غالب آجائیں لیکن وہ اپنے مذموم مقصد کو پانے میں کامیاب نہ ہوئے۔ اسی لئے امام خزیمہؒ نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے:-

ما رايت تحت اديع السماء میں نے آسمان کے نیچے رسول اللہ
اعلم بحديث رسول الله صلى الله عليه وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو زیادہ جاننے
عليه وسلم ولا احفظ له اور حفظ کرنے والا بخاریؒ سے بڑھ کر
من البخاري نہیں دیکھا۔

یہی وجہ ہے کہ ان کو فقیہ هذه الامۃ اور امیر المؤمنین فی الحدیث کہا جاتا ہے۔
حافظ رجاء بن رجاء (مرحوم) نے یہاں تک کہہ دیا۔

۱۔ ہدی الساری: ص ۲۰۱۔ تذکرۃ الحفاظ: جلد ۱۔ ص ۵۵۶

۲۔ ہدی الساری: ص ۲۰۰۔ ارشاد الساری: جلد ۱۔ ص ۳۳

۳۔ تہذیب التہذیب: جلد ۹۔ ص ۵۲۔

فضل محمد بن اسمعیل علی محمد بن اسمعیل کی علماء پر ایسی ہی فضیلت
العلماء کفضل الرجال علی ہے جیسی کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت
النساء وهو آية من آیات حاصل ہے اور وہ اللہ کی نشانیوں میں سے
اللہ یمشی علی الارض لہ ایک نشانی ہے جو زمین پر چلتی پھرتی ہے۔

یہاں یہ بھی واضح ہوا کہ سلف صالحین کے دور میں آج کی روشن خیالی کا کوئی تصور نہ تھا۔ اگر
ہوتا تو مردوں کی عورتوں پر فضیلت کی بات نہ ہوتی۔

علم کی عزت

امام بخاری جب اپنے وطن بخارا لوٹے تو ان کا بڑا زبردست استقبال کیا گیا۔ شہر سے
باہر تین میل تک خیمے نصب کئے گئے۔ چھوٹے بڑے سب شہر سے باہر نکل آئے۔ قابل ذکر
کوئی شخص بھی پیچھے نہ رہا۔ اور ان کی آمد پر وہ ہم و دیناران پر کچھ اور کئے گئے۔ وہاں کچھ عرصہ
درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک دن بخارا کے امیر خالد بن احمد الذہلی نے امام بخاری کے پاس
پیغام بھیجا کہ کتاب الجامع یعنی صحیح بخاری اور اپنی تاریخ کی کتاب لے کر میرے پاس آئیں تاکہ آپ
سے آپ کی کتابیں سنوں۔ امام بخاری نے پیغامبر سے کہا کہ اپنے امیر سے جا کر کہہ دو کہ میں علم کو ذلیل
نہیں کروں گا اور نہ ہی سلاطین کے دروازوں تک اٹھا کر لے جاؤں گا۔ اگر اس کو علم کے حصول کا شوق
ہے تو اس کو چاہیے کہ میری مسجد میں یا میرے گھر خود آکر فائدہ اٹھائے۔ چونکہ وہ حاکم ہے۔ اگر اسے یہ
بات پسند نہ آئے تو میرا درس روک دے تاکہ قیامت کے روز میرے پاس عذر ہو جائے کہ میں نے

علم کو چھپایا نہیں تھا۔ اسی وجہ سے امیر بخارا اور امام بخاریؒ کے درمیان دُوسری ہو گئی تھی۔ یہ بھی مروی ہے کہ خالد بن احمد نے کہا کہ میرے گھر اگر میرے بچوں کو تاریخ اور الجامع پڑھائیں امام بخاریؒ نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میرا درس عام و خواص سب کے لئے یکساں ہے۔

امیر بخارا نے حرث بن ورقاء اور دوسرے علماء کو امام بخاریؒ کے خلاف اُبھارا۔ چنانچہ انہوں نے امام بخاریؒ کے مذہب میں نقائص نکالنے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ امام بخاریؒ کو شہر چھوڑنا پڑا۔ ۱؎

اتفاق کی بات ہے کہ آج بھی ایک حکمران عورت کو خوش کرنے کے لئے روشن خیال وہی کچھ کر رہے ہیں کہ جو کچھ امام بخاریؒ کے خلاف حکومت کا مال کھانے والوں نے کیا تھا۔ آج امام بخاریؒ کی نقل کردہ حدیث کو نشانہ اس لئے بنا جا رہا ہے کہ اس عورت کی سربراہی کی نفی ہوتی ہے امام بخاریؒ نے اپنی کتابیں اٹھا کر شاہی دربار تک جانا گوارا نہ کیا۔ لیکن آج جناب رحمۃ اللہ طارق اپنی کتاب کی پشت پر آنسو بے نظیر بھٹو کی تصویر چھاپ کر دہائی دے رہے ہیں کہ محترمہ ہم آپ کے خادم اور وفادار ہیں بلکہ جناب ریفیع اللہ شہاب نے تو کھلے الفاظ میں ان کی یوں سفارش بھی کر دی۔

”علامہ رحمۃ اللہ طارق بڑے روشن خیال عالم دین دکھائی دیتے ہیں۔ حکومت کو ان کی خدمات سے فائدہ اٹھانا چاہیئے“ ۲؎

۱؎ ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری : ص ۲۰۵۔

۲؎ تہذیب التہذیب : جلد ۹۔ ص ۵۲۔

۳؎ روزنامہ امروز ۱۴ دسمبر ۱۹۸۸ء۔

کس قدر ظلم کی بات ہے کہ دنیوی فائدہ اٹھانے کے لئے روشن خیالی کا مظاہرہ کرنے والے اس عظیم اور بے مثال امام کی حدیث کو مشکوک بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جنہوں نے شاہی درباروں سے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ اگر دنیوی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو صبر و تحمل کے دامن کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

امام بخاریؒ کی وفات

امیر بخارا اور دبیری علماء کی زیادتیوں کی وجہ سے امام بخاریؒ، بخارا سے نکل کر سمرقند کی ایک بستی خرتنک میں تشریف لے گئے۔ وہاں ان کے عزیز و اقارب تھے۔ لہذا ان ہی کے پاس ٹھہر گئے۔ پھر ایک رات تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر دعا مانگی۔ اے اللہ! اپنی وسعت کے باوجود زمین مجھ پر تنگ ہو گئی ہے۔ اب مجھے اپنے پاس بلا لے۔ ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا۔

محمد بن ابی حاتم الوراق سے مروی ہے کہ امام بخاریؒ خرتنک میں غالب بن جبریل کے ہاں ٹھہرے تھے۔ اسی کو کہتے ہوئے میں نے سنا کہ امام بخاریؒ نے چند دن وہاں قیام فرمایا۔ پھر بیمار ہو گئے۔ اہل سمرقند نے جب پیغام بھیجا کہ آپ سمرقند تشریف لے آئیں۔ تو انہوں نے وہاں جانے کی تیاری کر لی۔ جب سواری کی طرف بیس قدم کے قریب چلے تو فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو۔ راوی کا بیان ہے کہ میں اُن کے بازو کو تھامے ہوئے تھا۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ انہوں نے دعا مانگنی شروع کر دی۔ زمین پر لیٹ گئے۔ پسینہ جاری ہو گیا۔ اور انہوں نے فرمایا۔ مجھے تین کپڑوں میں کفن دینا۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہ ہو۔ راوی کا قول ہے کہ جب ان کی روح اپنے رب حقیقی کی بارگاہ میں پہنچ گئی، تو ہم نے ان کی ہدایت کے مطابق عمل کیا۔ جب ہم نے ان پر نماز پڑھ کر ان

کو قبر میں رکھا۔ تو ان کی قبر کی مٹی سے عمدہ کستوری جیسی خوشبو نکل کر ہر سو پھیل گئی۔ کئی دنوں تک خوشبو سے فضا معطر رہی۔ لوگ آتے اور ان کی قبر کی مٹی لے جاتے۔ اس سلسلے کو روکنے کے لئے ان کی قبر پر لکڑی کا جیگلا لگانا پڑا۔

عبدالواحد بن آدم الطوائسی سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ کی ایک جماعت تھی۔ آپ ایک جگہ کھڑے تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے جواب دیا۔ میں نے عرض کیا۔ آپ یہاں کینوں کھڑے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔

انتظر محمد بن اسمعیل میں محمد بن اسمعیل کا انتظار کر رہا ہوں
عبدالواحد کا کہنا ہے کہ جب چند دنوں کے بعد مجھے امام بخاریؒ کی وفات کی خبر ملی تو میں نے غور کیا۔ جس کے نتیجے میں مجھے معلوم ہوا کہ ان کی وفات اسی گھڑی میں ہوئی تھی میں نے جس میں خواب دیکھا تھا۔

علم کا وہ سورج جس سے عرب و عجم کا کونہ کونہ چمک اٹھا۔ باسٹھ سال میں سے تیرہ دن کم عمر پا کر ۳۵ء میں عید الفطر کی رات غروب ہو گیا
تغمده الله برحمته وانا لله وانا اليه راجعون۔

صحيح بخاری

علامہ ابن خلدونؒ نے علوم الحدیث پر بحث کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ امام محمد بن اسمعیل

بخاری اپنے زمانے میں امام المحدثین کی حیثیت سے چمکے۔ اور انہوں نے اپنی صحیح بخاری میں فقہی ابواب کے تحت حجازی، عراقی اور شامی تمام طرق کے ساتھ حدیثیں درج کیں۔ انہوں نے وہی حدیثیں نقل کیں۔ جن پر علماء کا اجماع تھا۔ اور جن میں اختلاف تھا۔ ان کو چھوڑ دیا۔

اُقتات خمسہ میں صحیح بخاری کا جو مقام ہے۔ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ بخاری کا درجہ بہت اُونچا ہے۔ اسی لئے علماء اس کی شرح بہت مشکل سے سمجھتے ہیں۔ اور اس کی مراد تک پہنچنا دشوار جانتے ہیں۔ کیونکہ اس کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے حدیث کے متعدد طرق اور ان کے راویوں کے بارے میں عبور حاصل کرنا پڑتا ہے کہ وہ حجازی ہیں یا شامی یا عراقی۔ ان کے حالات کو سمجھنا اور ان کے بارے میں حفاظ کے اختلاف کو محفوظ رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے تراجم سمجھنے کے لئے انتہائی گہری نگاہ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ امام بخاری ایک عنوان قائم کر کے ایک سند یا طریق سے کوئی حدیث لاتے ہیں۔ پھر دوسرا عنوان قائم کر کے بعینہ وہی حدیث لاتے ہیں جو پہلے لائے تھے۔ کیونکہ اس حدیث میں وہ معنی بھی پایا جاتا ہے جو عنوان میں دیا گیا ہے۔ اسی طرح کئی کئی عنوانوں میں بار بار ایک حدیث اپنے مختلف معانی کی وجہ سے مکرر آجاتی ہے۔ بہت سے علمائے کرام جیسے ابن بطلانؒ، ابن مہلب اور ابن تینؒ وغیرہ نے بخاری کی شرحیں لکھی ہیں۔ لیکن شرح کا حق ادا کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ میں نے اپنے اکثر اساتذہ سے سنا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ بخاری کی شرح اُمت پر قرض ہے۔ جو ہنوز ادا نہیں ہو سکا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عالم مذکورہ بالا اعتبار سے شرح کے فرائض ادا نہ کر سکا۔

علامہ ابن خلدونؒ نے جس قرض کا ذکر کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کی صورت میں اسے ادا کر دیا۔ کیونکہ مصطفیٰ بن عبد اللہ قسطنطینی نے صحیح بخاری کی شروح کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے۔

من اعظم شروح البخاری	البناری کی عظیم شرحوں میں سے
شرح الحافظ العلامة	الحافظ العلامة شیخ الاسلام احمد بن
شیخ الاسلام احمد بن علی	علی ابن حجر العسقلانی المتوفی
بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ کی شرح ہے۔
المتوفی سنة ۸۵۲ھ	†

امام نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح کے مقدمہ میں وضاحت کی ہے۔

اتفق العلماء رحمہم اللہ	علماء رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر متفق
تعالیٰ علی ان اصح الكتب	ہیں کہ قرآن عزیز کے بعد سب سے صحیح
بعد القرآن العزيز الصحيح	کتابیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں امت
البخاری ومسلم تلقیھا	نے دونوں کو قبولیت سے اپنایا
الامة بالقبول وكتاب	ہے۔ دونوں میں سے زیادہ صحیح
البخاری صحیحا واكثرهما	اور اکثر مفید ہونے اور نظام
فوائد ومعارف ظاهرة	اور پوشیدہ معارف کے اعتبار سے
وغامضة	صحیح بخاری ہے "

۱۔ کشف الظنون : جلد ۱ ص ۵۴۷

۲۔ صحیح مسلم : جلد ۱۔ المقدمة : ص ۱۳۔

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن العینیؒ نے نقل کیا ہے کہ مشرق و مغرب کے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعد کوئی زیادہ صحیح کتاب نہیں۔ علمائے مغرب میں سے بعض نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک صحیح بخاری ہی راجح ہے اے

صحیح بخاری کے قرآن کے بعد اصح ہونے پر علمائے امت نے اس لئے اتفاق کیا ہے کہ امام بخاریؒ نے جس طرح احادیث انرازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جمع کیا اور راویوں کی پرکھ کا جو معیار قائم کیا اُس کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی۔

امام بخاریؒ سے مروی ہے کہ ہم امام اسحاق بن راہویہ کے پاس تھے کہ انہوں نے فرمایا۔ کاش کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ صحیحہ کو ایک مختصر کتاب میں جمع کر دو۔ امام اسحقؒ کی یہ بات میرے دل میں جم گئی اور میں نے الجامع الصغیر کی تالیف کا پروگرام بنایا اے

محمد بن سلیمان بن فارس سے مروی ہے کہ میں نے بخاریؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ میں پنکھا ہے، جس سے میں مکھیاں ہٹا رہا ہوں۔ میں نے اس خواب کی تعبیر کسی تعبیر بتانے والے سے پوچھی تو اُس نے کہا، کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ کو دور کرو گے۔ چنانچہ اس خواب نے بھی مجھے الجامع الصغیر کی تالیف و تصنیف پر آمادہ کیا۔

امام بخاریؒ نے خواب میں یہ بھی دیکھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل رہے ہیں۔ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم چلتے ہوئے جب قدم اٹھاتے ہیں تو امام بخاری آپ کے قدموں کے نشانوں پر اپنے پاؤں رکھتے ہیں ۱۷

امام بخاریؒ نے جس طرح الجامع الصغیر کو لکھنے کا اہتمام کیا۔ اس کے بارے میں ان ہی سے منقول ہے۔

ما کتبت فی کتاب الصحیح کتاب الصغیر میں جب بھی میں نے کوئی
حدیث الا اغتسلت قبل حدیث لکھی تو اس سے پہلے غسل کر کے
ذلک وصلیت رکعتین ۱۸ دو رکعتیں پڑھیں

علامہ عینی نے نقل کیا ہے کہ مسجد حرام میں کتاب کی تصنیف کی۔ اس میں جب بھی کوئی حدیث لکھی
إلا بعد استخرت اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ سے پہلے استخارہ کیا۔ اور
وصلیت رکعتین وتیقنت دو رکعتیں پڑھیں اور اس کی صحت کے
صحتہ ۱۹ بارے میں پورا یقین کر لیا۔

ہدی الساری اور الادب المفرد میں ’الو‘ کی بجائے ’حتی‘ کا لفظ ہے۔

علامہ کرانی نے صحیح بخاری کے شرف پر روشنی یوں ڈالی کہ مکہ المشرکہ میں لکھی جانے والی ہر
حدیث کے لئے آپؐ زمرم سے غسل فرماتے اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھتے۔ ۲۰
امام بخاریؒ نے الجامع الصغیر کو سولہ سال میں مکمل کیا۔ اس میں جو احادیث موجود ہیں ان کو چھ لاکھ

۱۷ ہدی الساری: ص ۴

۱۸ ہدی الساری، ص ۴۔ تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۴۹۔ الکرمانی جلد ۱۱۔ کشف الظنون جلد ۳ ص ۵۴

۱۹ عمدۃ القاری جلد ۵ ص ۵۔ الادب المفرد ص ۱۰۔ ہدی الساری۔ ص ۲۰۲۔

۲۰ البخاری بشرح الکرمانی۔ جلد ۱ ص ۱۱۔

میں سے انہوں نے منتخب کیا ہے۔ اور اُن کا اپنا قول ہے کہ میں نے اپنے اور اللہ کے درمیان اسے جنت بنایا ہے یہ صحیح بخاری کے تمام تراجم انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور آپ کے منبر کے درمیان بیٹھ کر لکھے اور ہر ترجمہ کے لئے بھی دو دو رکعتیں پڑھیں لے

امام بخاریؒ نے اُمتِ محمدیہؐ پر واضح کر دیا ہے کہ انہوں نے اپنی الجامع الصغیر میں صرف صحیح احادیث کو نقل کیا ہے اور بہت سی صحیح احادیث اس لئے چھوڑ دیں کہ کہیں کتاب ضعیف نہ ہو جائے لے

چھ لاکھ احادیث کی وضاحت

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث میں سے تقریباً چار ہزار بلا تکرار احادیث کا جو انتخاب کیا تھا۔ اس سے مراد چھ لاکھ حدیثوں کی سندیں ہیں۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال نہیں بلکہ جو کچھ آپؐ نے فرمایا یا صحابہؓ نے آپؐ کو کرتے دیکھا۔ اس کو آگے بیان کرنے والے راویوں کی تعداد ہے۔ اس کی مثال بصرہ کی مجلس تھی جس میں امام بخاریؒ نے اہل بصرہ کو وہ احادیث سنائیں جن میں ایسے راوی تھے کہ جو اہل بصرہ کی بیان کردہ روایات کی سندوں میں نہ تھے۔ حالانکہ احادیث اہل بصرہ میں معروف تھیں۔ لیکن اسناد میں امام بخاریؒ نے ایسے رواۃ کی نشاندہی کی کہ جن کا ان کو علم نہ تھا۔

یہ وضاحت اس لئے ضروری سمجھی گئی ہے کیونکہ احادیث کے بارے میں شکوک کا شکار

۱۔ ہدی الساری : ص ۲۰۲ - کشف الظنون : جلد ۱ ص ۵۴۳ - ۵۴۴

۲۔ ہدی الساری : ص ۴ - علوم الحدیث لابن الصلاح - ص ۱۵ - ۱۶

ہونے والے یہ اعتراض کر دیتے ہیں کہ اگرچہ لاکھ احادیث میں سے امام بخاریؒ کے معیار کی صرف چار ہزار تھیں۔ تو ظاہر ہے کہ باقی احادیث قابل اعتبار نہ رہیں۔ جب چھ لاکھ میں صرف چار ہزار ایسی تھیں کہ جنہیں امام بخاریؒ نے روایت کے قابل سمجھا تو وہ چار ہزار بھی شک و شبہ سے بالاتر نہیں ہو سکتیں۔ اسی لئے امام بخاریؒ نے واضح کر دیا کہ انہوں نے بہت سی ایسی احادیث کو محض اس لئے اپنی کتاب الجامع الصغیر میں نقل نہیں کیا تاکہ کتاب کا حجم نہ بڑھ جائے۔

یہی وجہ ہے کہ امام الحاکم نے المستدرک میں ان احادیث کو جمع کیا ہے جو امام بخاریؒ اور امام مسلم کی شرط پر پوری اُترتی تھیں۔ لیکن انہوں نے اپنی صحیحین میں ان کو جگہ نہ دی۔ امام الحافظ ابو عبد اللہ الحاکم النیسابوری ۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۰۵ھ میں وفات پائی۔

ویسے بھی امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی سند کو انتہائی صحت تک پہنچانے کے لئے ان رواۃ حدیث کا انتخاب کیا ہے جو ان کے قائم کردہ معیار پر پورا اُترتے تھے۔ ان کا معیار یہ تھا، کہ حدیث کا راوی اپنے شیخ کا معاصر ہو۔ اور اس سے اس کی ملاقات بھی ثابت ہو۔ جب کہ امام مسلم صرف معاصرین کو کافی سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے صحیح بخاریؒ کو صحیح مسلم پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اس کی مزید تفصیل سند کی بحث میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

احادیث کی اہمیت

یہاں اس بات کو بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ قرآن حکیم کو احادیث کے بغیر سمجھا نہیں جاسکتا مثال کے طور پر کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔

اقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ نَمَاز قَائِمٌ كَرُوا زَكَاةً ادا کرو۔

۱۔ البقرہ: آیت ۴۳۔ ۸۳۔ النساء: ۷۷۔ الحج: ۷۸۔ النور: ۵۶۔ المجادلہ: ۱۳۔ الفزل: ۲۱۔

اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم تو دے دیا۔ لیکن نماز کیسے پڑھی جائے گی اور زکوٰۃ کا نصاب کیا ہوگا اور کن کن مالوں پر ہوگی؟ اس کی تفصیل قرآن میں نہیں بلکہ احادیث میں موجود ہے۔

قرآن مبین میں ارشاد ہوتا ہے:-

”ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں نازل فرما“
 ”ہم نے اس کو ایک بابرکت رات میں نازل فرمایا“
 ”رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا“

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ
 إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ
 شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ
 الْقُرْآنُ

حالانکہ اسلامی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ قرآن عظیم کا نزول ۲۳ سال میں ہوا۔ جب تک حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث کو سامنے نہ رکھا جائے تو یہ مسئلہ قرآن پاک سے حل نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ مفسرین نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ قرآن حکیم کو ایک بابرکت لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے دنیائے آسمان پر بیت العزت میں ایک رات میں ہی اتارا گیا۔ پھر وہاں سے حالات و واقعات کے مطابق ۲۳ سالوں میں نازل ہوتا رہا۔

۱۔ القدر: آیت ۱۔

۲۔ الدخان: آیت ۳۔

۳۔ البقرہ: آیت ۱۸۵۔

۴۔ تفسیر ابن جریر، ج ۲ ص ۲۵۸۔ تفسیر ابن کثیر، جلد ۴ ص ۵۲۹۔ تفسیر الدر المنثور، جلد ۶ ص ۳۷۰۔

اسی طرح بے شمار مسائل ایسے ہیں کہ جن کو احادیث کے بغیر سمجھا نہیں جاسکتا۔ چونکہ اس کتاب میں حجیتِ حدیث موضوع نہیں۔ اس لئے اسی پر گفتگیا جاتا ہے۔ ویسے اصولِ حدیث کی کتابوں میں اس مسئلہ کو پوری طرح واضح کر دیا گیا ہے۔

امام بخاریؒ کے مبصر ائمہ کرام کی گواہی

امام ابو جعفر العقیلیؒ سے مروی ہے کہ جب امام بخاریؒ نے کتاب الصبح تصنیف کی تو اسے امام علی بن المدینیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام یحییٰ بن معینؒ اور دوسرے ائمہ کرام پر پیش کیا۔ سب جلیل القدر ائمہ کرامؒ نے جانچ پڑتال کے بعد چار احادیث کے سوا کتاب الصبح کے صحیح ہونے پر گواہی دے دی۔ امام العقیلیؒ کا بیان ہے کہ ان چار احادیث میں بھی امام بخاریؒ کا قول ہی ٹھیک ہے۔ کہ وہ صحیح ہیں۔

امام فربریؒ کا قول ہے کہ صحیح البخاری کے مؤلف سے نوے ہزار لوگوں نے ان کی یہ کتاب سنی۔

علامہ وحید الزمانؒ نے صحیح بخاری کے اردو ترجمہ کے دیباچہ میں ۶۵۔ اقوال امام بخاریؒ کے شیوخ اور مبصر ائمہ کرام کے ان کی توصیف و تعریف میں نقل کئے ہیں۔

علامہ وحید الزمانؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے انہوں نے احادیث کے اردو تراجم کا سلسلہ قائم کیا۔ جامع الترمذی کے علاوہ صحاح ستہ کے تھما موطا امام مالکؒ

۱۔ ہدی الساری: ص ۲۰۳ - ۵۔ تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۵۴ - الادب المفرد ص ۱۰۔

۲۔ کشف الظنون: جلد ۱ ص ۵۴۴ - ۵۴۵ تیسیر الباری جلد ۱ دیباچہ ص ۹ تا ۶۲

کا بھی انہوں نے اردو میں ترجمہ کر دیا۔ جزاء اللہ احسن الجزاء۔

امام ابو عبد اللہ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے لکھا ہے کہ امام ترمذی۔ الفقیہ محمد بن نصر المروزی۔ صلح بن محمد مطین۔ امام ابن خزیمہ۔ ابو قریش محمد بن جمہ، ابن صاعد، ابن ابی داؤد۔ ابو عبد اللہ الفربری، ابو حامد ابن الشرقي۔ منصور بن محمد النیرودی۔ ابو عبد اللہ المعاملی اور خلق کثیر نے امام بخاری سے احادیث بیان کی ہیں۔ یعنی یہ عالی مرتبہ بزرگ سب امام بخاریؒ کے شاگرد تھے لے

جناب رحمت اللہ طارق صاحب کے اعتراضات

جناب رحمت اللہ طارق صاحب کا کہنا ہے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ربیع صدی بعد ایک ایسا فقرہ تراش کر آپ کی طرف منسوب کرنے سے کسی طرح حدیث نبویؐ کہلا سکتا ہے؟ جسے حزین شریفین کے مسلمان اور خود جناب جمل میں حصہ لینے والے صحابہؓ اور تابعینؒ حضرات جو پچاس ہزار کے لگ بھگ تھے۔ جانتے ہی نہیں تھے؟ ہے کوئی جو اس کا جواب مرحمت فرمادے؟

ان کا کہنا ہے۔ آئیے آج کی صحبت میں اس رازِ سرِ بستہ کو سرِ مفل لا کر اباب دانش و بنیش پر واضح کر دیں کہ اُمتِ اسلام کے بہت سے افراد بایں زہد و تقویٰ احادیثِ نبویؐ کے بارے میں بہت ہی بداحتیاط اور اخذِ مطالب میں غیر سنجیدہ واقع ہوئے تھے۔ ان کا ظاہری کردار قابلِ رشک تھا۔ مگر ان کا باطن سازشوں اور فتنہ پردازیلوں سے ملوث رہا یا ملوث کیا جاتا رہا۔

سوچنے کہ یہ فقرہ کیوں کر اور کن مصلحتوں کے پیش نظر جنگِ جبل کے بعد ان یا اس کے فوراً بعد
مشتہر کر کے زبان زدِ کرایا گیا؟ اور گناہِ اشخاص نے مخلوط علمی ماحول سے فائدہ اٹھا کر کس طرح اپنے
دامِ تزویر کو پھیلایا؟

عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت نقل کرنے کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت
علیؑ کی فوج کے بیس ہزار اور جنابِ صدیقہؑ کے تیس ہزار حامی اس اہم موقع پر اس اہم حدیث سے
آشنا کیوں نہ ہو سکے؟ سیدنا امام حسنؑ نے معرکہِ جبل کے موقع پر بصرے کے کوچہ و بازار میں سیدہ
موصوفہؑ کے خلاف بڑے معرکہٴ الآراء لیکچر دیئے مگر کہیں بھی اپنے نانا حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
روایت کا حوالہ نہ دے سکے بلکہ موقع و محل کی مناسبت سے چابیئے تھا کہ خود نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم اپنے بہم فرمان کی وضاحت فرما دیتے تاکہ مسلمان کارزارِ جبل میں حصہ نہ لے سکتے۔ اور
میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر پہلے سے کہیں اس روایت کا وجود ہوتا تو بروقت ہی صدیقہؑ کی
معاذ آرائی کو روکا جاسکتا تھا۔ ایسے میں تنہا نفع بن الحارث کو مسئلہ میں یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ
عائشہؓ کی حمایت، گمراہی اور ہلاکت کی طرف لے جانے والی ہے؟ اور کیوں ان کے ذہن میں یہ
منفی جذبہ ابھر کہ اُمّ المؤمنین کی حمایت کو ایک کافرہ کی اعانت سے تشبیہ دے کر تاریخِ اسلام
میں ایک ناگوار تاثر چھوڑا؟ یا یہ کہ ابو بکرہ نفع کے شاگردوں نے آپ کے ذاتی خیالات کو نبوتی
فیصلہ کا عکس ٹھہرا کر ہر قسم کی ذمہ داری نفع پر کیوں ڈالی؟

۱۔ عورت اور سندِ امارت : ص ۲۰

۲۔ ایضاً : ص ۲۱-۲۲

اعتراضات کا تجزیہ

جناب رحمت اللہ طارق صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کہ ”جو قوم اپنے معاملات عورت کے سپرد کر دے گی۔ وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی“ کو حضرت عائشہؓ کے ساتھ خاص کرنے کا غلط مفروضہ قائم کر کے خیر القرون کے بارے میں جو زبان استعمال کی ہے کوئی اہل ایمان نہیں کر سکتا۔ یہ معاملہ ان کا ان کے رب یا اسلامی حکومت کے حکمران کے درمیان ہے۔ کیونکہ ایک شخص نادل کی صورت میں صحابہؓ اور صحابیاتؓ کا مذاق اڑاتا ہے تو اس کو واجب القتل قرار دے دیا جاتا ہے۔ لیکن جو لا الہ الا اللہ کے نام پر وجود میں آنے والے پاکستان میں علی الاعلان صحابی اور ان کے شاگردوں کو سازشی اور فتنہ پرداز کہہ کر صحیح بخاری کو مشکوک بنانے کی کوشش کرتا ہے، تو اس کے بارے میں حکومت کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جائے۔

یہاں اس پر بحث کرنا مقصود نہیں بلکہ اعتراضات کا تجزیہ کر کے ان کا جواب دینا ہے تاکہ گمراہی کو اپنانے والوں پر حقیقت واضح ہو جائے۔

عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی بخاری کی روایت کے بارے میں اعتراض کے دو پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

- (۱) یہ روایت جنگ جمل کے موقع پر حضرت عائشہؓ صدیقہ کے خلاف تراشی گئی۔
- (۲) اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو جنگ میں حصہ لینے والے پچاس ہزار صحابہؓ اور تابعینؓ کو اس کا علم ہوتا جس کی بناء پر وہ کارزار جمل میں حصہ نہ لیتے اور حضرت حسنؓ بصرے کے کوچہ و بازار میں سیدہ موصوفہ کے خلاف بڑے معرکہ آرا لیکچر نہ دیتے۔

اعترافات کا جواب

جہاں تک پہلے اعتراض کا تعلق ہے تو یہ روایت صحیح بخاری کی ہے۔ اور یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح کتاب صحیح بخاری ہے۔ کیونکہ امام بخاریؒ نے ہر حدیث نقل کرنے سے پہلے دو رکعت پڑھ کر اس کے صحیح ہونے کے بارے میں یقین کرنے کے لئے استخارہ کیا اور ائمہ حدیث کا صحیح بخاری کے صحیح ہونے پر اجماع ہے۔

جناب حرمت اللہ طارق صاحب نے نقل کیا ہے :-

حَدَّثَنَا عُمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ حَدَّثَنَا عَوْنٌ عَنْ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ لَقَدْ نَفَعَنِي اللَّهُ بِكَلِمَةٍ سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّامَ الْجَمَلِ بَعْدَ مَا كَدَتِ الْإِخْلَاقُ بِأَصْحَابِ الْجَمَلِ فَأَقَاتِلْ مَعَهُمْ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ فَارِسٍ قَدْ مَلَكَوْا عَلَيْهِمْ بَنَاتُ كَسْرَى قَالَ لَنْ يَفْلَحَ قَوْمٌ وَلَوْ أَمَرَهُمْ امْرَأَةٌ لَه

صحیح بخاری میں کتاب الفتن کے تحت مروی روایت میں ”سمعتہا من ابی بکر بعد ما کدت ان الحق باصحاب الجمل فاقاتل معهم“ کے الفاظ موجود نہیں۔ ترجمہ جناب حرمت اللہ طارق صاحب کے الفاظ میں یہ ہے کہ ابوبکرؓ نے نفع بن الحارثؓ سے کہا کہ جنگ جمل کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان نے

لے صحیح البخاری: کتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم الی کسری و قیصر: ص ۶۳۷۔ کتاب الفتن: ص ۱۰۵۲۔

مجھے تباہی سے عین اُس وقت بچالیا۔ جب کہ حضرت علیؓ کے خلاف عائشہؓ کی حمایت کا تہیہ کر چکا تھا۔ یعنی وہ فرمان یاد آگیا جو ایک عورت کے تختِ کسریٰ پر بیٹھنے کے موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی کامران نہیں ہو سکتی جس نے کسی عورت کو والی بنالیا۔

”نفعنی اللہ بکلمۃ“ کا جو ترجمہ جناب رحمت اللہ طارق نے کیا ہے اُس سے عیاں ہوتا ہے کہ ان کا قائم کردہ غلط مفروضہ کس قدر ان پر حاوی ہے۔ حالانکہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ایامِ جہل میں ایک کلمہ کے ذریعے مجھے فائدہ دیا۔ جو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ جب کہ قریب تھا کہ میں اصحابِ جہل کے ساتھ مل کر لڑائی کرتا۔ کلمہ کی وضاحت کرتے ہوئے ابو بکرؓ نے کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی کہ اہلِ فارس نے اپنے اُوپر بنتِ کسریٰ کو ملکہ بنالیا ہے تو آپؐ نے فرمایا۔ جو قوم اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دے وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔

www.KitaboSunnat.com حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جناب رحمت اللہ طارق نے صحیح بخاری کی اس روایت کے رد میں بحث کرتے ہوئے حدیث کے اصل راوی حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ قانونِ شہادت کی رو سے نفع (ابو بکرؓ) کی شہادت مردود ہے۔ کیونکہ اس نے مغیرہ بن شعبہؓ پر ناحق و ناروا گناہوں کی تہمت لگائی۔ اعد ثبوت پیش نہ کر سکے جس پر فاروقِ اعظمؓ نے (النور - ۴) کے مطابق آئندہ کے لئے اس کی گواہی کو مسترد کر دیا اور اسٹی کوڑے بھی رسید کر دیئے۔

اصل واقعہ

عرض کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کسی شئی کی محبت تمہیں اندھا دہرہ کر دیتی ہے۔ بعینہ جناب رحمت اللہ طارق صاحب کے ساتھ ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی کے بارے میں جو انداز اپنایا ہے وہ سراسر غیر مناسب اور متعصبانہ ہے جان بڑھ کر حقائق کو مخ کرنے کی کوشش ہے۔ حالانکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی طرف سے حضرت مغیرہ بن شعبہ بصرہ کے امیر تھے۔ ان کے گھر کے سامنے حضرت ابوبکرؓ کا گھر تھا اور درمیان میں راستہ تھا۔ دونوں گھروں کے بالاخانوں کی کھڑکیاں بھی آمنے سامنے تھیں۔ ایک دن حضرت ابوبکرؓ چند ساتھیوں کے ساتھ اپنے بالاخانے میں باتیں کر رہے تھے کہ ہوا کے جھونکے سے کھڑکی کھل گئی۔ حضرت ابوبکرؓ کھڑکی بند کرنے کے لئے کھڑے ہوئے کہ انہوں نے دیکھا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ ایک عورت کے ساتھ معروف ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ساتھیوں سے کہا، کھڑے ہو جاؤ، اور دیکھو۔ وہ کھڑے ہوئے اُرد انہوں نے دیکھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا، گواہ رہنا۔ ساتھیوں نے پوچھا۔ یہ کون عورت ہے؟ انہوں نے کہا۔ یہ اُمّ جمیل ہے۔ اُمّ جمیل بنی عامر بن مصلحہ کی ایک عورت تھی جو حضرت مغیرہ بن شعبہ اور دیگر اُمراء و اشراف کے پاس آیا جایا کرتی تھی۔ ان دنوں بعض عورتیں ایسا ہی کیا کرتی تھیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ جب نماز پڑھانے کے لئے آئے تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو روک دیا۔ اور حضرت عمر فاروقؓ کو معاملے سے آگاہ کر دیا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرے کا حاکم بنا کر بھیج کر حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ابوبکرؓ اور ان کے ساتھیوں نافع بن کلدہ۔ زیاد اور شبیل بن معبد کو مدینہ طیبہ طلب کر لیا۔ جب تحقیق ہوئی تو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ جس

عورت کے ساتھ انہوں نے مجھے دیکھا ہے، اللہ کی قسم وہ میری بیوی ہے جو اُمّ جمیل سے مشابہ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ، شبل بن معبد اور نافعؓ نے گواہی دی کہ وہ عورت اُمّ جمیل تھی۔ زیاد نے کہا کہ اُس عورت کے پاؤں خنّاء آلود تھے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا، تم اس عورت کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ لیکن مجھے شبہ ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: تم الگ ہو جاؤ۔ باقی تینوں کو قرآنی حکم کے مطابق حدّ قذف لگا دی۔ حضرت مغیرہؓ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کیا: مجھے ان غلاموں سے نجات دلائیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: چپ رہو۔ اللہ کی قسم! اگرچہ تم بھی گواہی بھی پوری ہو جاتی تو ہم تمہارے سے تمہیں رجم کرتے۔

اس ناخوشگوار واقعہ کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور ان کے ساتھیوں نے بلا ارادہ و تحسّس اپنا تک اپنے امیر کو ایک عورت کے ساتھ مصروف دیکھا۔ چونکہ اُمّ جمیل کا امیر بصرہ کے گھر آنا جانا تھا۔ لہذا ابوبکرؓ کا خیال تھا کہ جس عورت کو امیر کے ساتھ دیکھا گیا وہ اُمّ جمیل تھی۔ ان کے ساتھیوں نے بھی تائید کر دی۔ لیکن حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے جا کر چوتھے گواہ زیاد نے پہچان کے بارے میں شک و شبہ کا اظہار کر دیا۔ یہ زیاد حضرت ابوبکرؓ کے ماں کی طرف سے نبھائی تھی۔ حضرت عمرؓ نے شک کا فائدہ حضرت مغیرہؓ کو دیتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے دو ساتھیوں پر قرآنی تعلیم کے مطابق حد قائم کر دی۔ یہ کوئی جھوٹا واقعہ نہ تھا۔ ایک فعل ہوا۔ لیکن دیکھنے والوں کو غلط فہمی ہو گئی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی بیوی کی صورت اُمّ جمیل سے ملتی جلتی تھی اس لئے حضرت ابوبکرؓ کو غلط فہمی کی بنا پر ملنے والی سزا کی وجہ سے مطمئن نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ ان کا ارادہ کسی پر الزام یا مہتان لگانے کا نہ تھا۔

رہی بات ان کی گواہی کے قابل قبول ہونے یا نہ ہونے کی۔ تو اس کے بارے میں مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن سے کہا۔

تب تقبل شہادتک فقال له	توبہ کرو تاکہ تمہاری گواہی قبول کی جاسکے، انہوں نے کہا
انما تستبني لقبيل شهادتي	آپ مجھ سے توبہ اس لئے کروا رہے ہیں تاکہ میری گواہی
قال اجل قال لا جرم	مقبول ہو جائے حضرت عمرؓ نے کہا ہاں حضرت ابوبکرؓ
اني لا اشهد بين اثنين	نے کہا جب تک میں دنیا میں باقی رہوں گا کبھی بھی دو
ابدا ما بقيت في الدنيا له	شخصوں کے درمیان گواہی نہیں دوں گا۔

حضرت عمرؓ فائق چاہتے تھے کہ جس طرح ان کے دو ساتھیوں نے توبہ کر لی اور انہوں نے ان کی گواہی کو قابل قبول بنا دیا۔ اسی طرح ابوبکرؓ بھی توبہ کر لیں۔ لیکن انہوں نے خود ہی اپنی گواہی قابل قبول بنانے سے انکار کر دیا۔ لہذا اس بناء پر ان کی روایت کردہ حدیث کو ٹھکرایا نہیں جاسکتا۔

حضرت ابوبکرؓ کا اسلام اور اُن کا مقام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ تو اس وقت آپؐ نے فرمایا۔ جو آزاد قلعے سے نکل کر ہمارے پاس آئے گا وہ امن میں ہوگا اور جو غلام ہمارے پاس آئے گا وہ آزاد ہوگا۔ اہل طائف کے چند غلام قلعے سے اُتر آئے اور اُن میں ابوبکرؓ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو آزاد کر دیا۔ ابوبکرؓ رستے کی ایک پٹی کے ساتھ قلعے سے اُترے تھے، جسے عربی میں بکرہ کہا جاتا ہے۔ اس لئے ان کا نام ابوبکرؓ پڑ گیا۔ وہ کہا کرتے

تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہوں۔ ثقیف کے ایک آدمی سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ابو بکرؓ کو ہمیں واپس کر دیں، کیونکہ وہ ہمارا غلام ہے۔ آپ نے ان کو واپس کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا۔

هو طليق الله و طليق رسوله ﷺ وہ اللہ اور اس کے رسول کا آزاد کردہ ہے
حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے نقل کیا ہے۔

وكان من فضلاء الصحابةؓ کہ وہ فضلاء صحابہؓ میں تھے
وكان من خيار الصحابةؓ وہ بہترین صحابہؓ میں سے تھے
وكان افضل القومؓ وہ قوم میں افضل تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے۔
فصحاہی جلیل کبیر القدرؓ بزرگ اور اونچی شان والے صحابی تھے

کُتُبِ اِجَادِیْث میں حضرت ابو بکرؓ کی روایا

یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے حضرت ابو بکرؓ سے چودہ احادیث اپنی الجامع الصحیح میں نقل کی ہیں
اور امام جمال الدین ابوالحاج یوسف بن الزکی عبدالرحمن بن یوسف المزنی المتوفی ۵۴۲ھ نے صحاح ستہ
میں ان سے مروی چوٹھواں حدیث کی نشاندہی کی ہے۔

۱۔ طبقات ابن سعد، جلد ۴، ص ۱۵-۱۶۔

۲۔ الاصابہ: جلد ۶، ص ۲۵۲۔

۳۔ تہذیب التہذیب، جلد ۱، ص ۶۹ م ۵۷ البداية والتبایة: جلد ۸، ص ۵۷۔

حالانکہ امام بخاریؒ اور دوسرے ائمہ حدیث کو اچھی طرح علم تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان پر حدیث جاری کی تھی۔ لیکن اس کے باوجود ائمہ کرام میں سے کسی ایک نے بھی اس طرح کی تنقید نہیں کی، جیسی کہ روشن خیال جناب رحمت اللہ طارق اور جناب رفیع اللہ شہاب نے کی ہے۔ بلکہ ائمہ کرامؒ نے ان سے مروی روایات کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کر کے ان کے کبیر القدر مصابی ہونے کو ثابت کیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے باقاعدہ باب باندھ کر تقریباً ۱۳۸- احادیث ان سے نقل کی ہیں۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابو بکرؓ سے جو روایات نقل کیں ہیں۔ ان میں سے ایک پیش کی جاتی ہے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ راویوں کی سندوں کو وہ کس طرح واضح کرتے ہیں اور حضرت ابو بکرؓ پر جو الزام لگایا گیا ہے کہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو نقصان پہنچانے کے لئے گھڑی تھی۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟

صحیح البخاری کے الفاظ یہ ہیں :-

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْمُبَارَكِ	عبد الرحمن بن المبارك نے ہمیں بتایا،
قَالَ حَدَّثَنَا حَمَادُ بْنُ زَرِيدٍ	اُس نے کہا ہم کو حماد بن زید نے بتایا
قَالَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ وَيُونُسُ	اُس نے کہا ہم کو ایوب اور یونس نے
عَنِ الْحُسَيْنِ عَنِ الْوَحْتَفِ	حسن سے۔ اس نے احنف بن قیس
بْنِ قَيْسٍ قَالَ ذَهَبَتْ لَانُصْرٍ	سے بیان کیا کہ احنف نے کہا کہ میں
هَذَا الرَّجُلُ فَلَقِيْنِي أَبُو بَكْرٍ	اس آدمی یعنی علیؓ کی مدد کے لئے نکلا۔

فقال این ترید قلت انصر
هذا الرجل قال ارجع
فانی سمعت رسول الله
صلی الله علیه وسلم
يقول اذا التقى المسلمان
بسیفیهما فالقاتل والمقتول
فی النار قلت یا رسول الله
هذا القاتل فما بال المقتول
قال انه كان حریصا علی
قتل صاحبه ۱

مجھے ابو بکرؓ مل گئے۔ انہوں نے پوچھا
کہاں کا ارادہ ہے میں نے کہا۔ اس
آدمی یعنی علیؓ کی مدد کروں گا۔ انہوں نے
کہا۔ واپس چلے جاؤ بے شک میں نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے
ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر
ٹکراتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں چلے
جاتے ہیں میں نے عرض کیا، اللہ کے رسول! قاتل کی
بات تو سمجھتی آتی ہے لیکن مقتول کیوں جہنم میں جائیگا
اپنے فرمایا وہ اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔

صحیح بخاری میں مختلف ابواب کے تحت تین مرتبہ یہ روایت منقول ہے۔ کتاب الایمان اور کتاب الزیات
میں تو سند یہی ہے۔ لیکن تیسری جگہ یعنی کتاب الفتن میں مروی ہے۔

حدّثنا عبد الله بن
عبد الوهاب قال حدّثنا
حماد عن رجل لم
ہم سے عبد اللہ بن عبد الوہاب نے
بیان کیا۔ اس نے کہا ہم سے حماد نے
حدیث بیان کی ایک آدمی سے جس نے روایت کی

۱ کتاب الایمان : باب المعاصی من امر الجاہلیۃ : ص ۹

کتاب الدیات : باب قول الله ومن احياها : ص ۱۰۵

کتاب الفتن : باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا ترجعوا بعدی کفار : ص ۱۰۴۸

یسعہ عن الحسن قال
 خرجت بسلاحی لیالم
 الفتنۃ فاستقبلنی ابوبکرۃ
 فقال این ترید قلت ارید
 نصرۃ ابن عمر رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم قال
 قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم اذا تواجدہ المسلمان
 بسیفیمہما فکلاہما من
 اهل النار قيل هذا القتاتل
 فما بال المقتول قال انه
 اراد قتل صاحبہ قال
 حماد بن زید فذکرت
 هذا الحدیث لایوب
 ویونس بن عبید
 وانا ارید ان یحدثانی
 بہ فقال انما روی هذا
 الحسن عن الیحنف
 بن قیس عن ابی بکرۃ
 حسن سے۔ حماد نے اس کا نام نہ لیا۔
 اس نے کہا۔ میں فتنہ کی راتوں میں
 اسلحہ کے ساتھ نکلا۔ مجھ سے ابوبکرؓ کی ملاقات
 ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا۔ کہاں کا ارادہ ہے؟
 میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے عم زاد کی مدد کا ارادہ رکھتا ہوں انہوں
 نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا۔ جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ
 آمنے سامنے ہوتے ہیں تو دونوں جہنم میں داخل
 ہو جاتے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ قاتل کا
 معاملہ تو سمجھ میں آتا ہے لیکن مقتول کیوں
 جہنم میں جائے گا۔ آپ نے فرمایا۔ اس
 نے اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔
 حماد بن زید نے کہا۔ میں خمس حدیث کا ایوب
 اور یونس بن عبید کے سامنے ذکر کیا میں
 چاہتا تھا کہ دونوں مجھ سے حدیث بیان
 کریں چنانچہ دونوں نے کہا بے شک
 حسن نے الیحنف بن قیس سے اور اس نے
 ابوبکرؓ سے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

یہ انتہائی علمی انداز ہے کہ اگر ایک روایت ایسی آگئی کہ جس میں ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا۔ تو امام بخاریؒ نے کس طرح وضاحت کر دی؟ یعنی اس روایت میں احنف بن قیس کے نام کو چھوڑا گیا تھا، لیکن امام بخاریؒ نے پھر ایسی سند کا ذکر کر دیا۔ جس میں اس ابہام کو دھوکہ کر دیا گیا۔ امام مسلمؒ نے بھی حضرت احنفؒ سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا:-

خرجت وانا ارید هذا میں نکلا اور میں اس آدمی کا ارادہ رکھتا تھا۔

الرجل فلقيني ابو بكرؓ سے ملاقات ہو گئی! انہوں

نے کہا۔ اے احنف! کہاں کا ارادہ ہے؟ فقال اين تريد يا احنف؟

قال قلت ارید نصر ابن میں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے علیؓ کی مدد کا ارادہ رکھتا ہوں

عندہ وسلم یعنی علیؓ کا بیان ہے۔ ابو بکرؓ نے مجھ سے کہا

قال فقال يا احنف ارجع اے احنف! واپس لوٹ جاؤ!

پھر قاتل و مقتول کے جہنم میں چلے جانے والی ابو بکرؓ سے مروی ساری حدیث نقل کر دی۔

امام ابو داؤد نے بھی صحیح البخاری والی روایت ”باب النهی عن القتال في الفتنة“ کے

تحت نقل کی ہے

سنن النسائي میں بھی ”باب تحريم القتل“ کے تحت احنف سے قاتل و مقتول والا

دوسندوں سے منقول ہے

۱۔ صحیح مسلم: کتاب الفتن: جلد ۲، ص ۲۸۹۔

۲۔ سنن ابی داؤد: کتاب الفتن: ص ۵۸۶۔

۳۔ سنن النسائي: جلد ۲، ص ۱۶۹۔

ان روایات سے واضح ہو جاتا ہے کہ جن کو حضرت ابو بکرؓ نے قتال سے روکا تھا وہ سن بصری نہیں بلکہ حضرت احنفؓ تھے۔

جناب رحمت اللہ طارق کی سمجھی

جناب رحمت اللہ طارق صاحب نے حضرت حسن بصریؓ کے خلاف زہر اُگلتے ہوئے لکھا ہے۔ کتب احادیث کی ایک مشہور روایت کی رو سے تو یہاں تک بھی ثابت ہے کہ آپ کا زہر جمل میں ہاتھ میں تلوار لئے عائشہ صدیقہ کے خلاف لڑنے جا رہے تھے کہ بقول ان کے انہیں وہی ابو بکرؓ ملے، جن سے زیر بحث روایت مروی ہے۔ اُس نے کہا کہ حسنؓ کہاں جا رہے ہو۔ میں نے کہا کہ اوسید نصرة ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی کی طرف سے جنگ لڑنے جا رہا ہوں۔ اس پر ابو بکرؓ نے ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے حسن بصریؓ کو کہا کہ دونوں پارٹیاں جب مسلمان ہوں اور دونوں تلوار سے آمنا سامنا کریں تو دونوں فریق دوزخی (کافر) ہیں۔ (بحوالہ بخاری، کتاب الفتن) ۱

اپنے مطلب کا ترجمہ کرنے میں جناب رحمت اللہ طارق صاحب کے بڑی مہارت حاصل ہے۔ حدیث میں دو شخصوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنایا گیا ہے جو ایک دوسرے کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن رحمت اللہ طارق صاحب نے ان کو دو پارٹیاں بنا دیا۔ قاتل مقتول کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ دونوں جہنمی ہیں۔ لیکن کافر کا اضافہ اپنی طرف سے کر دیا۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :-

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا ۖ أَوْ يَحْزَأْهُ جَمْعَتُهُمْ خَالِدًا فِيهَا ۖ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ ۖ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۖ

اور جو قصداً کسی مومن کو قتل کرتا ہے۔ پس اس کی سزا جہنم ہے جس میں ہمیشہ رہے گا اور اللہ وغضب اللہ علیہ ولعنه اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس کے لئے اس نے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

عجیب بات یہاں یہ سامنے آئی کہ حضرت ابو بکرؓ کے بعد جب حضرت بصریؒ کو طعن کا نشانہ بنانے کا پروگرام بنا تو لکھ دیا کہ زیر بحث حدیث کے ذمہ دار جناب ابو بکرؓہ یفیع بن الحارث نہیں، عوف اعرابی یا خود حسن بصری صاحب ہیں۔ حاشیے میں یہ وضاحت بھی کر دی کہ سابقہ اوراق میں جہاں ابو بکرہ یفیع بن الحارث کی بابت کچھ اشارے کئے گئے تھے۔ وہ دراصل وکیل صفائی، ابن حجر کی غلط توجہیات کو ملحوظ رکھ کر کئے گئے تھے۔

دشمن خیالی یہی ہے کہ تنقید کرتے ہوئے یہ نہ دیکھو کہ کوئی کتنا عظیم اور بلند پائے کا محدث اور امام ہے۔ اس کی لکھی ہوئی بخاری کی شرح کو تمام شروح پر فوقیت حاصل ہے۔ حیرانگی کی بات تو یہ ہے کہ ابن حجرؒ کے بارے میں وہ شخص زبان درازی اور قلم اٹھانے کی جسارت کر رہا ہے کہ جس کا خود اپنا حال یہ ہے کہ بخاری کی سند سمجھ میں نہیں آئی یا جان بوجھ کر دھوکہ دینے کے لئے تلوار حضرت حسن بصریؒ کے ہاتھ میں تھما دی۔ علی میدان میں ٹھوکر کھانا کوئی ایسی بات نہیں لیکن جب دجل و فریب کے بل بوتے پر انسان گمراہی کو مزین کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا انجام یہی ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ نے واضح کر دیا کہ جس شخص کو حضرت ابو بکرؓہ نے جنگ جمل میں حصہ لینے سے

۱۔ سورة النساء: آیت ۹۳۔

۲۔ عورت اور مسئلہ امارت: ص ۳۴۔

روکا تھا۔ وہ حضرت حسن بصریؒ نہ تھے۔ بلکہ حضرت احنف بن قیس تھے۔ کتاب الایمان اور کتاب الدیات والی دونوں روایات میں عن الحسن عن الاحنف بن قیس واضح طور پر موجود ہے۔ لیکن تیسری روایت میں جب الاحنف بن قیس کا نام ظاہر نہ ہوا تو امام بخاریؒ نے چوتھی روایت نقل کر کے سند کے سقم کو دور کر دیا۔ جو علامہ رحمت اللہ طارق صاحب کی نگاہ سے اس لئے اوجھل رہا۔ کہ عورت کی سربراہی کو ثابت کرنے کی محبت نے حضرت حسن بصریؒ کو طعن کا نشانہ بنانے پر لگا دیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ حضرت حسن بصریؒ کی عظمت خود بخود جاگ رہ جائے گی۔ جب حضرت ابوبکرؓ سے بحث ان کی طرف منتقل ہوگی۔

حضرت ابوبکرؓ پر حضرت عائشہؓ کی مخالفت کا غلط الزام

دو مسلمان شخصوں کو آپس میں ٹکوانے سے روکنے والی حدیث بھی حضرت ابوبکرؓ نے جنگِ جمل کے موقع پر حضرت احنف بن قیس کو اس وقت سنائی کہ جب وہ جنگی تیاری کے ساتھ حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت عائشہؓ کے خلاف جنگ میں شریک ہونے کے لئے جا رہے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے نقل کیا ہے۔

وكان الاحنف اراد ان	”احنف نے ارادہ کیا تھا کہ جنگِ جمل میں
يخرج بقومه الى علي بن	اپنی قوم کو لے کر حضرت علیؓ بن ابی طالب
ابي طالب ليقاتل معه	کے ساتھ مل کر قتال کریں۔ حضرت
يوم الجمل فنهاه	ابوبکرؓ نے ان کو منع کیا چنانچہ وہ
ابوبكره فرجع له	لوٹ گئے۔“

لے نفع الباری: جلد ۱: ص ۸۶۔

امام احمد بن محمد القسطلانی کے الفاظ ہیں۔ قد وجع الاحف عن رأی ابی بکرؓ لـ
 ”الاحف ابو بکرؓ کے مشورہ پر واپس چلے گئے۔“

فتح الباری میں یہ بھی منقول ہے کہ احف بن قیس نے اسلام لانے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد وہ بنو تمیم کے سردار تھے۔ اور ان کی حلیہ کی مثال دی جاتی تھی۔

امام بخاریؒ نے تین روایات وہ نقل کی ہیں کہ جن میں واضح الفاظ میں حضرت ابو بکرؓ نے حضرت احف بن قیس کو حضرت علیؓ کی طرف سے لڑائی میں حصہ لینے سے روکا اور ان کی رائے کو قبول کرتے ہوئے حضرت احفؓ رک گئے لیکن اس کے برعکس عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت امام بخاریؒ نے دوم مرتبہ نقل کی ہے۔ اگر کوئی روشن خیال اس روایت کی مخالفت اور انکار اس لئے کرتا ہے کہ آج ایک عورت کی سربراہی پر زور پڑتی ہے تو حضرت علیؓ کی ذات میں غلو کرنے والا حضرت ابو بکرؓ کی روایت کردہ حدیث کا انکار اس بناء پر کر سکتا ہے کہ انہوں نے ایک قوم کے سردار کو حضرت علیؓ کی حمایت سے روکا۔ لیکن حقیقت میں دونوں ہی رجحان درست نہیں۔ کیونکہ حضرت ابو بکرؓ نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وہ بیان کر دیا۔

ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ جنگ جمل کے موقع پر حضرت ابو بکرؓ نے میدان میں جا کر یا کسی مسجد یا محلے میں کھڑے ہو کر اعلان نہیں کیا تھا کہ اے لوگو! حضرت عائشہؓ کا ساتھ مت دو۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی، جس نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دیا۔ بلکہ حدیث کے الفاظ ہیں۔

”کہ اللہ تعالیٰ نے جنگِ جمل کے دنوں میں مجھے اس کلمہ کے ساتھ نفع دیا جو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ جب کہ قریب تھا کہ میں اصحابِ جمل کے ساتھ مل کر ان کی طرف سے قتل کرتا۔“

یہ قول تو ان کا اپنے بارے میں تھا۔ جس طرح انہوں نے حضرت احنف کو رد کا تھا۔ اس طرح کی کوئی روایت صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کے کسی ساتھی کے بارے میں منقول نہیں۔ لہذا یہ کہنا اور سمجھنا بالکل غلط ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کی قیادت کو نقصان پہنچانے کے لئے جنگِ جمل کے موقع پر روایت گھڑ لی اور یہ بھی درست نہیں کہ یہ روایت حضرت عائشہؓ کے ساتھ خاص تھی کیونکہ حضرت عائشہؓ خلافت کے حصول کے لئے کوشاں نہ تھیں بلکہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے فوراً قصاص لینے پر آمادہ کرنے کی کوشش میں تھیں۔

روایت کے الفاظ پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک اُمّتِ محمدیہ کے لئے عام ہے۔ لیکن ابوبکرؓ نے اپنی خداداد بصیرت سے فائدہ اٹھایا اور جنگِ جمل میں حصّہ نہ لیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے۔

فکان ابابکرؓ اشار الی	”گویا کہ ابوبکرؓ نے اس حدیث کی
هذا الحديث فامتنع	طرف اشارہ کیا۔ پس اصحابِ جمل کے ساتھ
من القتال معهم ثم	مل کر قتال کرنے سے رُک گئے۔ پھر ان کو
استصوب رأیه فی ذالک	لڑائی میں حصّہ نہ لینے والی بات ٹھیک
الترك لما رأى غلبة	معلوم ہوئی جب انہوں نے علیؓ کو غاب
علیؓ۔ ۱۷	آئے دیکھ لیا۔“

امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ نے ابوجبرہؓ سے نفعنی اللہ کی بجائے عصمنی اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا) کے الفاظ نقل کئے ہیں ۱۔

فتح الباری میں امام ابوجبر بن ابی شیبہ کے حوالے سے منقول ہے کہ حضرت ابوجبرہؓ سے کہا گیا کہ جنگ جمل کے دن اہل بصرہ کے ساتھ آپ کو قتال کرنے سے کس چیز نے روکا تو انہوں نے جواب دیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا۔

يُخْرِجُ قَوْمَ هَلَكِي لَا يَفْلَحُونَ ”ایک ہلاک ہونے والی قوم نکلے گی وہ
قَائِدُهُمْ امْرَأَةٌ فِي کامیاب نہیں ہوگی۔ ان کی قائد ایک عورت
الْجَنَّةِ ۛ ہوگی جو جنت میں جائے گی“

لیکن جناب رحمت اللہ طارق صاحب نے سیدھے سادے ترجمہ کو اپنے مطلب کا یوں بنایا۔
کہ ”ہلاک زدہ ایک ایسی قوم نمودار ہوگی جو جنت سے محروم رہ جائے گی۔ ان کی قیادت ایک عورت کر رہی ہوگی“

یہ ترجمہ کسی بھی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیوں کہ البودائل سے مراد یہ ہے۔

قَامَ عِمَارٌ عَلَى مَنبَرِ الْكُوفَةِ ”حضرت عمارؓ کوفہ کے منبر پر کھڑے
فَذَكَرَ عَائِشَةَ وَذَكَرَ مَيْسِرَهَا ہوئے انہوں نے حضرت عائشہؓ کا
وَقَالَ إِنَّهَا زَوْجَةٌ نَبِيِّكُمْ ذکر کیا اور کہا کہ تمہارے نبی صلی اللہ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ علیہ وسلم کی دنیا اور آخرت

۱۔ جامع الترمذی جلد ۲، کتاب الفتن: ص ۶۱۔ سنن النسائي جلد ۲، کتاب آداب لغاضی من (ابن اسماعیل السنن) ۲

۲۔ فتح الباری جلد ۱۲، کتاب الفتن: ص ۵۵۔

فی الدنيا والآخرة ۱؎ میں وہ بیوی ہیں ۲؎

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے حضرت عمارؓ کے قول کی ان الفاظ میں وضاحت کی ہے۔

ان عائشة مع ذلك لم تخرج ۱؎ ”بے شک عائشہؓ (جنگِ جمل ادا لے
عن الاسلام ولا انت ۲؎ معاملے کے باوجود نہ اسلام سے خارج
تكون زوجة النبي ۳؎ ہوئیں اور نہ ہی جنت میں نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم في ۴؎ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونے سے
الجنة ۵؎ محروم ہوئیں ۶؎

امام بخاریؒ نے ابوداؤد کے شاگرد الحکم سے نیچے دوسری سند کے ساتھ فضائل عائشہؓ کے تحت ایک اور روایت نقل کی ہے۔

لما بعث علي عمارا ۱؎ ”جب علیؓ نے عمارؓ اور حن کو کوفہ بھیجا،
والحسن الى الكوفة ليستنفرهم ۲؎ تاکہ وہ اہل کوفہ کو مدد کے لئے تیار
خطب عمار فقال اني ۳؎ کریں۔ تو عمارؓ نے ان سے خطاب کیا اور
اعلم انها زوجته في الدنيا ۴؎ کہا بے شک میں جانتا ہوں کہ وہ یعنی عائشہؓ نبی کریم
والآخرة ولكن الله ابتلاكم ۵؎ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا و آخرت میں زوجہ ہیں لیکن
لتتبعوه وایاها ۶؎ اللہ تعالیٰ نے تم کو آزمایا ہے کہ تم انکی اتباع کرتے ہو یا علیؓ کا

۱؎ صحیح البخاری: کتابُ الفتن: ص ۱۰۵۲۔ تاریخ طبری: ص ۱۸۹۔

۲؎ فتح الباری: ص ۱۳۔ ص ۵۸۔

۳؎ طبقات ابن سعد: جلد ۸۔ ص ۶۴۔

حضرت عمارؓ جو کہ حضرت علیؓ کے اہل کوفہ کی طرف قاصد تھے۔ اور ان کو جنگِ جمل میں حضرت علیؓ کا ساتھ دینے پر ابھار رہے تھے۔ انہوں نے بھی حضرت عائشہؓ کے جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونے کا اعلان کیا۔

حافظ ابن کثیرؒ سے منقول ہے کہ حضرت عمارؓ اور حسنؓ منبر پر کھڑے ہوئے وہ دونوں لوگوں کو امیر المؤمنین حضرت علیؓ کا ساتھ دینے کی دعوت دے رہے تھے اور انہوں نے کہا۔

فانه انصايريد الصلاح کہ بے شک حضرت علیؓ لوگوں کے درمیان
بين الناس۔ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہیں ۴

حضرت عمارؓ نے ایک شخص کو سنا کہ وہ حضرت عائشہؓ کو گالی دے رہا ہے۔
انہوں نے کہا۔

اسکت مقبوحا منبوحا اے بھونکنے والے اور بُرے انسان چپ رہ
پھر انہوں نے صبح بخاری والے الفاظ کہے ۵
علامہ علاؤ الدین علی المتقیؒ نے واضح طور پر نقل کیا ہے۔

انها زوجة رسول الله صلى الله عليه وسلم یعنی ”وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
عليه وسلم في الجنة جنت میں بری ہیں“

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن العینیؒ نے بخاری کی شرح میں حدیث کے ”تتبعونه“
کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

۴ البدایۃ والنہایۃ: جلد ۴، ص ۲۳۴ کنز العمال: جلد ۱۳، ص ۶۹۴۔ طبقات ابن سعد: جلد ۸، ص ۶۵۔

۵ کنز العمال: جلد ۱۳، ص ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ حلیۃ الاولیاء جلد ۱، ص ۴۴۔

ای تبعون علیا ارتبعون
ایاها ای عائشہ قبل الضمیر
المنصوب فی تتبعونه
یرجع الی اللہ تعالیٰ والمراد
باتباعہ اتباع حکمہ الشرعی
فی طاعۃ الامام وعدم
الخروج علیہ۔

کہ تم علیؓ کی یا عائشہؓ کی اتباع
کرتے ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "تبعونہ"
کی ضمیر منصوب اللہ تعالیٰ کی طرف
لوٹتی ہے۔ اس کی اتباع سے مراد اس
کے حکم شرعی کے سلسلے میں امام کی امامت
کرنا اور اس کے خلاف خروج کی
ممانعت ہے۔

علامہ عینیؒ کا کہنا ہے:-

خاطب اللہ تعالیٰ ازواج النبی
صلی اللہ علیہ وسلم (و
قَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ) ولہذا
قالت ام سلمۃ لا یحرکخی
ظہر بعید حتی التقی اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی ازواج مطہرات سے فرمایا۔ تم اپنے
گروں میں رہو۔ اسی لئے حضرت ام سلمہؓ
نے کہا کہ کسی اونٹ کی پیٹھ مجھے حرکت میں نہیں
لائے گی یہاں تک کہ میں اللہ تعالیٰ سے مل جاؤں

علامہ عینیؒ کا بیان ہے:-

کانت عائشہ متاولۃ
ہی وطلحۃ والزبیرؓ وکانت
مرادہم ایقاع الاصلاح
بین الناس ولخذ
القصاص من قتلہ

کہ عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ بھلائی
کے خواہش مند تھے۔ اور ان کی مراد
لوگوں میں اصلاح کا قیام اور
حضرت عثمان غنیؓ کے
قتلوں سے قصاص

عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ لے لینا تھا۔

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کا موقف

جو کچھ عرض کیا جا چکا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں ہی فتنہ و فساد کے طلب گار نہ تھے بلکہ حضرت عثمان غنیؓ کی مظلومانہ شہادت کی وجہ سے ان کے قاتلوں کے بارے میں پیدا ہونے والے اہم ترین مسئلہ قصاص پر اختلاف تھا۔ دونوں ہی اصلاح کے متمنی تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ سے جب بھی پوچھا گیا تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کی قیادت کے عنوان کے تحت تاریخی حوالوں سے وضاحت کر دی گئی ہے کہ قصاص کا معاملہ طے ہو گیا تھا۔ صلح کی بات پکی ہو چکی تھی کہ رات کے اندھیرے میں قاتلین عثمانؓ نے اندھیر مچا دیا۔

دنیا کا کوئی مؤرخ یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ عائشہ صدیقہؓ نے کسی موقع پر خلافت کے حصول کی کوشش کی ہو یا اس کے لئے کوئی تحریک چلائی ہو بلکہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کا معاملہ تھا۔ جس کے لئے انہوں نے اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کی اور جس پر وہ زندگی بھر مضطرب رہیں۔

حضرت عائشہؓ کا پکچھاوا

جج کے بعد حضرت عائشہؓ کے ساتھ ازدواج مطہرات بھی تھیں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ عائشہؓ

اصحابِ جمل کے ساتھ بصرہ جا رہی ہیں۔ تو وہ مدینہ طیبہ روانہ ہو گئیں۔ حضرت حفصہؓ کا ارادہ تھا۔ کہ وہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ رہیں۔ لیکن ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کو روک لیا۔ حافظ ابن عبدالبر القرطبی (المتوفی ۴۶۳ھ) نے ابن ابی عتیق سے نقل کیا ہے کہ عائشہؓ نے کہا۔ جب ابن عمرؓ گزریں تو مجھے آگاہ کر دینا۔ چنانچہ جب ابن عمرؓ آئے تو عائشہؓ کو بتا دیا گیا۔ انہوں نے ابن عمرؓ سے کہا۔

یا ابا عبد الرحمن ما منعك "لے ابو عبد الرحمن! (بصرہ) جانے سے
ان تنهاني عن مسيري قال مجھے آپ کو نہ روکنے والی کوئی چیز تھی؟
رأيت رجلا قد غلب انہوں نے کہا، میں نے دیکھا کہ ایک
عليك وظننت انك لا آدمی آپ پر غالب آچکا ہے۔ میں نے
تخالفينہ یعنی ابن خیال کیا کہ آپ اس کی یعنی ابن زبیرؓ کی نفرت
الزبیر قالت اما انك نہیں کریں گی۔ عائشہؓ نے کہا اگر آپ مجھے
لو نهيتني ما خرجت لے منع کرتے تو میں نہ جاتی؟

حضرت عائشہؓ کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ ان کو جنگِ جمل میں شریک ہونے پر کتنا دکھ تھا۔ ایک ایسی ناخوشگوار یاد تھی جو انہیں بے قرار کئے ہوئے تھی۔

مکہ سے جب وہ لشکر کے ساتھ بصرہ جا رہی تھیں۔ تو راستے میں حوَّاب کے مقام پر کتوں کے بھونکنے کی انہوں نے آواز سنی تو ان کے پوچھنے پر انہیں بتایا گیا کہ یہ مقام حوَّاب ہے۔ انہوں

۱۔ تاریخ طبری: جلد ۵ ص ۱۶۸۔ الکامل: جلد ۳ ص ۱۰۶۔ البدایہ والنہایہ: جلد ۷ ص ۲۳۱۔

۲۔ الاستیعاب: ترجمہ عبداللہ بن زبیرؓ ص ۳۵۴۔

نے کہا۔ میں تو واپس جا رہی ہوں۔ اُن سے حضرت زبیرؓ نے کہا۔ نہیں بلکہ آپ آگے بڑھیں مسلمان آپ کو دیکھیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے درمیان صلح کرا دے گا۔

مسند احمد میں حضرت زبیرؓ کی بجائے ”بعض من کان معها“ کے الفاظ ہیں۔ یعنی ان کے ساتھ جو لوگ تھے۔ ان میں سے بعض نے یہ بات کہی۔

عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ تم میں سے ایک کے ساتھ کیا ہوگا جب اُس پر حوَّاب کے کُتے بھونکیں گے؟ ۱

مورخین نے الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ نقل کیا ہے کہ عائشہؓ کو جب پتہ چلا کہ اس جگہ کا نام حوَّاب ہے تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور زور سے چنچیں کہ اللہ کی قسم وہ میں ہی حوَّاب کے کُتوں والی ہوں۔ یہ بھی منقول ہے کہ تین مرتبہ انہوں نے کہا۔ لوگو! مجھے واپس لے چلو۔ پھر انہوں نے چابک مار کر اپنے اُونٹ کو اٹھایا اور وہاں سے چل نکلیں ۲

جناب رحمت اللہ طارق اور ان کے ساتھی حضرت ابو بکرؓ اور ان کے شاگردوں کو اس لئے طعن کا نشانہ بناتے ہیں کہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کے وہ راوی ہیں۔ حالانکہ حوَّاب کے کُتوں والی حدیث کی راویہ خود عائشہؓ صدیقہ ہیں۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں ہی خود انہوں نے ایسی روایت سنی جو مقام حوَّاب کے کُتوں کو بھونکنے پر ان کو یاد آگئی۔

ایک اور اسی طرح کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے تربیت یافتہ اُونٹ والی کون ہوگی کہ جس کے ارد گرد بہت سے لوگ قتل ہوں گے اور ہلاکت کے قریب ہو کر وہ نجات پائے گی ۳

۱۔ المستدرک: جلد ۳ ص ۱۲۰۔ مسند احمد: جلد ۶ ص ۵۲۔ فتح الباری: جلد ۱۲ ص ۵۵۔ سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۱۴۰۔
 ۲۔ تاریخ طبری جلد ۵ ص ۱۰۱۔ الکامل جلد ۵ ص ۱۰۴۔ ابن خلدون: جلد ۲ ص ۱۵۵۔
 ۳۔ الاستیعاب: ترجمہ عائشہ ص ۴۵۔ سیر اعلام النبلاء: جلد ۲ ص ۱۹۸۔

بزار کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس پر عوَّاب کے گتے بھونکیں گے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے راویوں کے بارے میں لکھا ہے۔

رجالہ ثقات لہ "اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں"

حافظ ابن عبد البرؒ نے اس حدیث کے بارے میں رقم کیا ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی نشانیوں میں سے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد عکرمہ سے روایت کرنے والے عصام بن قدامہ ثقہ ہیں اور ساری سند الیٰی مشہور ہے کہ ذکر کی محتاج نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے پہلے ہی اس کی وضاحت کر دی ہے۔

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ کا ناصحانہ خط

اصحابِ جمل اور حضرت عائشہؓ کے بارے میں جب خبر مدینہ پہنچی تو اُمّ المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے عائشہؓ کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے۔

الابعد! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت کے درمیان آپ ایک دروازہ ہیں۔ اور آپ کا پردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر ڈالا گیا ہے۔ آپ کے دامن کو قرآن کریم نے سمیٹ رکھا ہے۔ اسے آپ پھیلائیں نہ آپ کو گھر میں ٹھہرایا ہے۔ اس سے باہر نہ آئیں۔ اللہ تعالیٰ اس اُمت کے پیچھے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے مرتبے سے واقف تھے۔ اگر یہ کام آپ کے سپرد کرنے کا ارادہ رکھتے تو آپ کے ذمے لگا دیتے۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ اگر دین کا ستون ٹیڑھا ہو جائے تو عورتوں کے ذریعے سیدھا نہیں ہو سکتا۔ اگر اس میں شکاف پڑ جائے تو

عورتوں کے ذریعے اس کو بھرا نہیں جا سکتا۔ عورتوں کی انتہائی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی اور اپنے دامنوں کو سیٹھے رکھیں۔ اگر آپ کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہاڑوں اور صحراؤں میں ہو جائے تو آپ اُن کو کیا جواب دیں گی۔ آپ کا اونٹ پر سوار ہو کر ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ اپنی خواہش کے مطابق آنا جانا بے شک اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ نے جانا ہے اور آپ نے اس حجاب کو پھاڑ دیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ڈالا تھا۔ اور اُن سے کئے ہوئے عہد کو چھوڑ دیا ہے۔ اگر میں وہ کام کرتی جس کا آپ ارادہ کئے ہوئے ہیں۔ پھر مجھے کہا جاتا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے جاتے ہوئے مجھے شرم آتی۔ اس لئے کہ اس نے جو حجاب مجھ پر ڈالا تھا۔ اُس کو میں نے تار تار کر دیا۔ آپ اپنے حجاب کو جو آپ پر ڈالا گیا ہے اس کو قلعہ بنالیں جب تک آپ کی ملاقات اللہ تعالیٰ سے نہیں ہوتی اسی میں اپنی منزل تلاش کریں۔ آپ اس وقت زیادہ اطاعت گزار ہوں گی جب اسی کو لازم رکھیں گی۔ اور اُمت کی اُس وقت زیادہ خیر خواہ ہوں گی جب اسی میں بیٹھی رہیں گی۔ اگر میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ کلام یاد کراؤں جو آپ نے اس بارے میں فرمایا ہے تو آپ مجھے سانپ کی طرح نصیب کیں گی۔ والسلام

اس نصیحت آموز خط میں اُمتِ محمدیہ کی تمام خواتین کے لئے راہنمائی ہے کہ اُمت کی بھلائی اور ترقی کے لئے انہوں نے کیا کرنا ہے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عظیم خاتون کو جنگِ جمل میں حصہ لینے اور اُمت کی خیر خواہی کی خاطر میدان میں آنے سے روکا گیا ہے تو آج کی عورت کو اسلام کی طرف سے کس طرح یہ حق مل گیا ہے کہ مردوں کے ہوتے ہوئے وہ سیاسی قیادت کو اپنے ہاتھ میں لے کر اسلامی تعلیم کو پامال کرے۔ جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، ان کی فلاح قرآن و سنت کے تحت زندگی گزارنے میں ہے۔ مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ غیر اسلامی کوئی بھی نظام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا سبب نہیں بن سکتا۔

حضرت عائشہؓ نے بھی اجہتا د کرتے ہوئے وہ کام کرنے کی کوشش کی جو ان کی ذمہ داری نہ تھی۔ لہذا نتیجہ ایسا سامنے آیا کہ ساری عمر ان کی بے سکونی کا سبب بن گیا۔

حضرت عائشہؓ نے حضرت اُمّ سلمہؓ کے خط میں جواب لکھا۔ میں نے آپ کی وعظ و نصیحت کو اچھی طرح جان کر قبول کر لیا ہے۔ لیکن میرے میدان میں آنے کی وجہ وہ نہیں جو آپ نے گمان کیا ہے بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ دو جھگڑنے والے گروہوں کا معاملہ میرے پاس آیا ہے اگر اس کو ٹھیک کرنے میں کامیاب ہو گئی تو کوئی حرج نہیں۔ اگر کامیاب نہ ہوئی تو مزید آگے بڑھنے کے سوا چارہ نہیں۔

حضرت عائشہؓ کا خیال تھا کہ ان کی وجہ سے قاتلین عثمانؓ کے قصاص والا معاملہ جلدی طے پا جائے گا۔ کیوں کہ اُمّ المؤمنین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسہ ہونے کی وجہ سے ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اسی لئے حضرت عمارؓ ان کے خلاف لشکر جمع کرتے ہوئے بھی ان کے بارے میں کوئی نازیبا لفظ سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ کوفہ کے ممبر پر کھڑے ہو کر دنیا اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہونے کا اعلان کرتے تھے۔

جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ نے ان دو شخصوں کو سزا دی جنہوں نے حضرت عائشہؓ کی شان میں گستاخی کی تھی۔

ایک نے یہ مصرعہ پڑھا تھا :-

جُزِيتِ عَنَّا اَمَّا عَقَوَا

”اے ہماری ماں تمہیں ہماری طرف سے نافرمان ہونے کی سزا ملی ہے“

دوسرے نے کہا :-

يَا اُمَّنَا تُوِي فَقَدْ خَطَبْتَ ”اے ہماری ماں! تو بے کریں آپ نے غلطی کی ہے“

حضرت علیؓ کو یہ الفاظ اتنے بُرے اور معیوب لگے کہ پہلے ان دونوں کو قتل کرنے کا حکم دیا لیکن

بعد میں پکڑے اُتروا کر سوسو کوڑے لگوائے گئے

اظہارِ ندامت

غور طلب تو بات یہ ہے کہ جنگِ جمل میں جو نقصان ہوا۔ دس ہزار قیمتی جانیں قربان ہوئیں مسلمان آپس میں ٹھوکر لگئے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ رحمت اللہ طارق اور ان جیسے کیا اس المناک واقعہ کو عورت کی کامیابی اور کارنامی سے تعبیر کر سکتے ہیں؟ جب کہ اُمّ المؤمنینؓ کا اپنا حال یہ تھا کہ اس خوفناک جنگ کے خاتمہ پر انہوں نے کہا تھا۔

واللہ لو ددت انی مت قبل اللہ کی قسم بے شک میں پسند کرتی ہوں کہ
 هذا اليوم بعشرین سنة اس دن سے بیس سال پہلے مر گئی ہوتی
 حضرت علیؓ کو جب ان کی یہ بات پہنچی تو انہوں نے بھی یہی کلمات کہے گئے
 حافظ شمس الدین ذہبیؒ کے الفاظ ہیں :-

ولا ریب ان عائشة ندمت اُس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے
 ندامة کلیة علی میرھا بصرے کے سفر اور جنگِ جمل میں حاضری پر
 الی البصرة وحضورھا کُلّی طور پر نادم تھیں۔ اور ان کو یہ گمان
 يوم الجمل وما ظننت ان نہ تھا کہ ہات و پاں تک پہنچ جائے گی
 الامر یبلغ ما بلغ گئے جہاں پہنچ گئی

۱۔ تاریخ طبری، جلد ۵ ص ۲۲۳۔ تاریخ الکامل جلد ۳ ص ۱۳۲۔ البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۴۶۔

۲۔ تاریخ طبری جلد ۵ ص ۲۲۱۔ الکامل جلد ۳ ص ۱۳۰۔ ابن خلدون، جلد ۲ ص ۱۶۴۔

۳۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲ ص ۱۷۷۔

پھر انہوں نے اس روایت کا ذکر کیا جو ابن سعد اور ابو نعیم نے بھی نقل کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن کریم کی جب یہ آیت پڑھیں۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ۚ

تم اپنے گھروں میں رہنا۔

تو آنا دیتیں کہ ان کی اور حنی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھیں

اُتہات المؤمنین کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو حکم فرمایا اگر اسی کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اسلامی ملک میں عورت کی قیادت کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يُنْسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویو! اگر تم

كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ

پرہیزگار بن جاؤ تو تم عام عورتوں کی طرح نہیں

إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَحْضَعْنَ

ہو۔ تم نرم بچے میں بات نہ کیا کرو۔ ایسا نہ

بِالْقَوْلِ يُطْمَعُ الذِّمِّيُّ فِي

ہو کہ جس کے دل میں بیادری ہو وہ کوئی خیال

قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ

کر لے۔ ہاں قاعدے کے مطابق کلام کیا

قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَقَرْنَ

کرو۔ اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو۔

فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ

اور قدیمی جہالت کے زلنے کی طرح اپنے

تَبَرَّجِ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى

بناؤ شگھار کی نمائش نہ کرنا۔ اور نماز

وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ

تائم کیا کرو۔ اور زکوٰۃ دیتی رہو

الزَّكَاةَ وَآتِعْنَ اللَّهَ

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ سورة الاحزاب: آیت ۳۳

۲۔ طبقات ابن سعد: جلد ۸۱ - حلیۃ الاولیاء: جلد ۲ - ص ۴۹۔

وَرَسُولُهُ ۛ کی اطاعت کرو۔

یہ حکم ان عظیم الشان خواتین کو دیا گیا۔ جنہیں سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کو اپنے گھروں میں رہنے، آوازوں کو پست رکھنے اور جہالت کے بناؤں گھار کی نمائش سے منع کیا گیا۔

مفسرین نے نقل کیا ہے کہ جہالت میں عورتیں بے پردہ پھر ا کرتی تھیں۔ دوپٹے کو اس طرح لینا کہ گلے اور کانوں کے زیورات دوسروں کو نظر آئیں اور ناز و سخرے سے چلنا اور اپنی زینتوں کو ظاہر کرنا یہ جہالت کا بناؤ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے بڑے ہی اختصار کے ساتھ زینتوں کی نمائش پر یوں پابندی لگا دی۔

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۚ
”جس کا چھپانا مشکل ہے اس کے سوا
اپنی زینتوں کو ظاہر نہ کرو۔“

مفسرین نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہاتھوں اور پاؤں کے علاوہ باقی کچھ ظاہر نہیں ہونا چاہیے۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ان المرأة عورة فاذا خرجت
”بے شک عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے
استنش فرما الشیطان
جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکنے لگتا ہے“

۱ سورۃ الاحزاب : آیت ۳۲-۳۳۔

۲ تفسیر ابن جریر ۲ ص ۷۷ تفسیر ابن کثیر، جلد ۳ ص ۸۲ تفسیر القطبی، الجز ۴ ص ۱۴۹-۱۸۰۔ الراعی ۲ ص ۶

۳ جامع الترمذی جلد ۱: ابواب الرضاع : ص ۱۴۳۔

اسی لئے کسی ضرورت کے تحت گھر سے نکلنے والی عورتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے حکم دیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّزَوَّاجِكَ
وَبَنَاتِكَ وَلِإِيسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ
يَدْنِينَ عَلَيْهِنَ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ
ذَلِكَ أَذْفَىٰ أَنْ يَعرَفْنَ
فَلَا يُؤْذَيْنَ ۚ

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی بیویوں
اور اپنی بیٹیوں اور مؤمنین کی عورتوں سے کہہ
دیں کہ اپنے اوپر اپنی چادریں ڈال لیں۔ یہ
زیادہ قریب ہے کہ ان کی پہچان ہو جائے اور
وہ ستائی نہ جائیں۔

یہ آیت مبارکہ پر دے کی اصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ قصاص عثمان کے مسئلے کو لے کر میدان میں تو آئیں، لیکن جناب رحمت اللہ طارق امدان کے ساتھیوں میں کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ انہوں نے مردوں کے سامنے چہرہ کھول کر اور بناؤ سنگھار کر کے کسی جگہ خطاب کیا ہو، جب بیت اللہ میں حضرت عثمانؓ کے قصاص پر لوگوں کو اُجھارا، تب بھی ان کے لئے پردے کا خاص انتظام کیا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ کے ایک اجتہادی فعل کو سامنے رکھتے ہوئے عورت کی سربراہی کو ثابت کرنے والوں کی نگاہ ادواجِ مطہرات اور صحابیات کے معمولات تک نہیں جاتی بلکہ صرف مطلب کی بات کو دجل و فریب اور چابکدستی سے مزین کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔

جس فعل پر حضرت عائشہؓ نے اپنی ندامت کا اظہار کر دیا۔ قرآن حکیم کی جس آیت مبارکہ میں انہیں بلا ضرورت گھر سے نکلنے کی ممانعت تھی۔ اس کو پڑھ کر وہ رویا کرتی تھیں۔ لیکن آج ایک عورت

کو خوش کرنے اور حکومت کا خیر خواہ بننے کے شوق میں ان کے اسی فعل کو نمونہ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔
ابن سعد اور حافظ ابو عبد اللہ الحاکم نسیا پوری نے الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ قیس بن ابی حازم سے نقل کیا ہے۔

”عائشہؓ نے کہا کہ ان کی دلی خواہش	قالت عائشہؓ وكان تحدث
تھی کہ ان کو ان کے گھر میں رسول اللہ	نفسها ان تدفن في بيتها مع
صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ کے ساتھ	رسول الله صلى الله عليه وسلم
دفن کیا جائے ان کا قول ہے کہ	والی بکرؓ فقالت انی احدثت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد	بعد رسول الله صلى الله عليه عليه
میں نے ایک حدیث کا ارتکاب کیا	وسلم حدثنا ادفنوني مع
ہے۔ لہذا مجھے آپ کی ازواج مطہرات	ازواجه فدفنت بالبيع هذا
کے ساتھ دفن کر دینا۔ چنانچہ ان کو قیام میں	حديث صحيح على شرط الشيخين
دفنایا گیا۔	ولم يخرجوا۔ ۱

امام حاکم کے الفاظ میں کہ یہ حدیث بخاری مسلم کی شرط پر ہے۔ لیکن انہوں نے اپنی کتابوں میں اسے نقل نہیں کیا۔

الطبقات الکبریٰ میں یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی وفات کے وقت یہ کہا تھا۔
امام شمس الدین الذہبی نے ”حدیث“ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے :-
کہ اس سے مراد ہے ۔

مسیر ہایوم الجمل فانہا " جنگِ جمل میں ان کا آنا جس پر وہ
ندمت ندامۃ حلیۃ و کئی طور پر نادم ہوئیں۔ اور انہوں نے
تابت من ذلك علی انہا اس سے توبہ کر لی۔ حالانکہ انہوں نے
ما فعلت ذلك الامتأولۃ یہ کام صرف بھلائی کے ارادے سے کیا
قاصدۃ للخیر کما اجتہد تھا۔ ان کی یہ تاویل اسی طرح کی تھی، کہ
طلحۃ بن عبید اللہ جس طرح حضرت طلحہ بن عبید اور حضرت زبیرؓ
والزبیر بن العوام و بن عوام اور کبار صحابہؓ کی جماعت نے
جماعۃ من الکبار رضی اللہ اجتہاد کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے
عن الجميع لہ راضی ہو جائے۔ "

اس وضاحت کے بعد کسی شخص کے لئے ذرا سی بھی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ حضرت عائشہؓ
مذہب کے اس عمل کو نمونہ بنا کر عورت کی قیادت کو ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ جن پر وہ ساری
عمر نادم رہیں اور اپنے اس عمل کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں دفن ہونے کی دلی
خواہش کو بھی ترک کر دیا۔

مضحکہ خیز تاویل کی حقیقت

جناب رحمت اللہ طارق صاحب نے فتح الباری کی اس روایت کو "سیدہ صدیقہ" کی منصب
سربراہی کی خواہاں تھیں اور نہ خلافت و امامت اور ملکہ بننے کی دعویٰ دار مضحکہ خیز تاویل قرار دیا ہے کیونکہ

ان کا کہنا ہے کہ آپ کی کمان میں تیس ہزار لوگوں کا سرفردشانہ مظاہرہ کرنا واضح کرتا ہے کہ کسی منصب کی خواہش نہ ہونے کے باوصف لوگوں نے آپ کی سیاسی قیادت پر اعتماد کیا تھا اور کسی حد تک باقاعدہ دلی کی حیثیت دے رکھی تھی اور وہ ”مرو“ والی کی طرح آپ کی اطاعت کرنے کو فرض سمجھتے تھے اور آپ بجا طور پر ولایت کے تعاضوں کے مطابق ان کی کمان کرنے کا اختیار رکھتی تھیں۔ اور اسی دوران آپ کے فوجداری احکام کی طرح دیوانی فیصلے بھی قابل عمل اور باعث تصفیہ تھے۔ ان میں شرعاً کوئی قباحت ہوتی تو قد آدھما کبہم اور دیگر مسلمانوں کا جم غفیر قباحت پر مجتمع نہ ہو سکتا تھا۔ لہذا عورت کی امارت و صدارت اس زاویہ سے بھی قابل اعتراض نہیں رہتی۔ بلکہ اتنے اجلال و اعزاز کے سمیٹنے کے بعد وہ خود بھی اگر منصب قیادت کی مدعی بن جاتیں تب بھی کسی طرح کی قباحت لازم نہ آ سکتی تھی۔ کیونکہ تیس ہزار آدمیوں کا اجتماع کسی قیادت کے بغیر ممکن نہیں تھا اور تاریخ نے یہ محفوظ کر لیا کہ اس وقت ایک عورت ہی نے مرکز اطاعت بن کر ضبط و نظم کی مثال قائم کی تھی۔ شکست و ریخت سے تو مرد بھی دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ اس کا معیار قطعی طور پر مختلف ہے۔

جناب رحمت اللہ طارق کا استدلال کس قدر غیر دانشمندانہ ہے کہ عائشہ صدیقہ کی قیادت کو انہوں نے سیاسی قرار دے دیا۔ جس سے لازم آتا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے میدان میں نکل آئیں۔ لہذا ان کا یہ عمل درست تھا۔ چونکہ تیس ہزار لوگ ان کے ساتھ تھے۔ تاریخی طور پر انہوں نے مرکز اطاعت بن کر ضبط و نظم کی مثال قائم کر دی۔ اس لئے ان کی سربراہی میں شرعاً کوئی قباحت نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ”کہ کسی چیز کی محبت تھے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے“ جناب رحمت اللہ طارق اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں اور چابکدستی کو دیکھ کر بار بار یاد آتا ہے۔

یہ حضرات وہ بات کہتے ہیں جو آج تک کسی بھی مورخ کو نہیں سوجھی۔ تمام مؤرخین، محدثین اور مفسرین نے جنگِ جمل کے واقعہ کو حضرت عثمان غنیؓ کے قصاص تک محدود کیا ہے۔ کسی ایک نے بھی اس کو سیاسی نہیں کہا۔ اگر حضرت عائشہؓ کی قیادت میں شرعاً کوئی قباحت نہ ہوتی تو حضرت علیؓ اہل ان کے ساتھی کبھی بھی ان کے خلاف قتال نہ کرتے کیوں کہ وہ عام عورت نہیں اُمت کی ماں تھیں۔

اگر تیس ہزار ان کے ساتھ تھے تو بیس ہزار وہ ان کے خلاف تھے جو ان پر غالب آگئے لہذا جنہوں نے ان کا ساتھ دیا تھا۔ ان میں سے کسی ایک نے ان کو اُمت کا صدر یا امیر بنانے کے لئے ووٹ نہیں دیا تھا۔ بلکہ حضرت عثمان غنیؓ کے قصاص کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جیبہ و اُم المؤمنین کی ہمراہی اختیار کی تھی۔ جب مسئلہ پروگرام کے مطابق حل نہ ہو پایا۔ اور اس کا خوفناک نتیجہ سامنے آیا۔ تو انہوں نے اپنی ندامت کا اظہار کر دیا۔ حضرت علیؓ نے عزت و احترام کے ساتھ ان کو مدینہ طیبہ جب واپس بھیجا تو اپنی لقیہ زندگی میں اپنے عمل پر کھپتاتی رہیں۔

اگر شرعاً ان کی قیادت میں کوئی قباحت نہ ہوتی تو اُم المؤمنین حضرت ام سلمہؓ ان کو وہ خط نہ لکھتیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی بہن اُم المؤمنین حضرت حفصہؓ کو ان کا ساتھ دینے سے منع نہ کرتے۔ اور اُقبات المؤمنین حج کے بعد مدینہ جانے کی بجائے ان کے ساتھ بصرہ کے میدان میں پہنچ جاتیں۔ اور قرآن مجید میں ان کو گھر میں رہنے کا حکم نہ ملتا۔

یہاں تک مرکزِ اطاعت کا تعلق ہے تو یہ بات بھی درست نہیں۔ کیوں کہ مرکز اُسے کہا جاتا ہے جس پر سب کا اتفاق ہوتا ہے جب کہ ساری اُمت جنگِ جمل میں شریک نہ تھی۔ لہذا عارضی اطاعت کو جو کسی بیعت سے مشروط نہ تھی مرکزِ اطاعت سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اطاعت کسی امیر یا والی کی نہیں بلکہ اُمت کی ماں کی نیکی کے کام میں تعاون کی صورت میں تھی۔ جو آج ایک عورت کی قیادت کے لئے دلیل نہیں ہو سکتی۔ جب ماں نے خود ہی اپنے عمل پر افسوس و ندامت کا اظہار

کر دیا تو اس پر قیاس کسی بھی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جب علمائے اُمت اس پر متفق ہیں کہ عہدِ مسلمانوں کی سربراہ نہیں ہو سکتی حالانکہ جنگِ جمل کا افسوسناک واقعہ ان سے اوچل نہیں تو پھر آج کسی شخص کی چابکدستی سے حقیقت کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

کیا حضرت عائشہؓ نے کسی سے اپنی بیعت لی تھی؟

خیال رہے کہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے والوں نے جب بصرہ جانے کا پرہیز کرنا بنا یا۔ تو باقاعدہ بیعت کر کے کسی کو امیر نہیں بنایا تھا۔ امام ابو العباسؒ شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی المتوفی ۷۲۳ھ نے جنگِ جمل کے بارے میں نقل کیا ہے۔

کان سبہما ان عثمان لما	کہ اس کا سبب یہ تھا کہ جب عثمان غنیؓ
قتل و بویع علی بالخلافة	بشیر کر دیے گئے اور علیؓ کی خلافت کے لئے
خرج طلحة والزبیر الی مکة	بیعت ہو گئی تو طلحہؓ اور زبیرؓ مکہ چلے آئے۔
فوجدوا عائشة وکانت	انہوں نے عائشہؓ کو اس حال میں پایا کہ وہ حج
حجت فاجمع رأیہم علی	کر چکی تھیں پس ان سب کا اس پر اتفاق ہو
التوجه الی البصرة لیتنفردون	گیا کہ بصرہ جا کر لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے
الناس للطلب بدم عثمان	قصاص لینے پر آمادہ کریں۔

حضرت عمرؓ بن حفصؓ اور ابوالاسودؓ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے بصرہ آنے کی وجہ پوچھی، تو انہوں نے جواب دیا۔ ہم حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ لے کر آئے ہیں۔

ان سے کہا گیا کہ آپ حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کر چکے ؟

حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ نے کہا۔ اس حال میں کہ تلوار ہماری گردنوں پر تھی۔ ہم حضرت علیؑ کی بیعت توڑنا نہیں چاہتے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ہمارے اور حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے درمیان حامل ہو جائے۔ چنانچہ جب بصرہ میں پہلی جھڑپ ہوئی تو جنگ بندی اس شرط پر ہوئی کہ مدینہ طیبہ ایک قاصد بھیجا جائے جو یہ معلوم کرے کہ آیا حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ نے حضرت علیؑ سے خوشی سے بیعت کی تھی یا زبردستی ان سے بیعت لی گئی تھی۔ اگر ثابت ہو جائے کہ ان دونوں سے بیعت زبردستی لی گئی تھی تو بصرہ کے امیر عثمان بن حنیف دونوں کے لئے بصرہ خالی کر دیں گے۔ اور اگر بیعت خوشی سے ہوئی تھی تو دونوں بصرہ سے چلے جائیں گے۔ قاصد کی واپسی تک فریقین کے درمیان لڑائی نہیں ہوگی۔ اس سلسلے میں جو معاہدہ لکھا گیا۔ اس میں بھی حضرت عائشہؓ کا نام نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؑ کے درمیان کوئی سیاسی محاذ آرائی نہ تھی بلکہ امت کی ماں ہونے کے نلے قصاص کے بارے میں قرآنی حکم کے نفاذ کی خواہشمند تھیں۔ جس میں حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کی معاونت انہیں حاصل تھی۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ نے واضح کر دیا تھا کہ اگر حضرت علیؑ قصاص کے بارے میں رکاوٹ نہ بنے تو وہ دونوں ان کی بیعت توڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے اور حضرت علیؑ کی خلافت میں کسی کو کوئی اختلاف نہ تھا۔

۱۔ تاریخ طبری: جلد ۳ ص ۱۴۴۔ تاریخ الکامل: جلد ۳ ص ۱۰۸۔ ابن خلدون: جلد ۲ ص ۱۵۵

۲۔ تاریخ طبری: جلد ۳ ص ۱۴۴۔ تاریخ الکامل: جلد ۳ ص ۱۱۰-۱۱۱۔ البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۲۳

ابن خلدون: جلد ۲ ص ۱۵۶

حضرت عائشہؓ کا زید بن صوحان کے نام خط اور اس کا جواب

حضرت عائشہؓ جب بصرہ پہنچیں تو انہوں نے زید بن صوحان کے نام ایک خط تحریر کیا۔ جس کی عبارت حسب ذیل تھی۔

اَمَّا بَعْدُ يَهْ خَطِّ عَائِشَةَ بِنْتِ ابِي بَكْرٍ اَمَّ الْمُؤْمِنِينَ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جیبہ کی جانب سے اُس کے مخلص بیٹے زید بن صوحان کے نام ہے۔

جب ہمارا خط تمہیں ملے، اُسی وقت ہمارے پاس چلے آؤ اور ہماری اس کام میں مدد کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو لوگوں کو علیؓ کی طرف سے کوئی مدد نہیں ملے گی۔“

حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ نے زید بن صوحان کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ رات کو قیام کیا کرتے اور دن میں روزے سے رہتے تھے۔ اور جنگِ جمل میں ان کی شہادت ہوئی تھی۔

زید بن صوحان نے جواب میں لکھا، زید بن صوحان کی طرف سے ابو بکر الصديقؓ کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جیبہ عائشہؓ کی طرف۔

اَمَّا بَعْدُ! میں آپ کا مخلص بیٹا ہوں۔ اگر آپ نے اس کام کو چھوڑ دیا اور اپنے گھر لوٹ گئیں تو ٹھیک ہے ورنہ سب سے پہلے میں آپ کا مقابلہ کروں گا۔

زید بن صوحان کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اُمّ المؤمنین پر رحم کرے۔ انہیں گھر میں بیٹھنے کا اور یہیں

۱۔ تاریخ بغداد: جلد ۸ ص ۴۳۹-۴۴۰۔

۲۔ تاریخ طبری: جلد ۳ ص ۱۸۳-۱۸۴۔ تاریخ الکامل: جلد ۳ ص ۱۱۰۔

قتال کا حکم دیا گیا۔ لیکن انہوں نے وہ چھوڑ دیا جس کا ان کو حکم دیا گیا۔ اور جو حکم ان کے لئے تھا۔ انہوں نے وہ ہمیں دیا اور جو ہمارے لیے حکم تھا اس سے ہمیں روکا اور خود اس پر عمل کیا۔

اس سے ملتی جلتی بات جابر بن قتادہ السعدی نے بھی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان الفاظ میں عرض کی تھی۔

اے ام المؤمنین! حضرت عثمانؓ کی شہادت، آپ کا اپنے گھر سے ہتھیاروں کے ساتھ اس ملعون اونٹ پر نکلنے سے ہلکی بات ہے کیوں کہ اللہ کی طرف سے پردے میں رہنے اور احترام کو باقی رکھنے کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اس پردے اور حرمت کو آپ نے ختم کر دیا۔ پس جو شخص آپ سے قتال کو جائز سمجھتا ہے وہ آپ کو قتل کرنا بھی جائز سمجھے گا۔ اگر آپ خوشی سے آئی ہیں تو فوراً اپنے گھر واپس چلی جائیں اور اگر زبردستی آپ کو لایا گیا ہے تو لوگوں سے مدد لیں۔

جنگِ حبل کے بعد حضرت علیؓ کے بارے میں حضرت عائشہؓ کا فرمان

ابن جریر نے محمدؐ ظہور کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کے لئے جن چیزوں کی یعنی سواری، سامان اور زادِ راہ کی ضرورت تھی، وہ ہتیا لیں۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھ جو لوگ مکہ سے آئے تھے اور جنگ میں محفوظ رہے تھے۔ ان کو بھی ساتھ کر دیا۔ لیکن جنہوں نے بصرہ میں رہنا پسند کیا۔ انہیں وہیں رہنے دیا گیا۔ بصرہ کی مشہور و معروف چالیس عورتوں کو عائشہؓ کے ساتھ بھیجنے کے لئے منتخب کر لیا۔ پھر محمد بن ابی بکرؓ سے فرمایا کہ اپنی بہن کے لئے کوچ کی تیاری کرو۔

۱۔ تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۸۴۔ تاریخ الکامل جلد ۳ ص ۱۱۰۔

۲۔ تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۷۶۔ تاریخ الکامل جلد ۳ ص ۱۰۹۔ ابن خلدون جلد ۲ الجزء الثانی: ص ۱۵۶۔

حضرت عائشہ صدیقہ کو بھی اطلاع مل گئی تھی۔ چنانچہ جب روانگی کا دن آیا تو حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں رخصت کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے۔ حضرت عائشہؓ باہر تشریف لائیں۔ رخصتی کلمات کہنے کے بعد انہوں نے فرمایا۔

اے میرے بیٹو! ہم جلد بازی میں ایک دوسرے کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ آئندہ ہمارے ان اختلافات کے باعث کوئی شخص ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔ خدا کی قسم میرا اور علیؓ کا شرمع ہی سے اختلاف تھا۔ لیکن یہ اختلاف اس قسم کا تھا۔ جیسا کہ ساس اور داماد کے درمیان ہوتا ہے۔ فی الحقیقت علیؓ میرے نزدیک نیک صالح آدمی ہیں۔

ان کے بعد حضرت علیؓ نے بھی لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

اے لوگو! خدا کی قسم۔ اُمّ المؤمنینؓ نے سچ فرمایا۔ اور نیک بات کہی ہے۔ میرا اور ان کا اختلاف واقعہ اسی قسم کا تھا۔ حضرت عائشہؓ دنیا اور آخرت میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں۔

تجزیہ

جناب رحمت اللہ طارق نے اپنی کتاب میں حضرت عائشہؓ کے بارے میں جو تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔ اسلامی تاریخ میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ بلکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کا معاملہ تھا جو وہ اُمّ المؤمنین ہونے کے ناطے طے کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن خوفناک نتائج دیکھنے کے بعد نہ صرف انہوں نے اپنی ندامت کا اظہار کیا۔ بلکہ حضرت علیؓ اور اپنے بارے میں ہر قسم کی غلط فہمی کو دور کر دیا۔

الوزید الدینی کا بیان ہے کہ جنگ سے فراغت کے بعد حضرت عمارؓ بن یاسرؓ نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا۔ آپ سے پردہ نشینی کا جو عہد لیا گیا تھا۔ آپ کا یہ سفر اس کے کتنا متضاد ہے۔

حضرت عائشہؓ نے پوچھا کیا ابوالیقظان ہو؟ انہوں نے عرض کیا، جی ہاں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم میں یہ جانتی ہوں کہ تو غوب حق کہنے والا ہے۔

عمارؓ نے عرض کیا۔ ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے آپ کی زبان سے میرے لئے اس فیصلے کا اظہار کرایا ہے

کیا سیاسی محاذ آرائی کرنے والوں کا یہی اندازہ ہوتا ہے؟

حضرت زبیرؓ کی جنگ سے علیحدگی

موسنین سے منقول ہے کہ جنگِ جمل کے آغاز سے پہلے جب دو فریق آمنے سامنے کھڑے تھے تو حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کے پاس آئے۔ اور دونوں سے کہا۔ آپ دونوں نے بہت سا شکر، سامانِ حرب اور گھوڑے جمع کر لئے ہیں۔ لیکن یہ تو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کے لئے کونسا عذر آپ نے تیار کر رکھا ہے۔ آپ دونوں اللہ سبحانہ سے ڈرجائیں اور اس عورت کی طرح نہ ہو جائیں جو موت کا تنے کے بعد اسے ریزہ ریزہ کر دیا کرتی تھی۔ کیا میں آپ کا دینی بھائی نہیں ہوں؟ کیا آپ میرا اور مجھ پر آپ کا خون حرام نہیں؟ وہ کونسی وجہ ہے کہ جس کے باعث آپ کے نزدیک میرا خون حلال ہو گیا؟

حضرت طلحہؓ نے جواب دیا۔ آپ نے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی شہادت پر ابھارا تھا۔

حضرت علیؑ نے کہا۔ جس روز اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے دین کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ اور لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حق مبین ہے۔ اے طلحہؓ! آپ حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ فلعن الله قتلة عثمان، عثمان کے قاتلوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ یعنی انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں پر لعنت بھیج کر یہ ثابت کر دیا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں ان کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔

حضرت علیؑ نے حضرت طلحہؓ سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کو میدان میں لے آئے تاکہ ان کی پشت پناہی میں جنگ لڑ سکیں لیکن اپنی بیوی کو گھر میں چھپا آئے۔ پھر انہوں نے حضرت زبیرؓ سے مخاطب ہو کر کہا۔

اے زبیرؓ! کیا آپ کو یاد ہے کہ جس روز آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنی غنم میں گزرے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھ کر ہنسنے اور آپ ان کی طرف دیکھ کر ہنسنے۔ آپ نے کہا تھا کہ ابن ابی طالب اپنے فخر و غرور کو چھوڑتا نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس میں فخر و غرور نہیں بلکہ ایک دن تم اس سے قتال اس حال میں کرو گے کہ تم ظلم کرنا لے ہو گے۔ زبیرؓ نے کہا۔ اللہ کی قسم آپ نے سچ کہا۔ اگر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پہلے یاد آجاتا تو میں یہ سفر نہ کرتا۔ اللہ کی قسم اب میں آپ سے کبھی قتال نہیں کروں گا۔

اس گفتگو کے بعد حضرت زبیرؓ، حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے کہا۔ غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میں اس معاملے میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا، تو آپ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

حضرت زبیرؓ نے عرض کیا:-

اریدان ادعہم واذہب لہ میں لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑنے اور چلے جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

چنانچہ وہ میدان جنگ سے واپس چلے گئے اور عمر بن جرموز نے ان کو نماز کی حالت میں پیچھے سے وارکے شہید کر دیا۔ ابن جرموز نے حضرت علیؓ کی خدمت میں جب حاضر ہونے کی ان الفاظ میں اجازت چاہی۔

استاذن لعاتل الزبیرؓ زبیرؓ کے قاتل کے لئے اجازت چاہو۔

تو حضرت علیؓ نے دربان سے فرمایا:-

اُذْن لہ ولبشرہ بالتاثر لہ اُس کو اجازت دو اور اس کو جہنم کی بشارت دو۔

حضرت ابو بکرؓ کی رعایت کو دس لئے ٹھکرا دیا گیا کہ انہوں نے جنگِ جمل کے موقع پر کہہ دیا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی کہ جس نے اپنا معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور وہ خود جنگ سے الگ رہے۔ لیکن یہاں تو وہ بزرگ جنہوں نے حضرت عائشہؓ کو جنگِ جمل کے میدان میں پہنچا دیا تھا۔ وہ عین لڑائی کے وقت ان سے لٹک کر اس لئے ہو گئے کہ ان کو حضرت علیؓ نے ایک حدیث یاد کرادی۔

ان کے بیٹے عبداللہؓ نے بڑا زور لگایا کہ وہ قسم کا کفارہ دے دیں اور میدان چھوڑ کر نہ جائیں۔ لیکن انہوں نے حضرت علیؓ کے سامنے جو قسم کھائی تھی۔ اُس کو پورا کیا۔ مگر یہ ان کو اپنی جان کی قربانی دینی پڑی، دوسروں نے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ سنن کے بعد اس کو قبول کر لیا۔ لیکن عورت کی سربراہی کی حمایت کرنے والوں نے حدیث کے ساتھ قرآنی تعلیم کو بھی ٹھکرانے کا عزم کر

۱۔ تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۰۰۔ تاریخ الکامل جلد ۲ ص ۱۲۲-۱۲۳۔ ابن خلدون جلد ۲۔ الجزء الثانی: ص ۱۲۱

۲۔ تاریخ طبری: جلد ۲ ص ۲۰۵۔

رکھتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کے خلاف گہری سازش کی حقیقت

جناب رحمت اللہ طارق صاحبؒ آغاز ہی میں ایک غلط مفروضہ قائم کر کے اپنی ساری قوت اس کو ثابت کرنے میں صرف کر دی ہے اپنی غلط بات کو صحیح ثابت کرنے میں صحابی، تابعین اور راویان حدیث کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کرنے میں بڑی دلیری کا مظاہرہ کیا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ جس قوم نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کیا وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھ خاص نہیں تھا۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ جہاں ایرانی حکمران عورتوں کا ذکر کیا۔ وہاں ان کا دفاع کیا اور جب بات عائشہؓ کی طرف پلٹی تو مصداق غلط ہو گیا۔ عربی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے اپنے مشن کو جاری رکھا۔

چنانچہ رحمت اللہ طارق صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ روایت غلط مصداق اور غلط تاویل کے باعث صدیقہ کے خلاف گہری سازش ہے۔ اسے حقوق نسواں کی پامالی کے ضمن میں پیش کرنا افسوسناک علمی خیانت ہے۔

محمد ثین، مفتن بن اور علمائے اُمت کو علمی خیانت کا طعنہ دینے والے شخص نے اپنی کتاب میں جس طرح توڑ چڑھا، صحیح کو غلط اور سچ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی نظر اسلامی تاریخ میں ناپید ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ یوسف بن الحارث کی معرفت وضع کردہ یہ روایت صدیقہؓ کے سیاسی موہف اور اطاعت طلب پولیشن کو کمزور کر دکھانے کے لئے گہری سازش کا کام کر گئی۔ اس سے اسلام کے جمہوری مزاج کی نفی بھی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ سلف صالحین میں جتنے بھی صائب رائے اشخاص تھے۔ حدیث بذا کو عائشہؓ کے مقام منصب اور موقع کو کمزور کرنے کی سازش قرار دیتے تھے۔ شیخ الحدیثین علی بن خلف قرطبی شارح بخاری، امام نے مہتاب ازوی سلمہ کے ذیل کے الفاظ کو بغیر تبصرہ کے نقل کر کے ایک گونہ اپنی رائے کا اظہار

کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں :-

ان ظاہر حدیث ابی بکرؓ نفع کی ظاہر حدیث کا مجموعی تاثر صدیقہ کی
یوہم توہمیں سرآئی عائشہؓ امانت اور آپ کی رائے کی توہین کا غماز
فیما فعلت لہ ہے۔

جناب رحمت اللہ طارق نے انتہائی غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ بقول ان کے تیس ہزار سرفروش تھے لہٰذا جب کہ حضرت علیؓ کے ساتھیوں کی تعداد بیس ہزار تھی۔ اور یہ بھی احادیث میں ثابت نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے جس طرح احف بن قیس کو حضرت علیؓ کا ساتھ دینے سے روکا۔ اسی طرح کسی دوسرے کو انہوں نے حضرت عائشہؓ کا ساتھ دینے سے منع کیا ہو۔ پھر ان کی سیاسی پوزیشن کیسے کمزور ہو گئی؟

جمہوریت

یہ بھی خیال رہے کہ جس جمہوریت کو جناب رحمت اللہ طارق اسلامی کہنے پر مصر ہیں۔ وہ قطعاً اسلامی نہیں۔ کیونکہ جس جمہوریت میں عالم اور جاہل کا ووٹ برابر ہے۔ شرابی، زانی اور زاہد و عابد کے ووٹ میں کوئی فرق نہیں۔ وہ اسلامی نہیں بلکہ شیطانی جمہوریت ہے۔ جو جمہوریت مرد کو مرد اور عورت کو عورت سے شادی کرنے کی اجازت دے۔ اخلاقی قدروں کی بجائے محض دوٹوں کی اکثریت کو اہمیت دے۔ جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قوانین پر عمل کرانے کی بجائے انسانوں کو انسانوں کے

۱۔ فتح الباری، طبع مصر جلد ۱۳ ص ۷۴ تا ۷۵۔

۲۔ عورت اور مسند امارت، ص ۲۳۔

بنائے ہوئے قوانین کا پابند بنائے۔ وہ جمہوریت ان کی ہے کہ جس کے ہاں حیوانی کوئی چیز نہیں۔ شراب، جوئے اور زنا کو میسر نہیں سمجھتے۔ اسلام میں ایسی جمہوریت کی کوئی گنجائش نہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں :-

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ
وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۚ

کہہ دیں کیا وہ لوگ برابر ہیں جو جانتے ہیں
اور جو جانتے نہیں؟

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ
فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ ۚ

”کیا مومن بدکاروں کی طرح ہیں؟
وہ برابر نہیں“

قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ
وَلَوْ آجِبْتِكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ

”کہہ دیں کہ خبیث اور نیکو کار برابر نہیں اگرچہ
خبثت کی کثرت آپ کو تعجب میں ڈال دے“

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ

”اچھائی اور برائی برابر نہیں“

وَمَنْ لَّمْ يُحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۚ

”اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا اس کے مطابق
جو فیصلہ نہیں کرتے وہ فاسق ہیں“

وَمَنْ لَّمْ يُحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ

”اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا اس کے مطابق

۱ سورۃ الزمر : آیت ۹

۲ سورۃ السجدة : آیت ۱۸

۳ سورۃ المائدة : آیت ۱۰

۴ سورۃ حم السجدة : آیت ۳۴

۵ سورۃ المائدة : آیت ۴۷

فَاُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝
وَمَنْ لَّمْ يُحِمْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ
فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝

جو فیصلہ نہیں کرتے وہ ظالم ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا اس کے مطابق
جو فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔

جو جمہوریت ان قرآنی آیات کے تابع ہوگی۔ وہی اسلامی ہوگی۔ لیکن جس جمہوریت کا آج چہر چا
کیا جا رہا ہے۔ جس کی بدولت ایک عورت ملک کی وزیر اعظم بن گئی ہے۔ کیا قرآن کے وضع کردہ اصولوں
کے مطابق ہے۔؟ ظاہر ہے کہ آج کل خباثت کی کثرت اور بُرائی کا زور ہے۔ قرآنی قوانین کی بجائے
انگریزوں کے قانون کو آج بھی ہم سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ لہذا ہمارے ہاں رائج ہونے والی جمہوریت
کو اسلامی قرار دینا درست نہیں۔

جھوٹ اور دھوکہ

پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ اپنے مطلب کا ترجمہ کرنے میں جناب رحمت اللہ طارق خاص
مہارت رکھتے ہیں۔ یہاں بھی انہوں نے اپنا کمال دکھایا۔ چنانچہ فتح الباری میں مطلب کے الفاظ ہیں۔
کہ ظاہر طور پر ابوبکرؓ کی حدیث سے وہم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جو کچھ کیا۔ اس میں
ان کی رائے کمزور تھی۔

اس ترجمہ کے مقابلے میں جو ترجمہ جناب رحمت اللہ طارق نے کیا ہے۔ یہ ان کی مجبوری ہے
کیونکہ انہوں نے غلط مفروضے کو ثابت کرنا ہے۔ انہوں نے یہاں جو یہ بات رقم کی ہے کہ سلف

۱۔ سورۃ المائدہ : آیت ۴۰۔

۲۔ ایضاً : آیت ۴۴۔

صالحین میں جتنے بھی صائب رائے اشخاص تھے۔ حدیثِ بذا کو عائشہؓ کے مقام منصب اور موقف کو کمزور کرنے کی سازش قرار دیتے تھے۔ یہ ایسا جھوٹ اور دھوکہ ہے کہ چودہ سو سال میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

جب سلف صالحین کا جملہ استعمال ہوتا ہے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ جو ہمارے پہلے نیک صالح عالم فاضل متقی پرہیزگار تھے۔ جنابِ رحمت اللہ طارق نے ان میں بھی صائب اور غیر صائب کی تفریق کر دی۔ اور پھر بے مثال بہتان لگا دیا۔

درحقیقت انسان جیسا غور ہوتا ہے۔ ویسے ہی اسے دوسرے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کا اپنا ضمیر اس کا آئینہ ہوتا ہے۔ جنابِ رحمت اللہ طارق نے اپنی کتاب میں گوبلز کا حوالہ دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گوبلز کی ٹیکنیک سے وہ خوب واقف ہیں اور اسی کو انہوں نے استعمال کیا ہے امرِ اقد یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے خلاف کسی کو سازش کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ انہوں نے خود ہی اپنے موقف پر اظہارِ ندامت کر دیا اور حضرت علیؓ نے ان کو ادب و احترام کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچا دیا۔ لیکن اُمّ المؤمنین اور جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوہر مطہرہ کا جو حقیقی منصب تھا۔ اس پر آج نہ آنے دی۔ ان کی شان میں گستاخی کرنے والے اپنے ہی دو ساتھیوں کو فوراً سزا دے دی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے احمد اور بزار کے حوالے سے حسن سند کے ساتھ حضرت ابو رافعؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔

انہ سیکون بینک و بین	عنقریب عائشہؓ اور تمہارے درمیان
عائشہ امر قال اشتقاہم	ایک معاملہ ہوگا۔ علیؓ نے عرض کیا۔ اللہ
یا رسول اللہ قال ولکن	کے رسول! میں ان میں سے زیادہ بد نصیب
اذا کان ذلک فاردها	ہوں گا۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ جب ایسا

الی ما منها لے ہو تو اس کو اس کے گھر لڑا دینا ۱

حضرت علیؓ نے جنگِ جمل کے بعد وہی کیا۔ جس کا حکم ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی مبارک میں دیا تھا۔

جہاں تک عائشہؓ کی رائے کی کمزوری کا تعلق ہے تو حافظ ابن حجرؒ نے وضاحت کی ہے کہ اس سے مراد باقاعدہ لڑائی کرنے کا منصوبہ بنا کر حضرت عائشہؓ بصرہ نہیں پہنچی تھیں۔ بلکہ ان کا مقصد و مطلوب صرف حضرت عثمانؓ کا قصاص تھا۔ اور اس کو وہ اصلاح بنی النّاس سے تعبیر کرتی تھیں۔ لہذا لڑائی میں جو نتیجہ ان کے حق میں نہ نکلا، اس سے یہ وہم نہ ہو جائے کہ ان کی رائے کمزور تھی کیونکہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے اور مروانے کا قطعاً ان کا قصد نہ تھا۔ ویسے بھی تاریخ شاہد ہے کہ حضرت علیؓ اور اصحابِ جمل کے درمیان معاہدہ ہو گیا تھا لیکن حضرت عثمانؓ کے قاتلوں نے اپنے آپ کو بچانے اور مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کرنے کے لئے صلح ہونے سے پہلے لڑائی کروادی۔

فتح الباری میں ابن بطلان کے حوالے سے المہلب سے جو منقول ہے۔ وہ حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو سامنے رکھ کر اخذ کیا گیا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک کی روشنی میں انہوں نے کہا تھا۔

فَعَرَفْتَ اَنْ اَصْحَابَ الْجَمَلِ ”میں نے جان لیا تھا کہ اصحابِ جمل کبھی

لَنْ يَفْلَحُوا لے بھی کامیاب نہیں ہوں گے“

حافظ ابن حجرؒ نے اس وہم کو دور کر دیا۔ جو المہلب کے بیان سے پیدا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ

۱ فتح الباری : جلد ۱۳ ص ۵۵۔

۲ ایضاً : جلد ۱۳ ص ۵۶۔

ان کا کہنا ہے۔

لیس كذلك لان المعروف
من مذهب ابی بکرۃ انه
كان على رأى عائشة في
طلب الاصلاح بين
الناس ولم يكن قصدهم
القتال لكن لما انتشبت
الحرب لم يكن لمن
معها بد من المقاتلة و
لم يرجع ابو بكرۃ عن
رأى عائشة وانما تفرس
بانهم يغلبون لما رأى
الذين مع عائشة تحت
امرهما لما سمع في امر
فارس له

مگر ایسی کوئی بات نہیں۔ اس لئے کہ ابو بکرؓ
کا معروف مسلک بھی حضرت عائشہؓ
کی رائے کے مطابق مسلمانوں کے
درمیان اصلاح کی طلب تھا۔ قتال
کرنا ان کا مقصود نہ تھا۔ لیکن
جب لڑائی شروع ہو گئی اور
جو حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھے۔
ان کو مجبوراً لڑنا پڑا۔ تب
بھی ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ کی
رائے سے رجوع نہ کیا۔ لیکن جب حضرت
عائشہؓ کے ساتھیوں کو ان کے حکم کے
تابع دیکھا۔ تو انہوں نے فارس کے مسلط کے
بارے میں جو سنا تھا اس کی روشنی میں غور کر نیکے بعد
سمجھا کہ (اصحاب جمل) مغلوب ہو جائیں گے۔“

حافظ ابن حجرؒ نے واضح کر دیا کہ عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں کا لڑائی لڑنے کا کوئی ارادہ نہ
تھا۔ لڑائی کے چمٹ جانے کے بعد مجبوراً ان کو لڑائی میں حصہ لینا پڑا۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ اور ان کے

۱۔ فتح الباری: جلد ۳، ص ۵۶۔

ساتھی لوگوں کے درمیان صرف اصلاح کے طلب گار تھے اور حضرت ابو بکرؓ اُن کی رائے اور ارادے کے ساتھ متفق تھے۔ اور رہے یعنی اصلاح کی حد تک تو ان کے ساتھ تھے لیکن لڑائی میں حصہ لینے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس لئے اصلاح کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی جو رائے تھی۔ اس میں کوئی کمزوری تھی حافظ ابن حجرؒ نے مزید وضاحت یوں کی۔

ویدل لذلك ان احدا لم ينقل ان عائشة ومن معها نازعوا عليا في الخلافة ولا دعوا الى احد منهم ليؤلوه الخلافة انما انكرت هي ومن معها علي علي منعه من قتل قتلة عثمان وترك الاقتصاص منهم وكان علي ينتظر من اولياء عثمان ان يتحاكموا اليه فاذا ثبت علي احد بعينه انه ممن قتل عثمان اقص منه فاختلفوا بحسب ذلك وخشي من نسب اليهم بالقتل ان يصطلحوا علي

”اس کی یہ دلیل ہے کہ کسی ایک نے بھی یہ نقل نہیں کیا کہ حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں نے حضرت علیؓ سے خلافت کے بارے میں ان سے جھگڑا کیا اور نہ ہی لوگوں کو دعوت دی کہ ان میں سے کسی ایک کو خلافت کا والی بنالیں۔ حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں کو حضرت علیؓ کے خلاف یہ شکوہ تھا کہ انہوں نے ان کو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو قتل کرنے اور ان سے قصاص لینے سے روکا تھا۔

جبکہ حضرت علیؓ اس انتظار میں تھے کہ حضرت عثمانؓ کے دشمن ان کے پاس قصاص کا معاملہ لے کر آئیں جب کسی ایک کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ وہ ان میں سے تھا۔ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا تھا تو وہ

قتلہم فانشبوا الحرب
بینہم الی ان کان ما کان
فلما انتصر علی علیہم
حمد ابوبکرۃ رأیۃ
ف ترک القتال
معہ وان رأیۃ
کان موافقا لرأی
عائشۃ ف الطلب
بدم عثمان لہ

اس سے قصاص لیں پس انہوں نے اسی طرح اختلاط
کیا اور جن کی طرف حضرت عثمانؓ کے قتل کی نسبت کی
جاتی تھی۔ ان کو خطرہ ہوا کہ کہیں فریقین ان سے قصاص
لینے پر صلح نہ کر لیں لہذا انہوں نے فریقین کے درمیان
لڑائی چھیڑ دی جس کا نتیجہ جو ہونا تھا وہ ہوا۔
جب حضرت علیؓ اصحابِ جمل پر غالب آ گئے تو ابوبکرؓ نے
قتال سے الگ رہنے والی اپنی رائے کو سراہا۔ اگرچہ
ان کی رائے حضرت عثمانؓ کے قصاص کے
مطالبے میں حضرت عائشہ کی رائے کے موافق تھی

حضرت ابوبکرؓ کی قتال سے الگ رہنے کی وجہ

حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں عرض کیا چکا ہے کہ جنگِ جمل کے موقع پر انہوں نے احنف
بن قیس کو لڑائی میں حصہ لینے سے روکتے وقت ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک
سنایا تھا کہ جب جو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے ٹکراتے ہیں تو دونوں
جہنم کا ایندھن بن جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ہی ارشادِ مبارک حضرت انسؓ اور
حضرت ابوموسیٰؓ سے بھی مروی ہے۔

۱ فتح الباری: جلد ۱۳ ص ۵۶

۲ ابن ماجہ کتاب الفتن: ص ۳۸۵۔ الثانی: کتاب الحماۃ: ص ۱۰۹۔

اسی سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو فرمایا تھا۔ اس کے راویوں میں سے ایک راوی حضرت ابو بکرؓ بھی ہیں۔

چنانچہ ان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن ہم سے خطاب فرمایا اور آپ نے دریافت فرمایا۔ یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ پھر آپ خاموش رہے کہ یہاں تک ہم نے خیال کیا کہ آپ اس دن کا جو نام ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور نام اس کا رکھیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا یہ قربانی کا دن نہیں؟ ہم نے عرض کیا، جی ہاں۔ آپ نے دریافت فرمایا، یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے عرض کیا۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ پھر آپ خاموش رہے۔ ہم نے خیال کیا کہ اس مہینے کے نام کے علاوہ کوئی اور نام اس کا رکھیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا یہ ذوالحجہ نہیں؟ ہم نے عرض کیا۔ جی ہاں۔

آپ نے دریافت فرمایا۔ یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا شہر حرام نہیں؟ ہم نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا۔

فان دماءکم و اموالکم

”بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال ایک دوسرے

علیکم حرام کحرمۃ

پر تمہارے اس دن کی حرمت کی طرح تمہارے اس

یومکم هذا فی شہرکم

مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں اس دن تک حرام

هذا فی بلدکم هذا

ہیں جب تم اپنے رب سے ملو گے۔ کیا

الی یوم یلقون ربکم

میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ صحابہؓ نے

الاہل بلغت قالوا نعم

عرض کیا۔ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا۔

قال اللهم اشهد فليبلغ
الشاهد الغائب فريت
مبلغ اوعى من سامع
ولا ترجعوا بعدى
كفارا يضرب بعضكم
رقاب بعض له
”اے اللہ! گواہ رہنا جو یہاں موجود ہے
وہ اُس تک پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں کیونکہ
اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس تک بات پہنچائی جاتی ہے
وہ سننے والے سے زیادہ یاد کرنے والا ہوتا ہے۔
اور میرے بعد تم پھر کافر نہ ہو جانا کہ بعض تمہارے
بعض کی گردنیں مارتے پھریں“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صحابی ایسی احادیث کے راوی ہوں کہ جن میں مسلمانوں کو آپس
میں ٹکرانے سے منع کیا گیا ہو۔ وہ خود مسلمانوں کے درمیان ہونے والے قتال میں کس طرح حصہ لے
سکتے تھے۔

امام بخاریؒ نے ان کے بارے میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ابن الحضرمی کو جاریہ بن قدامہ نے
جب جلا دیا۔ تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابو بکرؓ کو دیکھو گھر میں ہیں؟ ساتھیوں نے جواب
دیا کہ ابو بکرؓ یہ ہیں تو تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

ان کے بیٹے عبدالرحمن کا قول ہے۔ میری ماں نے ابو بکرؓ سے بیان کیا کہ انہوں نے کہا تھا۔
لو دخلوا علی ما بہشت
بقصبة له
اگر وہ مجھ پر داخل ہوتے تو میں بانس کے
ساتھ بھی اپنا دفاع نہیں کروں گا۔“

۱۔ صحیح البخاری: کتاب المناسک، ص ۲۳۲-۲۳۵۔ کتاب الامناعی: ص ۸۳۳۔ کتاب الفتن: ص ۸۸
صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب القسامۃ: ص ۶۰-۶۱۔ مستدرج: جلد ۵، ص ۴۹۔

۲۔ صحیح البخاری: کتاب الفتن: ص ۸۸-۸۹۔

حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی اور علامہ کرمانی نے اس واقعہ کی شرح میں نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ابن حضرمی کو حضرت علیؓ کے خلاف لوگوں کے اُتارنے کے لئے بصرہ بھیجا۔ حضرت علیؓ کو جب پتہ چلا، تو اُنہوں نے جاریہ بن قدامہ کو اس کے مقابلے میں روانہ کیا۔ اس نے بصرہ آکر ابن حضرمی اور اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا۔ جو اپنی جانیں بچانے کے لئے ایک گھر میں داخل ہو گئے۔ جاریہ نے اس گھر کو آگ لگا دی۔ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینی کے مطابق اس گھر میں چالیس یا ستر لوگ تھے۔ اس کام کے بعد اس نے ابوجبرہ کے گھر کا قصد کیا۔ جب حضرت ابوجبرہؓ نے اس کو دیکھا اور ان کا خیال تھا کہ وہ ان کے گھر میں بھی داخل ہو جائے گا۔ اس وقت اُنہوں نے یہ کہا تھا کہ اگر یہ مجھ پر حملہ کرنے کا تو میں اپنا دفاع ایک معمولی سے بانس سے بھی نہیں کروں گا۔

عثمان بن الشحام سے بھی مروی ہے کہ میں اور فرقہ ابسنی حضرت ابوجبرہؓ کے بیٹے مسلم کی طرف گئے اور وہ اپنی زمین میں تھے۔ ہم نے اُن کے پاس پہنچ کر پوچھا، کیا فتنہ کے بارے میں آپ نے اپنے باپ سے کوئی حدیث سنی۔ اُنہوں نے کہا ہاں۔ میں نے ابوجبرہؓ کو سنا۔ اُنہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عنقریب فتنے ہوں گے۔ آگاہ ہو جاؤ۔ پھر فتنے ہوں گے۔ پس ان میں بیٹھے والا چلنے والے بے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔

سنو! جب فتنوں کا وقت آجائے یا جب فتنے واقع ہو جائیں تو جس کے پاس اُونٹ ہیں۔ وہ اپنے اُونٹوں میں چلا جائے۔ جس کے پاس بکریاں ہیں وہ اپنی بکریوں میں چلا جائے۔ اور جس کی کوئی زمین ہو وہ اپنی زمین میں چلا جائے۔

ایک شخص نے عرض کیا۔ اللہ کے رسول! اگر کسی کے اُونٹ، بکریاں اور زمین نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا۔

وہ اپنی تلوار لے اور اس کو پتھر پر مار کر توڑ دے۔ اگر بیچ سکتا ہے تو بیچ جائے۔ پھر آپ نے فرمایا۔
اے اللہ! کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا۔ اے اللہ! کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا۔ اے اللہ!
کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا۔

ایک شخص نے عرض کیا۔ اللہ کے رسول! اگر مجھے دو صفوں یا دو جماعتوں میں سے کسی ایک کی
طرف زبردستی لے جایا جائے۔ پھر کوئی شخص مجھے اپنی تلوار سے قتل کر دے یا میں تیرا نشانہ بن جاؤں،
آپ نے فرمایا۔ وہ اپنے اور تیرے گناہ کے ساتھ لوٹے گا اور وہ جہنم میں سے ہو گا۔
ظاہر ہے کہ ایسی احادیث کا راوی اپنے آپ کو کسی فتنے میں کیسے ملوث کر سکتا تھا۔ جب فتنہ
ان کے دروازے تک پہنچ گیا۔ تب بھی انہوں نے اپنے دفاع کا پروگرام نہ بنایا۔ بلکہ اپنے آپ کو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔

اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے واضح کر دیا کہ مسلمانوں کے درمیان قتال کے جوازیں وہ حضرت علیؓ اور
حضرت عائشہؓ کی رائے سے متفق نہ تھے کیوں کہ وہ ایسے قتال کو اصلاً جائز نہ سمجھتے تھے اور قتال سے
رُکنے والی ان کی رائے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، محمد بن مسلمہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ وغیرہم کی موافقت میں تھی۔
یہی وجہ ہے کہ جنگ صفین میں بھی انہوں نے حضرت علیؓ یا حضرت معاویہؓ دونوں میں سے کسی ایک کا
ساتھ نہ دیا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے درمیان اصلاح کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی جو رائے تھی اس
سے وہ اتفاق کرتے تھے۔

صحابی اور عظیم محدث پر بہتان

حضرت عائشہؓ کی رائے کے بارے میں مہلب نے جس دہم کا ذکر کیا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے

۱۔ صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب الفتن: ص ۳۸۹۔ مسند احمد: جلد ۵ ص ۴۸۔

۲۔ فتح الباری: جلد ۱ ص ۵۶۔

فتح الباری میں بڑے احسن انداز میں اس کو قُعد کر دیا۔ لیکن جناب رحمۃ اللہ طارق نے سیاق و سباق سے بے نیاز ہو کر لکھ دیا تو قرطبی اور مہلب کا یہ بے لاگ تبصرہ کچھ لوگوں کو ناگوار ضرور گزرا ہو گا لیکن پوشیدہ حقائق کو جھٹلانے کی جہت کسی میں بھی نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ حدیث بذاتِ حضرت اپنی وضع و ساخت کے لحاظ سے سیاسی ہے اور ایک سیاسی حادثے کے ظہور پذیر ہونے پر مارکیٹ میں ”یافت“ ہوئی۔ راولوں کے سیاسی مسلک کی منو میں بھی وضعی اور سیاسی ہے۔

قرطبی ابن بطلال اور مہلب ازودی نے زیرِ بحث روایت کے بارے میں جو متوازن رائے قائم کی تھی۔ ابن حجر اس پر خطا ہیں اور بخاری کا دفاع کرتے ہوئے ذیل کی تاویل کرتے ہیں۔

ابن بطلال اور مہلب کی رائے کوئی وقعت نہیں رکھتی کیونکہ نفع بن المارث عائشہؓ ہی کی طرح صلیح پسند اور اصلاح بین الناس کے مسلک پر عامل تھے (فتح الباری)

سوال یہ ہے کہ نفع بن المارث صلیح پسند اور اصلاح بین الناس کی حامل تھیں۔ اور اس حدیث نفع بھی ہم آہنگ تھے۔ تو پھر کیا افتاد پر گئی کہ اپنے ہم خیال کے موقف کو زک پہنچانے کے لئے ایک ایسی خبر لے آئے جس کا آج سے پہلے نہ وجود تھا اور نہ آگئی۔ تاہم اگر نفع بن المارث کے لئے کوئی نرم گوشہ رکھنا ہی ضروری ہے تو بھی قانونِ شہادت کی رو سے نفع بن المارث کی شہادت مردود ہے۔ کیونکہ اس نے غیر بن شعبہ سے تہم پر ناحق ناروا گھناؤنی تہمت لگائی اور ثبوت پیش نہ کر سکے۔ جس پر فاروق اعظم نے (نور۔ ۴) کے مطابق آئندہ کے لئے اس کی گواہی کو مسترد کر دیا اور انہی کوڑے رسید کر دیئے۔

صحابہ کی عدالت

جناب رحمۃ اللہ طارق کے اندازِ تحریر سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حدیث اور محدثین کا

ان کے دل میں کتنا احترام ہے۔ وہ موجودہ دور میں عورت کی سربراہی کو ثابت کرنے کے لئے حضرت عائشہؓ کے واقعہ کو وہی دنگ دینے کی کوشش کر رہے ہیں جس کے لئے آج وہ اور ان کے ساتھی کوشاں ہیں حالانکہ احادیث اور تواریخ میں کہیں یہ بات منقول نہیں کہ حضرت عائشہؓ سیاسی قیادت کے حصول کی دعویدار تھیں۔ یا انہوں نے اس کے لئے کوئی تحریک چلائی تھی۔ بلکہ قصاص کا اتفاقی حادثہ ان کو میدان میں لے آیا۔ علمی دیانت کا یہ حال ہے کہ فتح الباری میں مہلب کی رائے کو ابن بطل نقل کرنے والے ہیں۔ رائے دینے والے نہیں۔ اسی طرح قرطبی کا بھی کوئی ذکر نہیں۔ اوپر سے حافظ ابن حجرؒ جیسے عظیم محدث پر خفا ہونے اور بخاریؒ کا دفاع کرنے کا ہمتان بھی لگا دیا۔ جب انسان کو جھوٹ کہنے میں کوئی کراہت محسوس نہیں ہوتی تو پھر وہ گوبلر بننے میں کوئی عیب نہیں سمجھتا۔

لیس كذا لك کا ترجمہ عربی دان (ایسا نہیں ہے) کرتے ہیں جب کہ رحمت اللہ علیہ رقی صاحب نے اپنی مرضی سے جو چاہا کر دیا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نفع بن الحارث پر جھوٹی خبر لانے کا الزام لگا دیا۔ یعنی نموذ باللہ وہ جھوٹے تھے حالانکہ اُمرتِ محمدیہ کے ائمہ و علماء کے نزدیک یہ مسلمہ اصل ہے۔

”ہر وہ حدیث جس کی سند نبی کریم	كل حدیث اتصل اسنادہ
صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے راویوں کے	بین من رواہ و بین
درمیان متصل ہو۔ اس پر اس وقت عمل	التبئی صلی اللہ علیہ وسلم
ہوگا جب اس کے رجال کی عدالت	لم یلزم العمل به الا
ثابت ہو جائے۔ اور جو صحابی رسول اللہ	بعد ثبوت عدالة رجاله
صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع بیان کرتے	و یجب النظر فی احوالهم
ہوں تو ان کے علاوہ تمام راویوں کے	سوی الصحابی الذی رفعہ

الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم لان عدالة الصحابة
ثابتة معلومة بتعديل الله
لهما واخباره عن طهارتهما
واختيارهما في نص القرآن -
حالات کو دیکھنا واجب ہو جاتا ہے۔
کیونکہ صحابی کی عدالت معلوم اور ثابت
اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے
عادل ہونے اور انکی طہارت کی خبر دی ہے اور
قرآنی آیات میں ان کی فضیلت بیان کی ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ
تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے
پیدا کی گئی۔

كَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً
وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ
عَلَى النَّاسِ
” اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت
بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو
جاؤ۔“

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ
الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ
تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ
مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ
السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَ
” اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو
گیا۔ جب وہ آپ سے درخت کے نیچے
بیعت کر رہے تھے اُس نے وہ جان لیا
جو ان کے دلوں میں تھا۔ پس اس نے
ان پر سکنت نازل فرمائی اور ان کو قریبی

۱۔ سورہ آل عمران - آیت ۱۱۰

۲۔ سورہ البقرة - آیت ۱۴۳

فتح عطا فرمائی۔

”مہاجرین اور انصار میں سے پہلے سبقت لے جانے والوں اور ان کے ساتھ جنہوں نے ان کی اچھی طرح پیروی کی۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔“

”اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ اور مومنین میں سے جنہوں نے آپ کی اتباع کی۔ آپ کے لئے کافی ہیں۔“

”(اور مال فہ) اُن فقیر مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے۔ اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضوان کے طالب ہیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتے ہیں۔ وہی لوگ سچے ہیں۔“

أَشَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝
وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ
الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ
وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا
عَنْهُ ۝

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ
اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ
الْمُؤْمِنِينَ ۝

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ
أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالُهُمْ
يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا
وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ
هُمُ الصَّادِقُونَ ۝

- ۱ سورۃ الفتح : آیت ۱۸
۲ سورۃ التوبۃ : آیت ۱۰۰
۳ سورۃ الانفال : آیت ۶۲
۴ سورۃ الحشر : آیت ۸

امام خطیب بغدادیؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ اور عمر بن حصینؓ (جنگِ جمل میں انہوں نے بھی حصہ نہیں لیا تھا حالانکہ بصرہ میں موجود تھے) سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

خیر امتی قرنی - خیرکم
 قرنی - خیر الناس قرنی
 ثم الذین یلونہم
 ثم الذین یلونہم
 ”میری امت میں بہترین میرا زمانہ ہے تم میں سے
 بہترین میرا زمانہ ہے۔ لوگوں میں سے
 بہترین زمانہ میرا ہے۔ پھر میرے صحابہؓ
 اور پھر تابعینؓ کا۔“

صحابہؓ کی فضیلت کو اجاگر کرنے کے لئے مزید احادیث نقل کرنے کے بعد امام خطیب بغدادیؒ نے فیصلہ دیا ہے۔

کہ تمام علماء اور فقہاء میں سے جس کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ ان سب کا یہی نزدیک یعنی تمام صحابہؓ عدل تھے اور ان میں سے کسی ایک کی بھی عدالت مشکوک نہیں۔
 امام ابو زر عہد سے مروی ہے۔

إذا رایت الرجل ینتقص
 احدا من اصحاب رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم
 فاعلم انه زندیق وذلک
 ان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
 ”جب تو کسی آدمی کو دیکھے کہ وہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ
 میں سے کسی ایک کی عیب جوئی کر
 رہا ہے۔ تو جان لے کہ وہ زندیق ہے
 اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حق والقرآن حق وانما حق ہیں اور قرآن حق ہے۔ بے شک
 اری الینا هذا القرآن والسنن یہ قرآن اور سنن رسول اللہ صلی اللہ
 اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے ہم تک پہنچایا ہے یہ لوگ
 علیہ وسلم وانما یریدون ارادہ رکھتے ہیں کہ ہمارے گواہوں کو مجروح
 ان یجرحوا شہودنا لیبطلوا کریں تاکہ کتاب و سنن کو باطل کر دیں۔ لہذا
 الکتاب والسنن الجرح ان کو مجروح کرنا اولیٰ ہے۔ کیوں کہ وہ
 بہم اولیٰ وہم زنادقة^۱ زنادق ہیں۔

زندیق اُس شخص کو کہتے ہیں جو بے دین اور بد اعتقاد ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جن کے باطن میں
 کفر ہو لیکن ظاہر طور پر اپنے آپ کو اہل ایمان میں سے ظاہر کرے لے
 ائمہ کرامؒ نے خود ایسے اصول وضع کئے ہیں کہ جن سے حدیث کی پرکھ کی جاتی ہے جو حدیث
 ان کے معیار کے مطابق نہیں ہوتی وہ ان کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ لیکن جس صحابیؓ سے اس
 حدیث کو منسوب کیا جاتا ہے اُن کے بارے وہ زبان استعمال نہیں کی جاتی جو کہ رحمت اللہ
 طارق اور یفیع اللہ شہاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القد صحابیؓ کے بارے میں
 استعمال کی ہے۔ حیرت ہے کہ کسی نے آج تک ان کا نوٹس نہیں لیا۔

حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرنے کہ اس نے مغیرہ بن شعبہؓ سے
 پرنا حق و ناروا گھڑاؤنی تہمت لگائی۔ یہ الفاظ کسی بھی تاریخ اور حدیث کی کتاب میں موجود نہیں۔

۱ الکفایۃ فی علم الروایۃ : ص ۲۶-۲۷-۲۸-۲۹۔

۲ المنجد : لفظ الزندیق والزندقۃ - لسان العرب جلد ۱۰ ص ۱۲۴۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیؓ کے بارے میں اصل واقعہ نقل کرنے والوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تو آج ایک شخص اس کی جرات کیوں کر رہا ہے؟ اس واقعہ کے بعد خلفائے راشدین کے نزدیک جب ان کی عزت میں کوئی فرق نہ آیا اور بعد میں ان کی اولاد کو اچھے عہدوں پر فائز کیا گیا۔ محدثین نے ان کی روایات کو قبول کیا۔ امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ جیسے محدث اور امام مسلمؒ نے ان کی روایت کردہ احادیث کو صحیحین میں نقل کیا۔ تو ظاہر ہے کہ آج جو حضرت ابو بکرؓ کی تنقیص کرنے والے ہیں۔ وہ درحقیقت تمام ائمہ حدیث کی توہین کر رہے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ کا اصل واقعہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے تائب ہونا اس لئے پسند نہ کیا تا کہ وہ پھر کبھی کوئی گواہی نہ دیں۔ جہانگیر تہمت کا تعلق ہے تو اس کی بھی وضاحت ہو چکی ہے کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے ایک فصل دیکھا اور ساتھیوں کو دکھایا لیکن سچاپان میں غلط فہمی ہو گئی۔ اس کو گھناؤنی تہمت کہنا۔ سراسر ظلم اور صحابیؓ کی شان میں گستاخی ہے۔

قانونِ شہادت

جناب رحمت اللہ طارق کا کہنا ہے کہ قانونِ شہادت کی رو سے نفع کی شہادت مردود ہے۔ کیوں کہ اُس نے مغیرہ بن شعبہؓ سے پر ناحق و ناروا گھناؤنی تہمت لگائی اور ثبوت پیش نہ کر سکے۔ جس پر فادوق اعظمؒ نے (نور - ۴) کے مطابق آئندہ کے لئے اس کی گواہی کو مسترد کر دیا۔ اور انہی کوڑے بھی رسید کر دیئے۔

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ اور آپ کی دبستان کے تمام فقہاء امام سفیان ثوریؒ رحمہم اور حسن بن صالح رحمہم اللہ ایسے شخص کی گواہی علی الاطلاق مسترد کر دیتے ہیں۔ جو حدِ قذف کا سزا یافتہ ہو۔

خواہ تائب ہو چکا ہو۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اس وضاحت کے بعد ابن حجرؒ کا ذہن صاف ہو چکا ہوگا۔ اور جس اضطراب دُلوں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اس سے نجات مل گئی ہوگی۔ ابن حجرؒ سے صرف اتنی شکایت ہے کہ وہ جتنا ابوبکرؓ فیض بن الحارث کی پاکی و اماں کے لئے مضطرب تھے کہ اتنی ترپ اور اضطراب کا اظہار صدیقہ بنت صدیقؓ کے لئے بھی کرتے۔ یہ یاد رہے کہ قرآن کے باوصف زیر بحث کی وضع و تراش کے ذمہ دار ابوبکرؓ نہیں ہو سکتے جس صاحب نے آپؐ کو اک پلاٹ کیا۔ آگے چل کر اس کی نشاندہی کر دی گئی ہے لے

جناب رحمت اللہ طارق کے مطابق چونکہ حضرت ابوبکرؓ پر حد قذف لگی تھی۔ اس لئے ان کی سعادت قابل قبول نہیں ہوگی۔ اس پر انہوں نے ائمہ احناف کے مسلک کا بھی حوالہ دیا ہے پھر حافظ ابن حجرؒ عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہوتے ہیں۔ گویا کہ وہ ان کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ پھر ان پر طوفانی کا الزام بھی لگا دیا جاتا ہے اہ یہ بھی لکھ دیا کہ ابن حجرؒ کا ذہن صاف ہو چکا ہوگا۔

یہ سب کچھ محنت کی سربراہی کو ثابت کرنے کے جنون کا نتیجہ ہے۔ قرآن پاک کی جس سورۃ کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ اس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ
ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِمَرْجِعَةٍ شَهَادَةٍ
فَأَجْلَدْنَاهُمْ ثَمَانِينَ
جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ
شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ
”جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت
لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کر
سکیں تو انہیں انتہی کوڑے لگائیں اور
کبھی ان کی گواہی قبول نہ کریں
اور وہ لوگ فاسق ہیں۔ مگر

هُمْ الْفَاسِقُونَ • اَلَّذِيْنَ جَرَّوْكَ اسَ كَ بَعْدَ تَوْبَةٍ كَرَّيْٓسَ

تَابَوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا اور اصلاح کریں تو اللہ تعالیٰ بڑا

فَاتَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۛ

پہلی آیت میں ہے کہ تہمت لگانے والوں کی شہادت قبول نہ کریں۔ دوسری آیت میں واضح کر دیا گیا۔ اگر وہ توبہ کر لیں تو اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی اگر وہ تائب ہو جائیں تو ان کی گواہی قبول کر لی جائے۔

اسی لئے حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے ساتھیوں سے تائب ہونے کے لئے کہا۔ ان کے دو ساتھیوں نے عمر فاروقؓ کی بات مان لی۔ لیکن ابوبکرؓ نے مستقبل میں گواہی سے بچنے کے لئے خود ہی تائب ہونا پسند کیا۔ جیسا کہ مؤرخین نے نقل کیا ہے لیکن اس واقعہ کو دلیل بنا کر ابوبکرؓ سے مروی روایات کو جو صحت کے اعتبار سے محدثین کے معیار پر پوری اُترتی ہو۔ ان کو ٹھکرایا نہیں جاسکتا۔ اگرچہ وہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی ہوں۔ کیونکہ عام معمولات میں شہادت اور احادیث دو مختلف چیزیں ہیں۔

اگر کہا جائے کہ احادیث کی روایت کا معاملہ تو عام معمولات میں شہادت سے بہت اُونچا ہے۔ اس لئے جس شخص کی شہادت عام معمولات میں قابل قبول نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی روایت کیوں کر مقبول ہو سکتی ہے؟

یہ اصول ظاہر طور پر بڑا مناسب دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ جو شخص عام معمولات میں جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہے۔ کسی پر تہمت لگاتا ہے۔ اس کا کردار اسلامی

تعلیم کے مطابق نہیں ہوتا تو واقعہ اسلام کی گواہی کو مسترد کر دیتا ہے۔ لیکن روایت میں یہ معاملہ نہیں، محدثین کے نزدیک حدیث کا راوی اگر اچھا نیک صالح مسلمان ہے جو اسلامی تعلیم کے مطابق زندگی گزارنے کا عادی ہے۔ حافظہ کا مضبوط، درایت اور روایت میں نسیانیت کا ترکب ہو تو بالا نہیں۔ تو ایسے راوی کی روایت کو قبول کر لیا جاتا ہے۔

صحابہ کی روایات کے بارے میں محدثین نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ امام خطیب بغدادی کے الفاظ میں پہلے عرض کر دیا گیا ہے۔ یہی بات ابو بکر کی تہمت کی تو اس کو سمجھنے کے لئے ایک اور واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ پر تہمت

غزوہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی انواع مطہرات کے بارے میں قرعہ ڈالتے۔ جس زور مطہرہ کا قرعہ نکلتا، اس کو اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے۔ ایک غزوہ (غزوہ بنی مصطلق) کے موقع پر آپ نے قرعہ ڈالا۔ تو میرا نام نکل آیا۔ پس میں آپ کے ساتھ روانہ ہوئی اور یہ واقعہ حجاب کے نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ چنانچہ میں اپنے ہودج میں سوار رہتی اور جب اترتی تو اسی سمت اتاری جاتی۔ ہم اسی طرح سفر میں رہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس لوٹے۔ واپسی میں جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو ایک رات آپ نے کوچ کا حکم دے دیا۔ جب کوچ کی تیاری ہو گئی تو فضلہ حاجت کے لئے میں شکر سے دُود نکل گئی۔ فارغ ہو کر جب اپنی سواری کی طرف لوٹ رہی تھی تو ظفار کے نیگنوں کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا۔ میں اپنے ہار کو تلاش کرتی رہی جس میں کچھ وقت لگ گیا۔ اتنے میں وہ لوگ میری سواری کے پاس آئے جو میرے

ہودج کو اٹھا کر میرے اس اونٹ پر رکھا کرتے تھے۔ جس پر میں سوار ہوا کرتی تھی۔ انہوں نے میرے ہودج کو اٹھایا اور اس اونٹ پر رکھ دیا۔ انہوں نے خیال کیا کہ میں اس میں موجود ہوں۔ ویسے بھی ان دنوں عورتیں ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں۔ ان کے جسموں پر زیادہ گوشت نہ ہوا کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تھوڑا کھانا کھایا کرتی تھیں۔ اس نے ہودج اٹھانے والوں کو اس کے ہلکے پن کا خیال نہ آیا۔ جب انہوں نے ہودج کو اٹھایا۔ ویسے بھی ان دنوں میں پھوٹی عمر کی ایک لڑکی تھی۔ انہوں نے میرے اونٹ کو اٹھایا۔ اور پل پڑے۔ جب سارا لشکر کوچ کر گیا۔ تب مجھے میرا بار ملا۔ جب لشکر کے ٹھہرنے کی جگہ پر آئی تو دیکھا کہ وہاں نہ کوئی بلاسنے اور نہ ہی کوئی جواب دینے والا ہے۔ پس میں اسی جگہ پر چلی آئی۔ جہاں میں اُتری تھی۔ میں نے خیال کیا کہ لشکر کے لوگ جب مجھے گم پائیں گے تو اسی جگہ لوٹ کر آئیں گے۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ نیند نے مجھ پر غلبہ کیا اور میں سو گئی۔

حضرت صفوان بن معطل المسلمی الزکوانی لشکر کے پیچھے پیچھے چلے آنے پر مقرر تھے۔ وہ رات سفر کرتے ہوئے صبح کے وقت میری جگہ پر پہنچے۔ دور سے ان کو ایک سوتا ہوا انسان نظر آیا۔ جب میرے پاس پہنچے تو انہوں نے مجھے پہچان لیا۔ کیوں کہ پردے کے حکم کے نزول سے پہلے مجھے دیکھا کرتے تھے۔ جب انہوں نے مجھے پہچان کر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا تو ان کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے فوراً اپنے چہرے کو اپنی چادر سے ڈھانپ لیا۔

اللہ کی قسم! انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی اور نہ ہی میں نے ان کے منہ سے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے سوا اور کوئی بات سنی۔ انہوں نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا۔ اس کے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھا اور میں اس پر سوار ہو گئی۔ وہ مجھے لئے ہوئے چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم لشکر میں اس وقت پہنچے جب وہ شدت کی گرمی کی وجہ سے دوپہر کے لئے رُکے تھے پس ہلاک ہوا جس نے ہلاک ہونا تھا اور تہمت کا مسئلہ اٹھانے والا عبد اللہ بن ابی تھا۔ ہم مدینہ

پہنچے اور مدینہ اگر میں ایک مہینہ بیمار رہی۔ لوگ تہمت لگانے والوں کی بات کا چرچا کر رہے تھے۔ اور مجھے کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ پہلے جب کبھی میں بیمار ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت و مہربانی اُس حال میں دیکھا کرتی تھی۔ وہ مجھے اب نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس سے تھوڑا سا مجھے شک ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لاتے۔ سلام علیکم کہتے پھر دریافت فرماتے تم کیسی ہو؟ اس کے بعد لوٹ جاتے اور حقیقتِ حال کا مجھے پتہ نہ چلتا۔

بیماری کی وجہ سے ابھی میں کمزور تھی کہ امِ مسطح کے ساتھ رفعِ حاجت کی جگہ گئی۔ وہی ہماری قضائے حاجت کی جگہ تھی۔ اپنے گھروں کے نزدیک ٹٹیاں بنانے سے پہلے کی بات ہے۔ اس لئے ہم رات کے وقت تھنائے حاجت کے لئے جایا کرتی تھیں۔ ہمارا معاملہ پہلے عربوں کی طرح تھا۔ چنانچہ ہم جنگلوں میں جا کر اپنی حاجت سے فارغ ہوا کرتی تھیں۔ اپنے گھروں کے پاس ٹٹیاں بنانے کی وجہ سے ہمیں تکلیف ہوا کرتی تھی۔

امِ مسطح جو ابوہریرہ بن عبد مناف کی بیٹی تھیں۔ جن کی ماں صحیر بن علیہ کی بہن تھیں اور وہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی خالہ تھیں۔ اُن کے ساتھ میں رفعِ حاجت کے لئے لے گئی۔ جب فارغ ہوا کہ ہم گھر کی طرف آ رہی تھیں تو اس کا پاؤں اس کی چادر میں اُلجھ کر پھیلا۔ تو امِ مسطح نے کہا۔ مسطح! بلاک ہو جائے۔ میں نے کہا۔ آپ نے بہت بُری بات کہی۔ آپ اس کو بُرا کہہ رہی ہیں جو جنگِ بدر میں شریک نہ ہوا۔ اُس نے کہا۔ اے بھولی بھالی لڑکی! تو نے نہیں سنا جو اُس نے کہا ہے۔ میں نے پوچھا۔ اس نے کیا کہا ہے؟ تو امِ مسطح نے مجھے تہمت لگانے والوں کی بات بتا دی۔ میں تو پہلے ہی بیمار تھی۔ یہ بات سُننے کے بعد میری بیماری اور بڑھ گئی۔ جب میں گھر واپس آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ آپ نے سلام کر کے میرا حال پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ مجھے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت دیتے ہیں؟ عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں

چاہتی تھی کہ ان سے اس خبر کے بارے میں تصدیق کر لوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دے دی اور میں اپنے والدین کے پاس چلی آئی۔

میں نے اپنی ماں سے کہا۔ اے اماں! لوگ میرے بارے میں کیا باتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا۔ اے بیٹی! اپنے آپ پر نرمی کرو۔ اللہ کی قسم! بہت کم ایسا ہوا ہے کہ کوئی خوبصورت عورت کسی مرد کی بیوی ہو اور وہ اس سے محبت کرتا ہو۔ اور اس کی سونکھیں بھی ہوں۔ پھر وہ اس پر دباؤ نہ ڈالیں۔

میں نے کہا۔ سبحان اللہ! لوگوں نے اس بات کا چرچا بھی کر دیا۔ عائشہؓ سے مردی ہے کہ وہ رات میں نے مدد کر گزار دی۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ نہ مجھے نیند آتی تھی۔ اور نہ ہی آنسوڑکتے تھے۔ صبح بھی میں روتی رہی۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب اور اسماءؓ بن زید کو بلایا۔ آپ ان سے اپنی بیوی کو چھوڑنے کے بارے میں مشورہ کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ وحی نازل ہونے میں دیر ہو گئی تھی۔

عائشہؓ کا قول ہے کہ اسماءؓ بن زید نے وہی مشورہ دیا۔ جو وہ آپ کی بیوی کے بارے میں ایسی باتوں سے پاک ہونے اور اپنے دل میں ان کا احترام رکھنے کی وجہ سے جانتے تھے۔ انہوں نے عرض کیا۔

اللہ کے رسول! بھلائی کے سوا وہ کچھ نہیں جانتے۔

علیؓ نے مشورہ دیا۔ اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ پر عورتوں کی تنگی نہیں رکھی عائشہؓ کے سوا اور بھی بہت سی عورتیں ہیں۔ اگر آپ لونڈی سے پوچھ لیں تو وہ آپ کو سچی بات بتا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو بلایا اور آپ نے فرمایا۔ اے بریرہ کیا تو نے کوئی بات دیکھی جس سے تجھے شک ہو۔؟

بریرہ نے عرض کیا۔ اُس ذات کی قسم ہے کہ جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھجا ہے میں نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس کی وجہ سے میں اس پر عیب لگا دوں۔ یہ تو ایسی کم سن لڑکی ہے کہ آٹا گوندھ کر سو جاتی ہے اور بکری آکر اُسے کھا جاتی ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطبے کے لئے) کھڑے ہوئے اور اُس دن آپ نے عبداللہ بن ابی کے مقابلے میں مدد چاہی۔ آپ نے منبر مبارک پر کھڑے ہو کر فرمایا۔

اے مسلمانو! اس شخص کے لگائے گئے الزام سے برأت کے بارے میں میری کون مدد کرتا ہے کہ میں اس کی طرف سے مجھے میرے اہل بیت کے بارے میں تکلیف پہنچی ہے۔

اللہ کی قسم! میں اپنے اہل کے بارے میں بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ انہوں نے ایسے شخص کا ذکر کیا ہے کہ اس کے بارے میں بھی بھلائی کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا۔ وہ جب کبھی میرے گھر آیا تو میرے ساتھ آیا (کیلا کبھی نہ آیا)

www.KitaboSunnat.com

ابن ہشام کے مطابق آپ نے فرمایا۔ اے لوگو! ان آدمیوں کا کیا حال ہے جو مجھے میرے اہل کے بارے میں تکلیف دیتے ہیں اور ان کے بارے میں وہ کہتے ہیں جو حق نہیں ہے

حضرت سعد بن معاذ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔ اللہ کے رسول! میں اس کے مقابلے میں آپ کی مدد کے لئے تیار ہوں۔ اگر وہ قبیلہ اوس سے ہوا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اور اگر وہ ہمارے خورجی بھائیوں سے ہوا تو آپ جو حکم دیں گے اُس کی تعمیل ہوگی۔

قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعید بن جبہ کھڑے ہوئے۔ اس سے پہلے وہ صلح آدنی تھے۔ لیکن قومی غیرت نے ان کو دلوچ لیا۔ چنانچہ سعد نے کہا۔ اللہ کی قسم! تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو اس کو قتل نہیں کرے گا اور نہ ہی تو اس کے قتل پر قادر ہوگا۔

حضرت سعد معاذ کے علم زاد حضرت اسید بن حبیر کھڑے ہوئے اور انہوں نے سعد بن عبادہ سے کہا۔ اللہ کی قسم! تو نے جھوٹ کہا ہے۔ ہم اسے ضرور قتل کریں گے۔ بے شک تو منافق ہے۔ تو منافقین کی طرف سے جگڑا کرتا ہے۔ اس گفتگو پر اس اور خزرج دونوں قبیلوں کے لوگ کھڑے ہو گئے۔ اور انہوں نے آپس میں لڑنے کا ارادہ کر لیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے تھے۔ آپ ان کو برابر بھاتے اور چپ کراتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ چپ ہو گئے۔ آپ بھی خاموش ہو گئے۔

عائشہؓ سے مروی ہے۔ وہ سارا دن بھی میں روتی رہی۔ میرے آنسو تھمتے نہیں تھے۔ اور نہ ہی مجھے فیندا آتی تھی۔ صبح ہوئی تو میرے والدین میرے پاس تھے۔ میں دو راتیں اور ایک دن روتی رہی۔ نہ مجھے فیندا آتی تھی اور نہ ہی میرے آنسو رکتے تھے۔ ان دعویٰ کا خیال تھا کہ اس طرح کا رونا میرا کلیجہ پھاڑ دے گا۔ اسی حال میں وہ دونوں میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انصار کی ایک عورت نے میرے پاس آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے اجازت دے دی۔ وہ بھی بیٹھ گئی اور اس نے بھی میرے ساتھ رونا شروع کر دیا۔

ہم اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ سلام کر کے بیٹھ گئے۔ جب سے مجھ پر تہمت لگی تھی۔ آپ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ اور ایک ہمینہ گزر چکا تھا کہ میرے بارے میں آپ پر کوئی وحی بھی نازل نہ ہوئی تھی۔

جب آپ تشریف فرما ہوئے تو حمد و ثنا کے بعد آپ نے فرمایا۔ اے عائشہ! تیرے

بارے میں مجھے ایسی ایسی بات پہنچی ہے۔ اگر تو اس سے بُری ہے تو اللہ تعالیٰ عنقریب تجھے بُری کرے گا۔ اگر تو گناہ کے قریب ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگ اور اس سے توبہ کر، اس لئے کہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات ختم کر چکے تو میرے آنسو ختم گئے۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک قطرہ بھی میں نے محسوس نہ کیا۔ میں نے اپنے ابا جان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے۔ اس کا آپ جواب دیں۔ میرے ابا جان نے کہا۔ میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا عرض کروں؟ میں نے اپنی اماں جان سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیں۔ انہوں نے بھی کہا کہ میں نہیں جانتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا عرض کروں؟

عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں چھوٹی عمر کی ایک لڑکی تھی۔ قرآن بھی زیادہ حفظ نہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود میں نے کہا۔ اللہ کی قسم! میں جانتی ہوں کہ آپ نے یہ بات سن لی ہے اور آپ کے دلوں میں یہ بات جم گئی ہے۔ اور آپ اس کو سچ سمجھتے ہیں۔ اگر میں کہوں کہ میں پاکدامن ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں پاکدامن ہوں۔ تو آپ اس کی تصدیق نہیں کریں گے۔ اگر میں اس کا اعتراف کروں اور اللہ جانتا ہے کہ میں پاکدامن ہوں تو آپ اس کی تصدیق کریں گے۔

اللہ کی قسم! میری اور آپ کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ کے قول جیسی ہے۔ انہوں نے کہا تھا۔ صبر کرنا ہی بہتر ہے اور جو آپ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر میرا مدد و کار ہے۔ عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے پھر کر ڈٹ لی اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ میں اس وقت جانتی تھی کہ میں بُری ہوں اور اللہ تعالیٰ میری برأت ثابت کرے گا۔ لیکن اللہ کی قسم! مجھے یہ

گمان نہ تھا کہ میرے معاملے میں ایسی وحی اللہ نازل فرمائے گا کہ جس کی تلاوت کی جائے گی۔ میرا معاملہ میرے نفس میں اس سے حقیر تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں ایسا کلام فرمائے گا جس کو ہمیشہ پڑھا جائے گا۔ میں اُمید کرتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے میں کوئی خواب دیکھیں گے جس میں اللہ تعالیٰ مجھ پر لگائی گئی تہمت سے مجھے پاک کر دے گا۔

عائشہؓ کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور اہل بیت میں سے کوئی بھی باہر نہیں گیا تھا کہ آپؐ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ معمول کے مطابق آپؐ پر سختی ہونے لگی اور پسینہ موتیوں کی طرح ٹپکنے لگا۔ حالانکہ وہ سردی کا دن تھا۔ مگر وحی کے نزول پر ایسی ہی سختی ہوتی تھی۔

جب وحی کی حالت موقوف ہوئی تو آپؐ منہس رہے تھے۔ اور پہلی بات آپؐ نے جو فرمائی، وہ یہ تھی۔ اے عائشہؓ! اللہ تعالیٰ نے تجھے پاکدامن ثابت کر دیا ہے۔

میری ماں نے کہا۔ اُمّھ! وہ آپؐ کا شکریہ ادا کر۔ میں نے کہا نہیں۔ میں آپؐ کا نہیں بلکہ اللہ عزوجل کا شکریہ ادا کروں گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی دس آیات نازل فرمائیں۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے میری برأت نازل فرمائی تو ابوبکرؓ نے کہا۔ اللہ کی قسم! مشطؓ نے جو کچھ عائشہؓ کے بارے میں کہا ہے۔ اس کی وجہ سے میں اس پر کبھی کچھ خرچ نہیں کروں گا۔ حالانکہ مشطؓ بن اثاثہؓ پر قربت اور فقر کی وجہ سے خرچ کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں تک نازل فرمائی۔

وَلَا يَأْتِلْ أَوْلُوا الْفَضْلِ

مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ

يُؤْتُوا أَوْلِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ

قرابت داروں اور مسکینوں

وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَلْيَعْمُوا وَلْيَصْغَحُوا إِلَّا
تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ
لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

اور مہاجرین کو اللہ کی راہ میں دینے سے
قسم نہیں کھائی چاہیے بلکہ معاف اور درگزر کرنا
چاہیے کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے
اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے اور رحم کرنے والا ہے؟

حضرت عائشہؓ پر تمہت ستم میں غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر لگائی گئی۔ رئیس المناہقین
عبداللہ بن ابی سب سے زیادہ اس بہتان کو اچھالنے والا تھا۔ اس کی باتوں میں آنے والے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر حضرت حسان بن ثابتؓ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قریبی رشتہ دار بدری
صحابی مشطؓ اور آپؐ کی زوجہ مطہرہ زینبؓ بنت جحشؓ کی بہن حمہؓ جیسی شخصیتیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے
حضرت عائشہؓ کی برأت جب نازل فرمادی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو
آخری عذاب پر چھوڑ کر باقی تینوں پر حدہ قذف قائم فرمائی تھیں

امام بخاریؒ نے عروہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی اس بات کو پھیلاتا اور جب
اس کے پاس ذکر کیا جاتا تو اس کا انکار نہ کرتا اور سن کر اس کو زیر بحث لے آتا تھیں

اس واقعہ کو غور سے دیکھا جائے تو کئی باتیں سامنے آتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اس سے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی زوجہ مطہرہ عائشہؓ کو سخت تکلیف پہنچی۔ جیسا کہ سیرت ابن ہشام میں منقول

۱۔ صحیح البخاری۔ کتاب التفسیر: سورۃ النور: ص ۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸۔ حدیث الافک: ص ۵۹-۵۹۵

۵۹۶۔ صحیح مسلم جلد ۲۔ حدیث الافک: ص ۳۶۲-۳۶۵-۳۶۶۔ کتاب الشهادات ص ۳۶۲-۳۶۴-۳۶۵

۲۔ ماخوذ من سیرت ابن ہشام: خبر الافک، ص ۳۰۰-۳۰۲۔

۳۔ صحیح البخاری۔ حدیث الافک: ص ۵۹

اور بات عائشہؓ کو چھوڑنے کے مشورہ تک پہنچ گئی۔

دوسری یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار آپس میں الجھنے کے قریب ہو گئے۔
تیسری یہ کہ وحی کے نزول تک معاملہ الجھار ہوا اور جب نزول ہوا تو اس کو قیامت تک قرآن کا حصہ بنا دیا گیا۔

چوتھی یہ کہ تہمت لگانے والوں پر حد قذف قائم کی گئی۔ اگرچہ صحابی اور صحابیہ ہونے کے ناطے ”خیر البریہ“ میں شمار ہوتے تھے۔

پانچویں یہ کہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے جب اپنے قریبی رشتہ دار کے خرچہ کو بند کرنے کی قسم کھائی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً ان کی اصلاح فرمائی اور ان کو حکم دیا گیا کہ معاف اور درگزر کریں۔ اسی پانچویں بات کو اگر ہم پیش نظر رکھیں تو ہر قسم کا الجھاد معدوم ہو جاتا ہے۔

چھٹی بات بڑی ہی اہم ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہؓ نے جب صفوانؓ کو دیکھا تو انہوں نے فوراً ان سے پردہ کر لیا۔ شکر تک سفر کے دوران میں ان کے درمیان کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ لیکن حضرت عائشہؓ کی حادثاتی قیادت کو دلیل بنانے والوں کی نظر اس طرف نہیں جاتی۔ جس عورت کی قیادت کو ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کیا وہ ان کی طرح پردہ کرتی ہے؟ اور اس کا کردار ان جیسا ہے؟

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت عائشہؓ کے واقعات میں فرق

حضرت ابوبکرؓ اور ان کے ساتھیوں نے ایک فعل اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ لیکن سچان میں غلطی ہو گئی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اس فعل کا انکار نہیں کیا بلکہ انہوں نے قسم کھا کر کہہ دیا۔ کہ وہ عورت ان کی بیوی بھتی جو اُمّ جمیل سے مشابہ ہے۔ لیکن عمر فاروقؓ نے غلط فہمی کے باوجود قرآنی حکم

کے مطابق چوتھی گواہی کے ناقص رہ جانے کی وجہ سے ابوبکرؓ اور ان کے دو ساتھیوں پر خد لگادی۔

اس کے برعکس حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں نے اپنی آنکھوں سے کوئی فعل ہوتا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے حربے سے وہ متاثر ہو گئے تھے۔ یہاں غلط فہمی والی کوئی بات نہ تھی۔ جان بوجھ کر حضرت عائشہؓ کے خلاف ایک تحریک چلائی گئی۔ جن کی نشاندہی ان کی والدہ ماجدہ نے بیٹی کو سمجھاتے ہوئے کر دی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی برأت جب نازل فرمادی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاذقوں پر حد قائم کر دی۔

دونوں واقعات کے تقابل سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابوبکرؓ نے حضرت مغیرہؓ کے خلاف جو گواہی دی۔ وہ ایک فعل دیکھ کر دی تھی۔ جب کہ حضرت عائشہؓ کے واقعہ میں یہ بات مفقود تھی۔ لہذا غلط فہمی کی بنا پر ملنے والی سزا کی وجہ سے ان کو مطعون نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے ان کی روایات کو قبول کیا ہے۔ کیوں کہ ان کی امانت و دیانت میں کسی نے کبھی بھی کلام نہیں کیا۔

حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں کے ساتھ نرمی

دنیا کا کوئی مؤرخ یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کی زوجہ مطہرہؓ نے تہمت لگانے والوں پر حد قذف لگ جانے کے بعد کوئی سختی یا ان کی تحقیر و تذلیل کی ہو۔ حضرت مسیحؑ کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن حکیم میں ہدایت دے دی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلطی کرنے والے کو سزا مل جائے تو بات وہیں ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد سننے کے بعد کہا۔

بلی واللہ ان لاحب اللہ کی قسم کیوں نہیں۔ بے شک میں پسند کرتا

ان یغفر اللہ لی فرجع
 ہوں کہ اللہ مجھے بخش دے پھر انہوں نے وہ
 الی مسطح نفقته التی
 خرچہ جو مسطح کو دیا کرتے تھے اس کو دیدیا۔
 کان ینفق علیہ وقال
 اور کہا اللہ کی قسم! میں اس کو کبھی
 واللہ لا انزعها منه ابدًا
 بھی نہیں روکوں گا۔
 بیٹی پر تمہمت لگتی ہے جس سے زبردست دکھ ہوتا ہے۔ لیکن اللہ کے حکم کے سامنے فوراً
 جھک جاتے ہیں۔

حضرت حسان بن ثابت کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار کے
 خلاف اشعار میں دفاع کرنے کے ساتھ آپ کی عظمت کو اجاگر کیا کرتے تھے۔ اسی لئے ان کو شاعر
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا تھا۔

ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق حضرت حسانؓ کے پاس سے گزرے اور وہ
 اس وقت مسجد میں شعر سن رہے تھے۔ عمر فاروقؓ نے ان کی طرف ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔
 حضرت حسانؓ نے کہا۔

وکنت الشد و فید
 میں تو اس وقت بھی شعر سنایا کرتا تھا جب وہ
 من هو خیر منك
 اس میں موجود ہوتا کرتے تھے جو آپ سے بہتر تھے
 پھر انہوں نے ابو ہریرہؓ کی طرف دیکھ کر کہا۔ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم نے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا تھا۔
 آجب عنی اللہم ایدہ
 میری طرف سے جواب دو۔ اے اللہ!

بروح القدس بروح القدس کے ساتھ اس کی مدد فرمائے۔

ابوہریرہؓ نے قسم کھا کر کہا۔ ہاں! اے

امام ابو داؤدؓ نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یضع لِحسان المنبر فی المسجد فیقوم علیہ یمجو من قال فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان روح القدس مع حسان ما نأخ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسان کے لئے مسجد میں منبر رکھواتے تھے وہ اس پر کھڑے ہو کر ان لوگوں کی ہجو کیا کرتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں زبان درازی کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تک حسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے ہیں۔ اُس وقت تک روح القدس ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔“

عروہؓ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس کو پسند نہیں کرتی تھیں کہ ان کے پاس حضرت حسانؓ کو برا بھلا کہا جائے۔ وہ کہا کرتی تھیں یہ وہی ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرنے والوں سے کہا تھا۔

۱۔ صحیح مسلم جلد ۲ باب فضائل حسان بن ثابت ص ۳۰۰ مسند احمد جلد ۵ ص ۲۲۲۔ الاصابۃ، الجزء ۲ ص ۸۔

۲۔ سنن ابی داؤد باب ما جاء فی الشعر ص ۶۸۔ جامع الترمذی باب ما جاء ان من الشعر حکمۃ۔ جلد ۲ ص ۶۶۔

فان ابی ووالده و عرضی بے شک میرے باپ دادا اور میری عزت محمد
 لعرض محمد منکم و قاءلہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو بچانے کا ذریعہ ہیں
 حضرت عائشہؓ نہ صرف حضرت حسانؓ کے بارے میں کوئی برا لفظ سننا ناپسند کرتی تھیں۔ بلکہ
 وہ جب کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ان کے لئے تکیہ لگوا کر تھیں۔
 مسروق سے مروی ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس تھا کہ حضرت حسانؓ تشریف لائے۔
 فامرت فالقی لہ انہوں نے عزت سے بٹھانے کا حکم دیا۔
 وسادۃ لہ پس ان کے لئے تکیہ لگایا گیا۔
 ابن اسحاقؒ نے محمد بن ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ جب صفوان بن معطلؓ نے حضرت حسانؓ پر
 حملہ کیا۔ تو آپؐ نے صفوانؓ اور حسانؓ دونوں کو بلایا۔ صفوانؓ نے کہا۔ اللہ کے رسولؐ! اُس نے مجھے
 نکلیت دی اور میری ہجو کی۔ مجھے غصہ آیا اور میں نے اس پر وار کر دیا۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ سے فرمایا:-
 اے حسانؓ! احسان کر یعنی بھلائی کو اختیار کر جب میری قوم کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت
 سے نوازا دیا تو تو ان کو برا کہتا ہے۔ اے حسانؓ! جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا ہے اس میں احسان کر۔
 حضرت حسانؓ نے عرض کیا۔ اللہ کے رسولؐ ایسا ہی ہوگا۔
 یہ بھی مروی ہے کہ ان کو صفوانؓ بن معطل کے ہاتھوں جو زخم لگا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے اس کے بدلے بنی حذلیہ کا وہ قصہ جو ابو طلحہؓ نے آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

۱۔ صحیح البخاری: حدیث الاثناک: ص ۵۹۴۔

۲۔ تفسیر ابن جریر: ص ۸۸۔ تفسیر ابن کثیر: جلد ۳۔ ص ۲۴۲۔

پیش کیا، وہ دے دیا۔ اور ساتھ سیرین نامی قبلی لونڈی بھی عطا فرمائی۔ جس کے بطن سے ان کے بیٹے عبدالرحمن پیدا ہوئے۔

یہ حسن سلوک اس سے کیا گیا کہ جس نے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہؓ پر تہمت لگائی تھی۔ لیکن حضرت میسرہ بن شعبہ کے خلاف گواہی دینے والے پر ایسی ناراضگی کہ ان کے بارے میں نازیبا الفاظ بھی استعمال کر دیئے۔ اور ان سے مروی احادیث کا انکار بھی کر دیا۔ حالانکہ محدثین نے حضرت حسان کی بیان کردہ حدیث کو دل و جان سے قبول بھی کر لیا۔ ان سے مروی ہے۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوارات القبور
علیہ وسلم زوارات القبور زیارت کرنے والیوں پر لعنت بھیجی۔

یہ حدیث ابن عباسؓ اور ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس کو حسن صحیح کہنے کے بعد یہ وضاحت بھی کی کہ بعض اہل علم کے نزدیک قبروں کی زیارت میں رخصت سے پہلے کی بات ہے۔ جب آپ نے رخصت دے دی تو اس میں مرد اور عورتیں شامل ہیں۔ اور بعض کے نزدیک عورتوں میں صبر کی کمی اور ان کے جزع فزع کی وجہ سے منع کیا گیا ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ حضرت البکرہؓ کے بارے میں عورت کی سربراہی کی حمایت کرنے والوں نے جو روئے اختیار کیا ہے وہ انتہائی غیر مناسب ہے۔ ایک عورت کی حمایت کرتے ہوئے وہ اپنے دینی سرمایہ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ جن پر حد قائم ہو جائے تو اس کو برا بھلا کہنا جائز نہیں۔

۱۔ سیرت ابن ہشام: ص ۳۰۵-۳۰۶۔

۲۔ مسند احمد جلد ۳ ص ۴۲۲۔ ابن ماجہ: الباب ماجانی البعثات ص ۱۳۔ الترمذی: الباب جنازہ جلد ۱ ص ۱۵۸۔

حضرت عمر فاروق سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غہر میں عبد اللہ نامی ایک شخص تھا جسے ہمارے لہق کیا جاتا تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسیا کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شراب پینے پر کوڑے لگائے۔ ایک دن پھر اسے لایا گیا۔ آپ نے اس کو کوڑے لگائے جلنے کا حکم دیا۔ قوم میں سے ایک شخص نے کہا۔ اے اللہ! اس پر لعنت کر دے۔ بار بار شراب پینے کے جبرم میں لایا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس پر لعنت مت کرو۔ اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے لہ

امام بخاری نے اس حدیث کو باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر وانہ لیس بخارج من الملة یعنی شرابی پر جو لعنت بھیجتا ہے اس کی کراہت اور وہ ملت سے خارج نہیں، کے باب کے تحت نقل کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں کسی کو اجازت نہیں کہ صحابہ کی عزت پر ہاتھ ڈالے اور ان کے بارے میں زبان درازی کرے۔

حضرت ابوبکرؓ کی گواہی

عورت کی سربراہی کی حمایت کرنے والوں کی دلیل ہے کہ ابوبکرؓ کی روایت کردہ حدیث قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان پر حدہ قدوف لگائی گئی تھی۔ انہوں نے یہ خبر اس انداز میں دی ہے جیسا کہ محدثین، مفسرین اور ائمہ کرام اس سے بے خبر تھے۔ انہوں نے یہ سہارا بھی لیا کہ اہم ابوحنیفہ

کے دبستان سے تعلق رکھنے والے تو ایسے شخص کی گواہی ہمیشہ کے لئے رد کر دیتے ہیں اگرچہ وہ تائب بھی ہو جائے۔ چونکہ ابوبکرؓ کی حدیث صحیح بخاری میں منقول ہے۔ لہذا اسی کے حوالے سے بات ہو۔ تو زیادہ مناسب ہوگا۔

امام بخاریؒ نے ”باب شہادة القاذف والسارق والزانی“ یعنی قاذف، چور اور زانی کی شہادت کا باب اور سورۃ النور کی آیت ”کہ ان کی شہادت کبھی نہ قبول کرنا اور وہ فاسق ہیں۔ مگر جو توبہ کر لیں“ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

وجلدہ عمر ابابکرۃ و
شبل بن معبد و منافعا
بعذف المغيرۃ ثم استتابهم
وقال من تاب قبلت
شہادته
”حضرت عمر فاروقؓ نے ابوبکرؓ، شبل
اور نافع کو مغیرہ پر تہمت لگانے کی وجہ
سے کوڑے لگائے پھر ان کو توبہ کرنے کو
کہا اور ان کو بتایا جو توبہ کرے گا میں اس
کی گواہی قبول کر لوں گا۔“

اس روایت سے ایک بات یہ واضح ہوئی کہ امام بخاریؒ سے ابوبکرؓ کا واقعہ اوچھل نہ سکتا۔
دوسری بات یہ کہ قاذف جب توبہ کرے تو اس کی گواہی قابل قبول ہو جاتی ہے۔ اس مسلک کے
قائدین ائمہ کرام کے نام امام بخاریؒ نے حسب ذیل گنوائے ہیں۔

عبداللہ بن عتبہ۔ عمر بن عبدالعزیز۔ سعید بن جبیر۔ طاؤس۔ مجاہد۔ الثبمی۔ عکرمہ۔ زہری۔ مجاہب
بن دثار۔ شریح اور معاویہ بن قرقہ۔ ابوالزناد کا قول ہے کہ مدینہ طیبہ میں ہمارا معاملہ یہ ہے کہ جب قاذف
پنے قول سے رجوع اور اپنے رب سے استغفار کرے تو اس کی شہادت مقبول ہو جاتی ہے۔

شعبی اور قتادہ کا کہنا کہ جب وہ اپنے آپ کو جھٹلائے تو اس کو کوڑے لگائے جائیں گے اور اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔

امام شوری کا بیان ہے کہ جب غلام کو حد لگانی جائے پھر اسے آزاد کر دیا جائے تو اس کی شہادت جائز ہوگی اور حد لگے شخص کو قاضی بنا دیا جائے تو اس کے فیصلے جائز ہوں گے۔

اس تمہید کے بعد انہوں نے دبستان امام ابو حنیفہؒ کی طرف بحث کو لوٹایا ہے کہ ان کا یہ مسلک ہے کہ قاذف کی شہادت جائز نہیں۔ اگرچہ وہ توبہ کر لے۔ اور ان کے ہاں یہ بھی ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح نہیں ہو سکتا لیکن اگر کوئی شخص حد لگے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کر لے تو وہ نکاح درست ہوگا۔ اور دو غلاموں کی گواہی سے اگر نکاح کر لے تو وہ جائز نہیں ہوگا۔ مگر انہوں نے رمضان المبارک کے چاند کی رویت میں حد لگے یعنی محدود غلام اور لونڈی کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔

پھر امام بخاریؒ نے دلیل کے طور پر نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی کو ایک سال کے لئے جلا وطن کر دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن مالک اور ان کے دو ساتھیوں سے کلام کرنے سے منع فرما دیا۔ یہاں تک کہ پچاس دن گزر گئے تو ان کی توبہ کی چھان کس طرح ہوگی؟ امام بخاریؒ نے بڑے ہی فہیمانہ انداز میں قاذف، چور اور زانی کی توبہ میں ہر فرق و تمیز کو مٹا دیا ہے۔ کیونکہ توبہ کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ جب توبہ قبول ہو گئی تو گواہی کے رد کا جواز خود بخود ختم ہو گیا۔

امام شافعیؒ اور ابن قدامہؒ کا بھی یہی قول ہے کہ قاذف جب توبہ کر لے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی۔

۱۔ صحیح البخاری: ص ۳۶۱

۲۔ الام: جلد ۶، شہادۃ القاذف: ص ۲۰۹۔ المغنی لابن قدامہ جلد ۹۔ اذتاب القاذف قبلت شہادۃ: ص ۱۹۔

حافظ ابن حجرؒ نے ”ابدأ“ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مراد قاذف کا قذف پر ٹٹے رہنا ہے جیسا کہ کافر کی شہادت کے بارے میں کہا جاتا ہے۔

لا تقبل شهادة الكافر کو کافر کی گواہی کبھی بھی قبول نہیں کی
ابدأ فان المراد مادام مائے گی۔ تو اس سے مراد ہے کہ وہ جب تک
کافر ہے۔ کافر ہے تو اس کی گواہی مقبول نہ ہوگی۔“

محمود فی القذف کی گواہی کے رد کے بارے میں جو روایات منقول ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق کے مطابق ان میں سے کوئی بھی صحت کے معیار پر پوری نہیں اُترتی لہٰذا

جہور کے نزدیک وہی صحیح ہے جس کی نشاندہی امام بخاریؒ نے کی ہے۔ انہوں نے قاذف‘ سارق اور زانی کی شہادت کے باب میں ہی اس عورت کا واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ جس کا ہاتھ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قطع کیا گیا تھا۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اُس نے اچھی تو یہ کی اور اس کی شادی ہوئی۔ اس کے بعد وہ میرے پاس آیا کرتی تھی اور میں اس کی حلیات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا کرتی تھی۔

امام بخاریؒ نے ایک اور روایت زید بن خالدؓ کے حوالے سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی کے بارے میں حکم فرمایا۔ اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تو اس کو سو کوڑے لگائے جائیں اور اس کو ایک سال کے لئے جلا وطن کر دیا جائے۔

امام بخاریؒ نے فقہی انداز میں یہ ثابت کیا ہے کہ جس پر حد لگ جاتی ہے تو اس کو لوگوں کے

سائنے اپنی توبہ کا اعلان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ حد کا لگ جانا ہی اس کے گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ ✓
 کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے کسی قاذف، زانی، چور اور شرابی پر حد قائم کرنے کے بعد علانیہ توبہ کرنے کا حکم دیا ہو۔ حضرت حسان بن ثابت - حضرت مشعل اور حضرت جمنہؓ پر حد قذوف اسی قرآنی حکم کے مطابق لگی جس کے مطابق حضرت ابوبکرؓ اور ان کے ساتھیوں پر لگائی گئی تھی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تائب ہونے کا حکم نہ دیا تھا اور نہ ہی ان کے بارے میں کوئی ایسی روایت۔ احادیث۔ تواریخ اور اسماء الرجال کی کتابوں میں ملتی ہے بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے ابوبکر الصدیقؓ کی اس قسم کا فردا نوٹس لیا۔ جو انہوں نے حضرت مشعل کا خرچہ بدکنے کے لئے کھائی تھی۔

سیرت ابن ہشام میں ستمہ کے بعد حضرت حسان کے بہت سے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ ان پر حد لگ جانے کے بعد بھی آپ نے ان سے اپنے اس حُسن سلوک کو جاری رکھا جو کہ آپ ان سے ستمہ سے پہلے فرمایا کرتے تھے۔

حضرت صفوان بن یحییٰ مغل کی طرف سے ان کو جو زخم لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے اس کا بدلہ دیا۔ اگر سیرت ابن ہشام کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا اختتام بھی حضرت حسان بن ثابت کے اشعار سے ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حد لگ جانے کو ہی ان کے گناہ کا کفارہ سمجھا اور بعد میں کبھی بھی ان پر کسی صورت میں بھی مؤانہ نہ کیا۔ اور نہ ہی ان کو کبھی عار دلائی۔ حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب ایسا مشفقانہ سلوک رہا تو حضرت ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیت سے کیونکر خارج کر کے ان کی روایات کو ٹھکرایا جاسکتا ہے؟ ۶۔

حد ہی گناہ کا کفارہ ہوتی ہے

امام بخاریؒ نے کتاب الحدود میں باب باندھا ہے۔ ”الحدود و کفارة“ حد کا لگ جانا کفارہ ہے۔ پھر انہوں نے حضرت عبادہ بن الصامت سے نقل کیا ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مجلس میں تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:-

بایعونی علی ان لا تشركوا ”مجھ سے بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ باللہ شیئاً ولا تسرقوا ولا کسی کو شریک نہ بناؤ گے۔ چوری اور تزنیوا۔“
زنی نہیں کرو گے۔“

پھر آپ نے قرآن حکیم کی یہ آیت مبارکہ پڑھی۔

”اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں آکر آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولادوں کو قتل کریں گی اور نہ ایسا بہتان باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے گھڑ لیں اور نہ کسی امر شرعی میں آپ کی نافرمانی کریں گی۔ تو آپ ان سے بیعت لے لیا کریں اور ان کے لئے اللہ سے بخشش طلب کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

پھر آپ نے فرمایا:- ”جو بیعت کو پورا کرے گا۔ پس اُس کا اجر اللہ پر ہوگا۔ اور جو ان میں سے کسی کا مرتکب ہوگا۔ پھر اس کو اس کی سزا مل جائے تو وہ اس کا کفارہ ہوگا۔ جو کوئی اس میں سے کوئی کام کر بیٹھے اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کر دے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کہ

اگر چاہے تو اُس کو معاف کر دے اور اگر چاہے تو اس کو عذاب دے لے

امام بخاریؒ نے یہی روایت الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ کتاب الایمان میں بھی نقل کی ہے۔ وہاں حضرت عبادہ بن صامت کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ وہ بیعت النقبہ کے نقیبوں میں سے ایک نقیب تھے۔ اور جنگ بدر میں بھی وہ شریک تھے لے

یہاں یہ خیال بھی رکھنے کی ضرورت ہے کہ جو بیعت آپؐ نے اپنے صحابہؓ سے چاہی۔ یہ ان کی پہلی بیعت کی تائید میں ہے۔ اور یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے۔ کیوں کہ سورہ الممتحنہ فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئی۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ العینی کی حدیث کی تشریح میں وضاحت کر دی ہے۔ صحیح مسلم کے یہ بھی الفاظ ہیں :-

مَنْ أَقَامَ مِنْكُمْ حَدًّا تَمَّ فِي سَعْيِهِ إِذَا كَامَرَ سَعْيَهُ
فَنَاقِمٌ عَلَيْهِ فَهُوَ اس پر حد واجب ہو جائے پھر اس پر قائم
كَفَّارَةٌ۔ کر دی جائے تو وہی اس کا کفارہ ہوگا۔

امام مسلمؒ نے بیعت عقبہ کے جو الفاظ تھے وہ بھی نقل کر دیئے ہیں۔

حَضْرَتُ خَزِيمَةَ بْنِ ثَابِتٍ سَمِعَ رُوِيَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ :-
مَنْ أَصَابَ ذَنْبًا أَقِيمَ جس سے کوئی گناہ ہو گیا پھر اس پر اس
عَلَيْهِ حَدٌّ ذَلِكَ الذَّنْبِ گناہ کی حد قائم کر دی گئی، تو وہ

۱۔ صحیح البخاری: کتاب الموعودہ، ص ۱۰۳۔ صحیح مسلم: باب الحدود وکفارات لاصحاب الجہد، ص ۵۲۔ ۵۳۔

۲۔ صحیح البخاری: کتاب الایمان، ص ۷۔

۳۔ فتح الباری: جلد ۱۲، ص ۸۴۔ عمدة القاری: جلد ۲۲، ص ۲۷۳۔

اس کا کفارہ ہوگا۔

فہو کفارتہ لہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو حسن کہنے کے ساتھ جریر بن عبداللہ، عمرو بن شعیب اور ثبات بھی ضحاک سے سنید صحیح کے ساتھ ایسی روایات کا ذکر کیا ہے لہ
دستان امام ابو حنیفہ سے تعلق رکھنے والے علامہ العینی نے حضرت عبادہ بن الصامت کی روایت کردہ حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔

”پس عبادہ کی حدیث کا خصوصی معنی یہ

فحدیث عبادۃ معناه ا

ہے کہ مسلمانوں میں سے جن پر خاص طور پر حد

الخصوص فیمن اقیم علیہ

قائم کر دی جائے بلاشبہ وہ اس کے

الحکم من المسلمین خاصۃ

لئے کفارہ ہوگا۔

ان ذلک کفارتہ لہ

بہتر ہوگا کہ اس سلسلے میں بے لاگ تبصرہ کرنے والے مہلب ازدی کو بھی دیکھ لیا جائے کہ انہوں نے امام بخاری کے فیہاء ائمال سے کیا استنباط کیا ہے؟ حافظ ابن حجر سے مروی ہے۔

کہ مہلب نے اس سے استنباط کیا

استنبط المہلب من هذا ان

ہے کہ قاذف کا اپنے نفس کو جھٹلانا

اکذاب القاذف نفسہ لیس

اس کی توبہ قبول ہونے میں شرط نہیں کیونکہ

شرط فی قبول توبتہ لان

ابوبکرؓ نے اپنے نفس کو نہیں جھٹلایا

ابوبکرۃ لم یکذب نفسہ

۱۔ مسند احمد: جلد ۵ ص ۲۱۵

۲۔ فتح الباری: جلد ۱۲ ص ۸۴

۳۔ فتح الباری: جلد ۵ ص ۲۵۶

ومع ذلك فقد قبل المسلمون
روایتہ و عملوا بہا لہ
تھا لیکن اس کے باوجود مسلمانوں نے ان کی
روایات کو قبول کیا اور ان پر عمل کیا ۛ

جناب رحمۃ اللہ طارق نے عائشہؓ کے خلاف گہری سازش کے عنوان کے تحت
مہلب ازدیؒ کے قول کو فتح الباریؒ کے حوالے سے اپنے رنگ میں پیش کیا ہے لہ جس پر مفصل بحث
ہو چکی ہے اور صحیح بات واضح کر دی گئی ہے لیکن یہاں فتح الباری کے حوالے سے حضرت ابو بکرؓ کے
بارے میں مہلبؒ کا جو استنباط نقل کیا گیا۔ اس سے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ محدثین
میں سے کبھی بھی کسی نے حضرت ابو بکرؓ پر اس طرح کا اعتراض کیا ہو کہ جس کی جرات رحمۃ اللہ طارق اور
رفیع اللہ شہاب جیسے لوگ کج کل کر رہے ہیں۔ ایک عورت کی خوشنودی کے حصول کی خاطر احادیث کو
طعن کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ حالانکہ نہ صرف صحیح بخاری کے شارحین کے نزدیک وہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے حلیل القدر صحابی تھے۔ بلکہ تمام ائمہ حدیث نے بھی ان کی روایات کو قبول کیا۔ اور اُمت
مُحمدیہ نے ان کے مطابق عمل کیا جیسا کہ مہلبؒ کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت
ابو بکرؓ پر حد لگنے کی وجہ سے جو اعتراض وارد کیا جاتا ہے۔ محدثین کے نزدیک وہ باطل ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کی احادیث پر اعتراض اور ان کا جواب

جناب رفیع اللہ شہاب احادیث کا انکار کرنے میں اپنے استاد رحمۃ اللہ طارق سے
بھی آگے نکل گئے کسی بھائی نے کہا کہ حضرت ابو بکرؓ سے عورت کی نفی کرنے والی روایت کے علاوہ
اور بھی روایات منقول ہیں تو انہوں نے فیصلہ صادر کیا کہ وہ اس حدیث سے بھی خطر ناک ہیں۔ کیونکہ

ان میں انہوں نے ایک ہی سانس میں ہزاروں صحابہؓ کو جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل تھے جہنمی قرار دے دیا ہے۔ پھر انہوں نے بخاری کے حوالے سے ایک حدیث کا متن نقل کیا ہے۔

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ قننہ کے زمانے میں ایک روز میں ہتھیار باندھ کر نکلا، تو مجھے حضرت ابو بکرؓ ملے۔ فرمایا۔ کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی کی مدد کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ کہا۔ حضورؐ نے فرمایا ہے جب دو مسلمان تلوار لے کر ایک دوسرے کے مقابل ہو جائیں تو دونوں جہنمی ہیں۔ عرض کی گئی کہ قاتل کی بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن مقتول کس وجہ سے؟ فرمایا وہ بھی اپنے بڑے مقابل کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

رفیع اللہ شہاب صاحب کا کہنا ہے کہ یہ حدیث بھی قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے مسلمانوں کے آپس میں لڑنے والے دو گروہوں کے بارے میں قرآن مجید میں یہ ارشاد ہوا ہے۔

”اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑائی کریں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ اگر ان سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑائی کی جائے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے (سورہ الحجرات)“

رفیع اللہ شہاب صاحب کا فرمان ہے کہ اس آیت میں آپس میں لڑنے والے دونوں گروہوں کو واضح الفاظ میں مومن کہا گیا ہے۔ لیکن اس کے عکس حضرت ابو بکرؓ ان لڑنے والے گروہوں کو جہنمی قرار دیتے ہیں۔ اور خیال رہے کہ حدیث میں جن لڑنے والوں کا ذکر ہے۔ ان کا تعلق جنگِ جمل سے تھا جس میں حضرت علیؓ کی جانب سے بیس ہزار اور حضرت عائشہؓ کی جانب سے بیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی تھی۔ ان کی اکثریت صحابہ کرامؓ پر مشتمل تھی۔ اور ان میں عشرہ مبشرہ بھی شامل تھے۔ ان کے بارے میں حضرت ابو بکرؓ نے جو فیصلہ دیا اُسے لکھتے ہوئے قلم بھی کا پتہ ہے۔

جناب رفیع اللہ شہاب کی علم حدیث کے بارے میں معلومات جناب رحمت اللہ طارق جیسی ہی ہیں۔ اور ان سے بھی وہی غلطی ہوئی جو ان کے استاد سے ہوئی۔

یعنی حدیث پر اعتراض تو اس طرح کرتے ہیں جیسے کہ دنیا میں ان سے بڑا کوئی محدث ہوا ہے اور وہ ہوگا اور فرق حدیث میں دیک کا یہ حال ہے کہ سند کو سمجھنے کی بھی صلاحیت نہیں۔ اردو ترجمہ میں ہی پیش کردہ روایت پر غور کر لیتے یا بخاری پڑھنے والے کسی استاد سے مشورہ کر لیتے۔ تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ تلوار ہاتھ میں لے کر نکلنے والے حسن بھری نہیں بلکہ احنف بن قیس تھے۔

حدیث کی سند پر ذرا غور فرمایا جائے۔

حدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ (ترجمہ) ہم سے بیان کیا عبد اللہ بن عبد الوہاب

قَالَ حَدَّثَنَا حَمَادُ عَنْ رَجُلٍ نے۔ اس نے کہا ہم سے بیان کیا حماد نے

لَعَلَّيْمَهُ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ اس آدمی سے جس کا حق سے روایت کرتے ہوئے اس

خروجت بسلاحی۔ نے نام نہ لیا، اس نے کہا کہ میں اپنے اسلوک کے ساتھ نکلا

حدیث کے آخر میں امام بخاریؒ نے وضاحت بھی کر دی۔ چنانچہ انہوں نے نقل کیا ہے۔

قَالَ حَمَادُ بْنُ زَيْدٍ فَذَكَرْتُ حماد بن زید نے کہا۔ میں نے اس

هَذَا الْحَدِيثَ لَأَيُّوبَ وَيُونُسَ حدیث کا ذکر ایوب اور یونس بن عبید

بْنِ عَبِيدٍ وَأَنَا أَرِيدُ أَنْ سے کہا اور میں ارادہ رکھتا تھا کہ دونوں

يَحْدِثَانِي بِهِ فَقَالَ رَوَى مجھ سے بیان کریں۔ پس دونوں نے کہا کہ

هَذَا الْحَسَنُ عَنِ الْإِخْفَنِ حسن نے اخنف بن قیس سے اور اس

بْنِ قَيْسٍ عَنِ أَبِي بَكْرَةَ نے ابو بکرہ سے یہ روایت کی ہے۔

اگر جناب رفیع اللہ شہاب صاحب بخاری میں کتاب الایمان اور کتاب الدیات پر نظر

ڈال لیتے۔ تو ان کو واضح الفاظ میں یہ بھی مل جاتا۔

عن الحسن عن الأحنف بن قيس حسن بصری نے احنف بن قیس سے روایت کیا۔

جناب رافع اللہ شہاب نے بڑے جذباتی انداز میں حضرت ابوبکرؓ پر بہتان لگا دیا کہ انہوں نے جنگِ جمل میں شریک ہونے والوں کو جہنمی قرار دے دیا۔ پھر انہوں نے سورۃ الحجرات کی ایک آیت کا حوالہ بھی دے دیا۔

اگر رافع اللہ شہاب صاحب نے صحیح بخاری کسی استاذ سے پڑھی ہوتی تو ان کو معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کی روشنی میں ہی اپنی امت کو ہر اس فتنہ و فساد سے بچنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ جس کا شکار پہلی امتیں ہو گئیں۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا
أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ
إِنَّهَا تَكُونُ تِجَارَةً
عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا
أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ
رَحِيمًا • وَمَنْ يَفْعَلْ
ذَلِكَ عُدُوَّانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ
نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَلِكَ
عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا • ۱۰

اے ایمان والو! اپنے درمیان اپنے
مالوں کو باطل طریقے سے مت کھاؤ
سوائے اس کے کہ باہمی رضامندی سے
کوئی تجارتی معاملہ ہو اور نہ ہی آپس میں
ایک دوسرے کو قتل کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ
تمہارے ساتھ بڑا مہربان ہے ظلم و زیادتی
کرتے ہوئے جو ایسا کرے گا۔ ہم
اُسے آگ میں ڈال دیں گے اور اللہ تعالیٰ
کے لئے یہ آسان ہے۔

عباد الرحمن کی صفات بیان ہوتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ

”اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور

إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ

معبود کو نہیں پکارتے اور اس نفس کو قتل نہیں

الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ

کرتے کہ حق کے علاوہ جس کا قتل کرنا اللہ

وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ

نے حرام کر دیا ہے اور نہ زنا کرتے ہیں اور

ذَلِكَ يَلْقَى أَشَاطًا • يُضَاعَفْ

جو ایسا کرے گا وہ گناہ گار ہو جائے گا قیامت

لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

کے بعد اس کے لئے عذاب کو بڑھایا جائیگا

وَيُخْلَدُ فِيهِ مِهَانًا •

اور وہ اُس میں ذلیل ہو کر ہمیشہ رہے گا۔

جو جان بوجھ کر مومن کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگتا ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے

فرمایا:-

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعِدًّا

”جو کسی مومن کو ارادے کے ساتھ قتل کرے گا

فَجَزَاءُ ۙ جَهَنَّمَ خَالِدًا

پس اس کی جزا جہنم ہے۔ اس میں ہمیشہ

فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ

رہے گا اور اللہ کا اس پر غضب ہوگا

وَلَعَنَهُ وَاعَدَ لَهُ عَذَابًا

اور اللہ اس پر لعنت فرمایا اور اس کے

عَظِيمًا •

لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔

سُورَةُ النَّارِ اور سُورَةُ الْفِرْقَانِ کی ان آیات مبارکہ میں مومنوں ہی کو متنبہ کیا گیا ہے کہ آپس میں

ایک دوسرے کا خون نہیں بہانا۔ کسی کو ناحق قتل نہ کرنا۔ جو ایسا کرے گا اُس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

۱۔ سُورَةُ الْفِرْقَانِ : آیات ۶۸-۶۹۔

۲۔ سُورَةُ النَّارِ : آیات ۹۳۔

جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اللہ کی لعنت اور اس کا غضب بھی اس پر ہوگا۔

ان آیات میں تنبیہ ہے اور سورۃ الحجرات کی آیت میں طریقہ کار بتایا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مسلمانوں کو تلوار لے کر آپس میں ٹکرائے سے جو منع فرمایا ہے تو وہ بھی قرآن حکیم کی ہی روشنی میں ڈرایا ہے نہ کہ جنگِ جبل میں شریک ہونے والوں کے بارے میں کوئی فیصلہ دیا ہے۔ امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں اسی انداز کو اپنایا ہے لہ

اصل بات تو یہ ہے کہ جب ”دوشن خیالی“ دماغ پر غالب آجائے تو پھر قرآن و سنت کی واضح تعلیم کو اپنانے کی بجائے ”دوشن خیالی“ کا ذہن ایسے مسائل میں اُلجھ جاتا ہے جو جمہور کے خلاف ہوتے ہیں۔ اس نے وہ بات کرنی ہوتی ہے جو مسلمانوں کو چونکا دینے والی ہے۔ وہ قرآن و حدیث کو اسی طرح استعمال کرتا ہے جیسا کہ اسلام کو نقصان پہنچانے والے اسلام کا نام لے کر ہی بات کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اسلام سے اس کی روح کو ختم کر دیا جائے۔

جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے مسلمانوں میں جذبہ جہاد کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی، بعینہ آج کل ”دوشن خیالی“ مسلمانوں میں اسلامی غیرت کو ختم کرنے پر تڑپے ہوئے ہیں اور جس پر مسلمانوں کا اتفاق و اتحاد ہو سکتا ہے۔ اس میں شکوک پیدا کرنے کی انہوں نے مہم شروع کر رکھی ہے۔ لیکن انشاء اللہ تعالیٰ یہ اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہوں گے۔

جناب رفیع اللہ شہاب حضرت ابو بکرؓ سے اتنے الرجک ہو گئے ہیں کہ جس روایت میں ان کا نام آئے گا۔ انہوں نے فرما اس کو رد کر دینا ہے۔ لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ احادیث میں ایسی روایات کے راوی صرف حضرت ابو بکرؓ ہی نہیں ہیں بلکہ جس روایت کو انہوں نے قرآنی تعلیمات

کے خلاف قرار دیا ہے۔ اس کے راوی اور بھی ہیں۔ ابو موسیٰ الاشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر مقابلے میں کھڑے ہوتے ہیں اور ان دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی کو قتل کر دیتا ہے تو دونوں جہنم میں برابر سہ جاتے ہیں۔
امام نسائی نے ابو موسیٰؓ سے مختلف سندوں کے ساتھ دو اور روایات نقل ہیں۔ بجن کے الفاظ بخاری کے روایت کے مطابق ہیں۔

انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں ہو جاتے ہیں۔
جناب ریفع اللہ شہاب اپنی تحقیق میں اکثر نیل الاوطار کا حوالہ دے کر اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں لیکن حیرت ہے کہ قاتل و مقتول کے جہنم میں چلے جانے کے بارے میں انہوں نے اپنی پسندیدہ کتاب کو دیکھنے کی تکلیف نہیں کی۔ اگر دیکھ لیتے تو مسئلہ حل ہو جاتا۔ کیوں کہ امام شوکانی نے بھی بخاری و مسلم کی اسی روایت کو نقل کیا ہے جو کہ حضرت ابو بکرؓ سے مروی ہے اور انہوں نے اس پر بڑی عمدہ بحث بھی کی ہے۔ صحابہؓ کے آپس میں اختلاف اور قتال کے بارے میں اہل سنت کا جو مسلک ہے اس پر بھی خوب روشنی ڈالی ہے۔ جس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آگے اپنے مقام پر آئے گی۔

جناب ریفع اللہ شہاب کو بتایا گیا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ سنن النسائي كتاب المغاربة جلد ۲ ص ۱۶۹۔ ابن ماجہ: باب التقي المسلمان بسيفهما ص ۲۸۵۔ سنن احمد جلد ۴ ص ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۰۔

۲۔ ابن ماجہ: ص ۲۸۵۔

۳۔ نیل الاوطار: جلد ۷ ص ۴۹۰۔

نے جو خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس کے بھی راوی حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ محدثین کو اگر ان میں کوئی خامی نظر آئی تو وہ ان سے مروی خطبہ کو احادیث کی کتابوں میں نقل کیوں کرتے؟ اس کا بھی جواب ان کے اپنے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں:- اگر ان کی روایت کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر ہمارے ہاں کا مروجہ خطبہ حجتہ الوداع جو کئی صفحات پر مشتمل ہے۔ غلط اور جھوٹا قرار پاتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کا روایت کردہ یہ خطبہ ایک پیرے پر مشتمل ہے۔ مختصر یہ کہ ان کی دوسری روایت کردہ احادیث قرآن و احادیث قرآن و سنت کی واضح تعلیمات کے خلاف ہیں۔ تو اس صحت میں ان کی اس روایت کو کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

رفیع اللہ شہاب صاحب نے ایک معقول سوال کا انتہائی غیر معقول جواب دیا ہے۔ ان کو شاید یہ نہیں کہ خطبہ مختصر ہوا طویل اسے خطبہ ہی کہا جاتا ہے اور حجتہ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہیں بلکہ یوم الترویہ (سات ذوالحجۃ) یوم العرفہ۔ یوم النحر اور یوم وسط التشریق جسے یوم النعل اور یوم النحر بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی مختلف دنوں میں کئی خطبے ارشاد فرمائے۔ اسی لئے مختلف راویوں سے خطبات کے وہ جتے مروی ہیں جو انہوں نے سنے اس سے راویوں کی امانت و دیانت کا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے جو سنا وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی روشنی میں آگے پہنچایا۔ اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی۔

ویسے جس مختصر خطبہ کا اس لئے انکار کر دیا گیا ہے کہ اس کے راوی حضرت ابوبکرؓ ہیں تو تقریباً

۱۔ روزنامہ امروز، ۱۶ جنوری ۱۹۸۹ء

۲۔ عمدۃ القاری جلد ۱ ص ۹، مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۲۶۵ تا ۲۶۷۔ ارشاد الناسری جلد ۳ ص ۲۳۹-۲۴۰۔

انہی الفاظ میں ویسا ہی حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ یہ خاص طور پر آپ کا یہ فرمانا :-

لا ترجعوا بعدی کفاراً ”میرے بعد پھر کفر کی حالت میں نہ
یضرب بعضکم رقاب لوٹ جانا کہ بعض تمہارا بعض کی گردن
بعض لے مارے۔“

یہ الفاظ جریرؓ سے مروی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے ”ترجعوا“ کی بجائے ”ترتدوا“ منقول ہے اور ایک روایت میں ”کفاراً“ کی بجائے ”ضلاً“ مروی ہے۔

رفیع اللہ شہاب صاحب کے نزدیک قاتل اور مقتول کے جہنم میں چلے جانا قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے۔ تو میرے بعد کافر یا مرتد یا گمراہ نہ ہو جانا، والی روایت ان کا ذہن کیسے قبول کر سکتا ہے ؟ لہذا ایک بار پھر قرآن کو دیکھنا ہوگا۔

چنانچہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا
وَأُخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ
الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ عَظِيمٌ •

اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں
نے واضح نشانیوں کے آجائے کے بعد تفرقہ بازی
اور اختلاف کو اپنایا اور وہی لوگ ہیں
کہ جن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

۱۔ صحیح البخاری : ص ۲۳۴ - ۲۳۵ - ۱۰۴۸ - ۱۰۴۹ - ۱۰۱۵ -

۲۔ صحیح البخاری : ص ۱۱۵ - صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۸ -

۳۔ سورۃ آل عمران : آیت ۱۰۵ -

اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو ڈرایا گیا ہے کہ اگر انہوں نے تفرقہ بازی اور اختلاف کو اپنایا تو ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو کہ ایسے لوگوں کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے یعنی ان کے لئے عذابِ عظیم ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اگر اہل عرب کی حالت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس وقت کسی کو قتل کر دینا اور آپس میں اختلاف کو جھگڑا و فساد تک لے جانا معمولی بات تھی۔ سارا عرب قبائلی جھگڑوں اور گروہ بندی کا شکار تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کے ذریعے بھائی بھائی بنا دیا۔ اس لئے کسی بھی صورت میں آپؐ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ آپؐ کی اُمت پھر سے اُسی دگر پر چل نکلے جہاں سے آپؐ نے ان کو بٹھایا تھا۔ قرآن حکیم اور سنت نبویؐ میں ہر اُس شخص کے لئے تربیب پائی جاتی ہے جو جہالت کے کام کی طرف لوٹنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مسلمان کو اس کے انجام سے آگاہ کر کے ڈرایا ہے۔

جنگِ حمل میں حصّہ لینے والے سب جنتی ہیں

جنگِ حمل میں جو صحابہؓ اور تابعین شریک ہوئے اور انہوں نے اس میں شہادت پائی، حضرت علیؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اگرچہ وہ ان کی طرف سے یا ان کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ وہ اہل بصرہ میں سے تھے یا اہل کوفہ میں سے۔ وہ مدنی قریشی تھے یا کئی۔ ان پر نماز پڑھنے کے بعد ان کو ایک بہت بڑی قبر میں دفن دیا۔

حضرت علیؓ نے یہ بھی فرمادیا کہ مجھے اُمید ہے کہ جس شخص کا دل ان لوگوں کی طرف سے صاف ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

اہل سنت کا ان صحابہؓ کے بارے میں مسلک ہے جو آپس میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے، وہ سب جنت میں داخل ہو گئے۔ کیوں کہ انہوں نے اصلاح کے حصول کے لئے اپنی اپنی جگہ اجتہاد کیا اور مجتہد کے بارے میں مسئلہ اصول ہے کہ اگر اس سے غلطی ہو جائے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔ اور اگر وہ حق کو پالیتا ہے تو اس کو دو اجر دیے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے شہادت پانے والے تمام صحابہ جنتی ہیں۔ یہی حق بات علامہ العینی، علامہ کرمانی اور علامہ القسطلانی نے حضرت ابو بکرؓ کی جو روایت بخاری میں کتاب الایمان میں منقول ہے، اس کی شرح میں لکھتی ہے لے

علامہ کرمانی نے اس کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ اخف بن قیس کو جب حضرت ابو بکرؓ نے جنگ جمل میں حصہ لینے سے روکا، اور خود بھی حصہ نہ لیا۔ تو یہ بھی ان کا ذاتی اجتہاد تھا۔ لہذا اس میں بھی ان کو اجر دیا جائے گا لے

وایسے بھی اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کے بارے میں جب یہ فرمادیا کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے تو کسی بھی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کے بارے میں کسی قسم کی زبان درازی کا مرتکب ہو۔ ہماری عافیت اسی میں ہے کہ ہم صحابہؓ کے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیں کیونکہ وہی سب سے زیادہ جاننے والا علیم وخبیر ہے۔

جہاں تک حضرت ابو بکرؓ سے مروی روایات کا تعلق ہے تو انہوں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کو روایت کیا ہے اور وہ قرآن حکیم کی تعلیم کے عین مطابق ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ کی ایسی روایات

لے۔ الکرمانی، جلد ۱ ص ۱۴۳۔ عمدۃ القاری، جلد ۱ ص ۲۱۲۔ ارشاد السامی، جلد ۱ ص ۱۱۷۔

لے۔ الکرمانی، جلد ۱ ص ۱۴۳۔

کا انکار و حقیقت قرآن پاک کا انکار ہو گا۔ لیکن ”روحانی خیال“ حضرات کے پیش نظر ایسی کوئی بات نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کا مشن ہی قرآن و سنت کی تعلیم کو منہ کرنا اور لوگوں کے دلوں میں شک و شبہ پیدا کرنا ہوتا ہے اس کی بھی وضاحت انشاء اللہ اپنے مقام پر ہو جائے گی۔

عورت کی سربراہی کے بارے میں حدیث مشہور کیوں نہ تھی؟

جناب رحمۃ اللہ طارق کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث اگر درست تھی تو مشہور کیوں نہ تھی؟ جنگ جمل میں پچاس ہزار صحابہؓ اور تابعینؓ کو اس کے بارے میں خبر کیوں نہ ہوئی؟ حضرت حسنؓ نے معرکہ جمل کے موقع پر بصرے کے کوچہ و بازار میں سیدہ موصوفہ کے خلاف بڑے معرکہ الآراء کیسچر دیئے مگر کہیں بھی اپنے نانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت کا حوالہ نہ دے سکے۔ اگر اس روایت کا پہلے سے وجود ہوتا تو بروقت صدیقہؓ کی محاذ آرائی کو روکا جاسکتا تھا۔

اصل میں اس اعتراض کے پیچھے وہ غلط مفروضہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کی قیادت ہنگامی اور اتفاقیہ نہیں بلکہ مستقل اور پروگرام کے تحت تھی۔ جب حضرت عائشہؓ کی قیادت کو ہنگامی اور اتفاقیہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر کوئی اشکال نہیں رہتا۔ کیونکہ حصولِ اقتدار ان کا مقصد نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے فوراً قصاص لینے پر حضرت علیؓ کو آمادہ کرنا تھا۔

دیکھنے اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ عائشہؓ کی اس وقت اُمت محمدیہؓ میں کیا حیثیت تھی؟ کیا وہ کسی سیاسی پارٹی کی سربراہ تھیں۔ کیا خلافت پر قابض ہونے کا ان کا کوئی پروگرام تھا؟

ظاہر ہے کہ ان کو امت محمدیہ میں اُمّ المؤمنین ہونے کی حیثیت میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب انہوں نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کی بات کی تو بہت سے لوگ ان کا ساتھ دینے پر تیار ہو گئے۔

یہ بھی ایک مسئلہ حقیقت ہے کہ ان کی کوئی سیاسی پارٹی نہ تھی۔ اور نہ ہی وہ خلافت کے حصول کے لئے کوشاں تھیں۔ اسی لئے جو کچھ ان سے ہوا۔ اود جنگِ جمل کا جو نتیجہ ان کے سامنے آیا تو انہوں نے اس پر افسوس اور ندامت کا اظہار کر دیا۔ لیکن رحمت اللہ طارق اود ان کے ساتھی اس حقیقت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ اس پر مصر ہیں کہ ٹھیک ہے کہ عائشہؓ کا ایسا پروگرام نہ تھا لیکن تیس ہزار انسانوں نے ان کی قیادت کو تسلیم کیا۔ اگر اس میں کوئی شرعی قباحت ہوتی تو صحابہؓ اور تابعینؓ ان کی قیادت کو قبول نہ کرتے اور اس سے عورت کی امارت و صدارت بھی قابلِ اعتراض نہیں رہتی۔

جس زاویے سے عورت کی سربراہی کی حمایت کرنے والے حضرت عائشہؓ کی ہنگامی اور اتفاقی قیادت کو سیاسی رنگ دینے کی کوشش کر رہے ہیں تو پھر اسی زاویے سے عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کی صداقت میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں رہتا اور جو کچھ حضرت ابو بکرؓ نے کہا تھا وہ صحیح ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ اپنے معاملے کو عورت کے سپرد کرنے والوں کو فلاح حاصل نہ ہوئی۔ اور جو مشن لے کر مکہ مکرمہ سے نکلے تھے وہ بھی پورا نہ ہوا۔ اس سے تو قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ جب بھی مسلمان اپنا معاملہ عورت کے ہاتھ میں دیں گے تو کامیابی ہرگز نصیب نہ ہوگی۔ جب اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ عیسیٰ عظیم عورت کو کامیابی حاصل نہ ہوئی تو آج ایک ایسی عورت کو نصیب کیسے ہوگی جو اسلامی تعلیم کو پامال کر رہی ہے۔

لیکن ائمہ حدیث نے حضرت عائشہؓ کی قیادت کو وہ رنگ کبھی نہیں دیا جو آج کے متجددین حضرات دینے پر تلے ہوئے ہیں۔

بڑی مفصل بحث کے بعد ثابت کر دیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ کی قیادت والا مسئلہ جنگ جمل کے ساتھ ختم ہو گیا اور صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے کبھی بھی اس کو اچھالنے کی کوشش نہیں کی۔

رہی بات یہ کہ پچاس ہزار صحابہ اور تابعین کو اس روایت کا علم کیوں نہ ہوا جس نے حضرت ابو بکرؓ کو نفع دیا اور حضرت حننؓ نے بصرہ میں معرکہ الآراء لیکچروں میں اس کا ذکر کیوں نہ کیا۔ ۹

حضرت حننؓ کے بارے میں جو دعوائے کیا گیا ہے وہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیوں کہ ایسا کسی بھی تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ تاریخ ہمیں یہ ضرور بتاتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے ساتھ ان کو کوفہ بھیجا گیا۔ تاکہ اہل کوفہ کو حضرت علیؓ کی مدد پر ابھاریں۔ وہاں بھی زیادہ تر گفتگو حضرت عمرؓ کے بارے میں کی۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

لیکن یہ بات تو سامنے آئی ہے کہ جناب رحمت اللہ طارق نے اپنی بات کو دہرائی کرنے کے لئے دمع غ کوئی کا سہارا لینے سے بھی دریغ نہیں کیا اور اس بات کا بھی خیال نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کا نام لے کر ناحق بات کہہ رہے ہیں۔

علم حدیث سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی گئی ہر حدیث کے بارے میں ہر صحابی اور تابعی باخبر ہو۔ کیوں کہ بہت سی ایسی احادیث ہیں کہ جن کے بارے میں ایک ہی صحابی کو علم تھا اور اس نے کسی خاص موقع پر اس کا ذکر کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے بارے میں حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجنیز و تکفین سے فارغ ہو کر آپ کو آپ کے گھر میں جب چارپائی پر رکھا گیا تو آپ کو دفنانے کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا۔ کسی کہنے والے نے کہا، کہ ہم آپ کو آپ کی مسجد میں دفن کریں گے۔ دوسرے نے کہا کہ ہم آپ کو آپ کے صحابہ کے ساتھ

دنائیں گے۔ حضرت ابوبکر الصّدیق نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا۔

ما قبض نبی الا دفن کونبی علیہ السلام کو اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے

حدیث یقبض ۔ جہاں اس کی روح قبض کی جاتی ہے ؟

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بستر مبارک کو اٹھایا گیا۔ جس میں آپ کی روح قبض کی گئی تھی۔ اور اس کے نیچے آپ کی قبر مبارک کھودی گئی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کے بارے میں منقول ہے کہ لوگ آپ کی میت مبارک کے پاس آتے اور نماز جنازہ پڑھتے۔ پہلے جماعت درجماعت مرد داخل ہوتے رہے۔ ان کے بعد عورتیں پھر ان کے بعد بچے داخل ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی گئی نماز میں کوئی امام نہ بنایا گیا۔ اس کی پوری تفصیل میری کتاب ”جنازے کے مسائل“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حضرت ابوبکر الصّدیق کی روایت کردہ حدیث اگر صحابہ میں مشہور ہوتی تو ان کے درمیان اختلاف نہ ہوتا۔ جناب رحمت اللہ طارق جیسا کوئی روشن خیال وہاں اس وقت موجود ہوتا، تو وہ اعتراض کر سکتا تھا کہ حضرت ابوبکر الصّدیق کے علاوہ کسی اور کو یہ حدیث معلوم کیوں نہیں؟ لیکن صحابہ کے سامنے جب آپ کا ارشاد مبارک سنایا گیا۔ تو اختلاف فوراً ختم ہو گیا۔

خلافت کے بارے میں حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد انصار کے ذہنوں

۱۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۶۳۔ تالیخ طبری جلد ۲ الجز ۳ ص ۲۰۵۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۹۲-۲۹۳۔

۲۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۲ ص ۲۸۸-۲۸۹۔ ۳۔ شائع کردہ۔ دار الدعوة السلفیہ شیش محل روڈ۔ لاہور

میں یہ خیال آیا۔ چونکہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت مدد کی جب ان کا کوئی ساتھ دینے کو تیار نہ تھا۔ لہذا آپ کے بعد خلافت ہمارا حق ہے۔ لیکن جب ابوبکر الصديق ان کو سمجھانے کے لئے ان کے پاس گئے۔ تو ان میں سے کسی نے یہ کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے۔ اس موقع پر بھی حضرت ابوبکر الصديق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد مبارک سنایا۔ جس سے معاملہ طے ہو گیا۔

انصار کا پروگرام تھا کہ حضرت سعد بن عبادہ کو امیر بنایا جائے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر الصديق نے انہی سے مخاطب ہو کر کہا:-

لقد علمت يا سعد ان	”اے سعد! آپ جانتے ہیں کہ جب
رسول الله صلى الله عليه وسلم	آپ بیٹھے ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس خلافت کے والی قریش
قال وانت قاعد قریش ولا	ہوں گے پس نیک لوگوں کی اتباع نیک اور
هذا الامر فبئ القاس تبع	بُرے لوگوں کی اتباع بُرے لوگ
لبرهم وفاجرهم تبع	کریں گے۔ سعد نے کہا، آپ نے
لفاجرهم قال فقال له سعد	سچ کہا۔ آپ امیر ہوں گے۔ اور ہم ذریعہ
صدقت نحن الوزراء وانتم	ہوں گے۔“
الامراء	

اگر یہ حدیث پہلے مشہور ہوتی تو انصار کے ذہنوں میں کبھی یہ بات نہ آتی کہ خلافت ہمارا حق ہے یا ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر مہاجرین قریش میں سے ہوگا۔ آج کل کے تجدد و زودہ اگر اس وقت

مدینہ میں موجود ہوتی تو نتیجہ کیا ہوتا؟

حضرت عمر فاروق کا شام سے لوٹنا

سلسلہ میں حضرت عمر فاروقؓ مہاجرین اور انصار کے ساتھ شام تشریف لے جاتے ہیں سرخ کے مقام پر اسلامی لشکروں کے جنرل حضرت ابو عبیدہ بن جراح - حضرت یزید بن ابی سفیان اور حضرت شرمیل بن حسنہ ان کا استقبال کرتے ہوئے امیر المؤمنین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اس جگہ بیماری پھیلی ہوئی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے مہاجرین اولین کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا تو ان میں سے کسی نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی رضا اور حصول ثواب کی خاطر نکلتے ہیں۔ اس لئے ہماری رائے میں کسی بیماری کو اس میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیئے۔ کسی نے کہا کہ ہمارے خیال میں یہ بیماری اور ہلاکت ہے اس لیے آپ کو واپس لوٹ جانا چاہیئے۔ ان میں جب اختلاف ہوا تو امیر المؤمنین نے حکم دیا کہ انصار کو جمع کیا جائے۔ جب وہ سب حاضر ہو گئے تو ان میں بھی مہاجرین جیسا اختلاف ہو گیا۔ امیر المؤمنین نے پھر فتح مکہ کے مہاجرین کو جمع کر کے مشورہ کیا تو ان کے دو شخصوں نے بھی آپس میں اختلاف نہ کیا اور سب نے رائے دی کہ امیر المؤمنین کو واپس چلے جانا چاہیئے۔

حضرت ابن عباسؓ کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ امیر المؤمنین واپس جا رہے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو امیر المؤمنین نے فرمایا۔

اے لوگو! ہم واپس جا رہے ہیں۔ تم بھی واپس چلو۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے کہا۔ کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا۔ ہاں۔ ہم اللہ کی تقدیر سے بھاگ کر اللہ کی تقدیر کی طرف جا رہے ہیں۔ پھر وضاحت

کے طور پر فرمایا کہ کوئی شخص ایسی وادی میں اترے کہ اس کے دو کنارے ہوں۔ ایک سرسبز اور دوسرا خشک ہو۔ جو خشک کنارے پر پھرتا ہے تو وہ اللہ کی تقدیر ہے۔ اور جو سرسبز کنارے پر پھرتا ہے تو وہ بھی اللہ کی تقدیر ہے۔ پھر انہوں نے کہا۔ اے ابو عبیدہ کاش یہ بات آپ کے علاوہ کسی اور نے کہی ہوتی ہاس کے بعد حضرت ابو عبیدہ کو لے کر ایک طرف ہو گئے۔ جب لوگ اسی حال میں تھے تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ آگئے۔ وہ لوگوں سے پیچھے رہ گئے تھے اور کل والی کسی مجلس میں حاضر نہ ہوئے تھے۔ انہوں نے لوگوں سے پوچھا۔ کیا بات ہے؟ جب انہیں تمام حال بتایا گیا۔ تو انہوں نے کہا کہ اس بارے میں میرے پاس علم ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا۔ آپ ہمارے نزدیک امین اور صادق ہیں۔ جو آپ کے پاس علم ہے اس سے ہمیں بھی آگاہ کریں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔

اذا سمعتم بهذا الوباء ”جب تم سنو کہ یہ وبا کسی شہر میں ہے تو
ببلا فلا تقدموا عليه و وہاں مت جاؤ اور جب تم کسی شہر میں ہو
اذا وقع وانتم به فلا اور وہاں وبا واقع ہو جائے تو پھر وہاں سے
تخرجوا فراراً منه فلا بھاگ کر نہ نکلو۔ اور تمہارے نکلنے کا مرتبہ
يخرجكم الا ذلك۔ وہ سبب نہ ہو۔“

حضرت عمر فاروقؓ نے یہ حدیث سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور فرمایا۔
اے لوگو! واپس چلے چلو۔ پس وہ ان کو لے کر واپس لوٹ آئے۔

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اور سالم بن عبداللہ بن عمرؓ دونوں کا کہنا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت
عبدالرحمن بن عوفؓ سے حدیث سن کر لوگوں کو لے کر واپس پلٹے۔

اس واقعہ سے بھی عیاں ہوا کہ طاعون کے بارے میں جو حدیث رت عبد الرحمن بن عوف نے شام میں سنائی۔ وہ مہاجرین اولین انصار اور مہاجرین فتح مکہ میں سے کسی کو بھی معلوم نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ اگر ہوتی تو اختلاف تک نوبت نہ پہنچتی۔

مجوس سے جزیرہ لینا

حضرت عمر فاروقؓ مجوس سے جزیرہ وصول کرنے کے بارے میں کچھ متردد تھے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی واضح راہنمائی ان کے علم میں نہ تھی۔ لیکن جب حضرت عبد الرحمن بن عوف نے یہ گواہی دے دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوس سے جزیرہ وصول کیا تھا تو انہوں نے مجوس سے جزیرہ وصول کیا۔

یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے کہا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ مجوس کے بارے میں کیا کروں؛ حضرت عبد الرحمن بن عوف نے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ ان کے ساتھ اہل کتاب والا معاملہ کرو گے

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں صحابہؓ کی کتنی بڑی تعداد موجود تھی، لیکن جزیرہ جیسے اہم مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرنے والے صرف حضرت عبد الرحمن بن عوف تھے۔ اور بلا تردّد حضرت عمر فاروقؓ نے ان کی سنائی ہوئی حدیث کو قبول کر لیا۔

احادیث کی کتابوں میں بہت سی احادیث ایسی ہیں کہ جن کے راوی ایک ہی صحابی ہیں۔ لہذا

۱۔ سنن الدارقطنی، جلد ۲ ص ۱۵۵۔ کنز العمال، جلد ۴ ص ۵۰۲۔

۲۔ موطا امام مالک، جلد ۴ ص ۲۰۷۔ السنن الکبریٰ، جلد ۹ ص ۱۸۹۔

جناب رحمت اللہ طارق اور رفیع اللہ شہاب صاحب کو احادیث پر اعتراض کرتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ حدیث اور خاص کر امام بخاری کو علم حدیث کی جرح و عطا فرمائی تھی۔ اس کی وجہ سے وہ اُمت محمدیہ میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ اعتراض کرنے کو تو ہر شخص جب چاہے۔ جیسا چاہے کر سکتا ہے۔ ان لوگوں نے تو چند احادیث کو عورت کی سربراہی کے سلسلے میں ٹھکرایا ہے۔ پاکستان میں ایسے بھی ہیں جو صرف قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کو قبول کرنے پر تیار نہیں۔ وہ بھی ہیں جو قرآن کا انکار کرنے کے ساتھ اسلام کی ساری تعلیم کو فرسودہ قرار دیتے ہیں۔ ایسے ہی ایک شخص کا شعر ہے

سب رسولوں کی کتابوں کو تاک پر رکھ دو فرما
نفرت کے ان صیغوں کو عمر بھر دیکھے کا کون

ایسے شخص پر گرفت کرنے کی بجائے اس کو انتہائی اہم اور علمی ادارے، اکادمی ادبیات پاکستان، لاڈلر کٹر بنادیا گیا ہے۔ اس سے بڑھ کر اسلام کے ساتھ مذاق اور کیا ہو سکتا ہے؟

حضرت عائشہؓ حضرت ابوبکرؓ کی ملاقات

جناب رحمت اللہ طارق اور رفیع اللہ شہاب جیسے حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت ابوبکرؓ کی توہین و تذلیل میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ لیکن حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نزدیک وہ اس قدر قابل احترام تھے کہ بصرہ پہنچ کر انہوں نے ان کو بلایا اور ان سے تعادون چاہا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے۔

ان عائشۃ ارسلت الی ابی بکرۃ
بے شک عائشہؓ نے ابوبکرؓ کو پیغام بھیج کر بلایا

فَقَالَ اِنَّكَ لَامٍ وَاِنْ حَقَّقْتَ (ابوبکرؓ) نے کہا۔ بلاشبہ آپ ماں ہیں اور
لعظیم وَلٰكِنْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ آپ کا حق بہت زیادہ ہے لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ وہ قوم کسی صلاح نہیں
لَنْ يَفْلِحَ قَوْمٌ تَمْلِكُهُمْ اِمْرَاَةٌ پائے گی جس کی والی عورت بن جائے گی۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی خواہش تھی کہ حضرت ابوبکرؓ بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص کے بارے میں ان کا ساتھ دیں۔ حالانکہ ان کو بھی معلوم تھا کہ یہ وہی حضرت ابوبکرؓ ہیں کہ جن پر حدّ قذف لگی تھی جب اُمّ المؤمنینؓ کی طرف سے ان کو پیغام ملا تو وہ فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور انتہائی ادب و احترام کے ساتھ اُمت کی ماں ہونے کے ناطے جو ان کا حق تھا۔ اس کا اعتراف کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ اماں جان وہ کام کر رہی ہیں جو ان کے منصب کے مطابق نہ تھا اور جس کی قرآن و سنت میں ان کے لئے اجازت نہ تھی۔ تو انہوں نے اماں جان کی خدمت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک پیش کر دیا۔ کسی بھی حدیث یا تاریخ میں منقول نہیں کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو جھٹلایا یا ان کی بات کا بُرا منایا۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ والی روایت ہر قسم کے شک و شبہ سے محفوظ ہے کیونکہ اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو حافظ ابن حجرؒ اس کا ضرور ذکر کرتے۔

مشہور نہ ہونے کی وجہ

رہی بات کہ حدیث اگر صحیح تھی تو مشہور کیوں نہ ہوئی؟ اس کا سیدھا سادہ سا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر جنگِ جمل تک کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آیا کہ جس میں اس

حدیث کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آتی لیکن جیسے ہی جنگِ جمل کے موقع پر حضرت ابو بکرؓ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کی قیادت حضرت عائشہؓ کے ہاتھیں دیکھی تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی حدیث یاد آگئی۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کے اپنے الفاظ ہیں۔

فَلَمَّا قَدِمْتُ عَائِشَةَ " حضرت عائشہ جب البصرہ آئیں تو
ذَكَرْتُ ذَلِكَ فَعَصَمَنِي مجھے وہ یاد آگیا (جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اللہ سے سنا تھا) پس اللہ نے مجھے بچا لیا۔
ان الفاظ سے پہلے حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ بھی نقل کیا ہے۔

عَصَمَنِي اللَّهُ بِشَيْءٍ سَمِعْتُهُ " اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے ذریعے بچا لیا۔ جو
مَنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔
اس حدیث پاک کی بعینہ وہی صورت ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک، قریش
میں خلافت، طاعون کی وبا کے بارے میں ہدایت اور جو بس سے جزیہ وصول کرنے والی احادیث کی ہے
یعنی ان کے بیان ہونے سے پہلے وہ بھی مشہور نہ تھیں۔

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت زبیرؓ کو عین جنگِ جمل کے موقع پر حضرت علیؓ نے وہ حدیث
سنائی جو ان کے ذہن سے نکل چکی تھی۔ لیکن جیسے انہوں نے حدیث سنی تو لڑائی کا ارادہ ترک کر کے میدان
چھوڑ دیا۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ کو بصرہ لانے میں انہوں نے مرکزی کردار ادا کیا تھا۔

لہذا یہ استدلال درست نہیں کہ جو حدیث مشہور نہ ہو وہ قابلِ حجت نہیں ہو سکتی۔ صحیح بخاری میں
عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث تو ایسی ہے کہ ائمہ حدیث و تفسیر و فقہ میں سے کسی ایک نے

اس کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ سیرت، تفاسیر، احادیث، تاریخ اور فقہ کی کئی کتابوں میں اسی حدیث کے حوالے سے عورت کی سربراہی یا اس کے قاضی بنائے جانے کی نفی کی گئی ہے۔

- ۱۔ تفسیر ابن کثیر۔ جلد ۱۔ ص ۴۹۱
- ۲۔ تفسیر روح المعانی، ۱۹۔ ص ۱۷۱۔
- ۳۔ تفسیر المازن، جلد ۳۔ ص ۴۰۸۔
- ۴۔ تفسیر المنہج، جلد ۷۔ ص ۱۱۰۔
- ۵۔ احسن التفاسیر، جلد ۵۔ ص ۵۶
- ۶۔ تفسیر مواہب الرحمن، ۱۹۔ ص ۲۳۰۔ ۱۹۔ ص ۲۲۔
- ۷۔ تفسیر ماجدی، ۱۹۔ ص ۷۶۶
- ۸۔ سیرت حلبیہ، جلد ۳۔ ص ۲۹۳۔
- ۹۔ جامع الترمذی، جلد ۲۔ ص ۶۱
- ۱۰۔ سنن النسائی، جلد ۲۔ ص ۳۰۱
- ۱۱۔ مسند احمد، جلد ۲۔ ص ۳۸ - ۴۳ - ۴۷۔
- ۱۲۔ جامع الاصول، جلد ۴۔ ص ۴۹۔
- ۱۳۔ المغنی لابن قدامة، جلد ۹۔ ص ۳۹۔
- ۱۴۔ المیزان الکبیری، جلد ۲۔ ص ۱۸۹۔
- ۱۵۔ المعارف لابن قتیبة، ص ۲۹۳
- ۱۶۔ المستدرک، جلد ۲۔ ص ۲۹۱ - ۵۲۵۔
- ۱۷۔ تاریخ الخلفاء، جلد ۲۔ ص ۲۴۵

- ۱۸۔ فتح القدیر، جلد ۶۔ ص ۳۹۱۔
- ۱۹۔ فتاویٰ الشامی الجزء الرابع، حاشیہ ص ۳۶۔
- ۲۰۔ کنز العمال، جلد ۶۔ ص ۲۳۔ ۷۹۔
- ۲۱۔ الاحکام السلطانیہ۔ ص ۲۷۔
- ۲۲۔ تفسیر ترجمان القرآن، پٹ۔ ص ۶۴۲۔
- ۲۳۔ جمع الفوائد، جلد ۱۔ ص ۴۴۔ ۵۴۔
- ۲۴۔ الجامع الصغیر، جلد ۲۔ ص ۱۲۷۔
- ۲۵۔ نیل الاوطار۔ جلد ۸۔ ص ۲۸۳۔
- ۲۶۔ سبل السلام۔ جلد ۴۔ ص ۱۲۳۔
- ۲۷۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ ص ۳۲۱۔
- ۲۸۔ مرقاة، جلد ۷۔ ص ۳۱۵۔
- ۲۹۔ کشف الخفاء۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۰۔ ۱۵۱۔
- ۳۰۔ حجة الله البالغة، جلد ۲۔ ص ۱۳۷۔
- ۳۱۔ جمع الجوامع (قلمی نسخہ)

مذکورہ کتب کے عالی مرتبہ مصنفین کو اگر حضرت ابو بکرؓ سے مروی روایت میں کوئی عیب نظر آتا تو وہ ضرور اس کی نشاندہی کرتے لیکن انہوں نے وہی بات نقل کی ہے جو آج کل کے روشن خیال حضرات کو قابل قبول نہیں۔

الحسن البصري رحمه الله عليه

اہل سنت کے نزدیک اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جو قوم اپنا معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے گی وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔ اس کے بعد کسی اور دلیل کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن اس کتاب میں بتانا اور دکھانا مقصود یہ ہے کہ ”روشن خیال“ حضرات اپنے مطلب کی بات کو کس طرح کرتے ہیں۔ اور ایسا کرتے ہوئے کذب و دجل اور خیانت کے مرتکب ہونے میں ذرا سی شرم محسوس نہیں کرتے۔

حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں ائمہ حدیث و رجال نے جو تعریفی کلمات لکھے ہیں اور ان کے جو مناقب بیان کئے اور ان کے ثقہ ہونے کے بارے میں جو کچھ نقل کیا ہے ”روشن خیال“ حضرات نے کمال چابکدستی کے ساتھ وہ سب گول کر دیا ہے اور اپنے مطلب کی بات کو یوں پیش کیا ہے۔ جناب عوف کے استاد اور تابعین کے مشہور پیر طریقت حسن ابن ابی الحسن البصری (متوفی ۱۱۰ھ) جو کہ اس سند کے دوسرے اہم راوی ہیں۔ بایں جلالت شان احادیث نبوی میں بدترین قسم کا تصرف کرنے کے عادی تھے۔ علامہ خزرجی (متوفی ۱۷۱ھ) نے لکھا ہے کہ یہ شخص صحابہ کرام کی بھاری جمعیت سے یونہی مرسل روایتیں بیان کیا کرتا تھا اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ حسن بصریؒ نے جس روایت کو مرسل انداز سے روایت کیا ہو تو وہ ناقابلِ حجت ہے۔

علامہ خزرجی اور ابن سعد وغیرہ کی تصریحات سے واضح ہوا کہ حسن بصریؒ منقطع اور مرسل روایتیں بیان کرنے کا عادی تھا۔ وهو المطلوب۔ (یعنی یہی ہمارا مطلوب ہے)

خزرجی کے حوالے سے یہ بھی فرمایا ہے کہ جندبؓ، انسؓ، عبدالرحمن بن مغیرہؓ، ابو بکرؓ، مقل بن یسارؓ، ابو ہریرہؓ اور سمرہ رضی اللہ عنہم سے حضرت حسن بصریؒ کی روایت ثابت نہیں جب حسن بصریؒ

کی روایت ابو بکرؓ سے ثابت ہی نہیں ہے تو ہم کیونکر باور کریں کہ عورت کی سربراہی میں تباہی کا بغل عام کرنے یا جہنم دینے کے ذمہ دار تنہا حضرت ابو بکرؓ ہی ہو سکتے ہیں۔ یہ تو بڑا حدیث کے منقطع ہونے کا سبب ہے جسے مربوط کر دکھلانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ اگر منقطع نہ بھی تسلیم کیا جائے تو بھی تدلیس بجائے خود اتنا بڑا غیب ہے جو ایک مضبوط روایت کا دھڑلہ تختہ کر دینے کے لئے کافی ہے۔

جناب رحمت اللہ تعالیٰ کی منکوحہ عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کے راوی حضرت ابو بکرؓ اور ان کے شاگرد حسن بصریؒ کے درمیان حدیث سننے سنانے کا کوئی ربط نہیں تھا۔ اس لئے یہ روایت قابلِ حجت نہیں۔ اگر ربط ثابت بھی ہو جائے۔ تو حضرت حسنؒ بدلس تھے۔ اس لئے پھر بھی ان کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

امام بخاریؒ کی حدیث کو قبول کرنے کی شرط

تمام محدثین اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن حکیم کے بعد اصح ترین کتاب صحیح بخاری ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام بخاریؒ نے صرف ان احادیث کو الجامع الصغیر میں نقل کیا ہے کہ جن کے متون اور اسناد کی صحت میں کوئی کلام نہ تھا۔ ان کا معمول تھا کہ ہر حدیث کے راویوں کو دیکھا کرتے تھے، کہ ہم عصر ہونے کے ساتھ اُستاد اور شاگرد کی ملاقات بھی ہوتی ہے کہ نہیں۔ یعنی جس تابعی کی صحابی سے روایت کے ساتھ ملاقات ثابت نہ تھی۔ اس تابعی کی روایت کو انہوں نے قبول نہیں کیا۔ اسی طرح تابعی کے نیچے آخری راوی تک اس سلسلے کو انہوں نے اپنی الباع الصغیر کے لئے معیار بنانا تھا جو کسی اور محدث نے اپنی کسی بھی کتاب کے لئے نہیں اپنایا۔ اس خصوصیت کی بنا پر صحیح بخاری کو قرآن کے

بعد سب کتابوں پر فوقیت حاصل ہے۔

”روشن خیال حضرات بھول جاتے ہیں کہ امام بخاریؒ اسماء البرجیل اور جرج و تعدیل کے فن میں انتہائی بلند پایہ امام تھے۔ انہوں نے حقیقی طور پر تاریخِ کبیر اور کتاب الضعفاء لکھ کر اس فن کی بنیاد رکھی تھی۔ لہذا صحیح بخاری کی کسی حدیث کے راویوں پر اعتراض کرتے ہوئے یہ خیال کرنا کہ امام بخاریؒ اس سے ناواقف تھے تو یہ انتہائی نا سمجھی کی دلیل ہے۔ اگر عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت میں کسی قسم کا سقم یا ضعف ہوتا تو وہ کبھی بھی صحیح بخاری کا حصہ نہیں بن سکتی تھی۔“

جناب رحمۃ اللہ طارق اور رفیع اللہ شہاب نے حضرت ابوجبرؒ سے مروی روایت کے سب راویوں کو ضعیف ثابت کرنے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ رحمۃ اللہ طارق نے انقطاع کو دور کرنے کو جوڑے شیر لانے کے مترادف قرار دے دیا۔

علامہ خنزرجی کے حوالے سے اعلان کر دیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور ان کے شاگرد حضرت حسن بصریؒ کی آپس میں ملاقات ثابت نہیں۔ حالانکہ امام بخاریؒ نے الجامع الصغیر میں ہی واضح کر دیا ہے کہ اُستاد شاگرد دونوں کی آپس میں ملاقات ہوئی تھی۔

چنانچہ صحیح بخاری میں منقول ہے :-

حدثنا صدقة انا ابن	ہم سے صدقہ نے بیان کیا اس نے
عیینہ ثنا ابو موسیٰ عن	کہا کہ میں ابن عیینہ نے خبر دی کہ ہم سے ابو موسیٰ
الحسن انه سمع ابا بکرۃ	نے حسن بصری کے حوالے سے بیان کیا کہ انہوں
سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	نے حضرت ابوجبرؓ سے سنا انہوں نے رسول اللہ
علی المنبر والحسن الی جنبہ	صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر مبارک پر ارشاد فرماتے سنا
ینظر الی الناس مرة و	اس حال میں کہ حضرت حسنؓ ان کے پہلو میں بیٹھے ہوئے

الیہ مرة و یقول ابی تھے کبھی آپ لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی حضرت حسن
 ہذا سید و لعل اللہ کی طرف پھراپنے فرمایا میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ شاید
 ان یصلح بہ بین اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان
 فشتین من المسلمین لے اس کے ذریعے صلح کرادے۔“

امام بخاریؒ نے اس روایت کو تھوڑے سے اضافے کے ساتھ کتاب الفتن اور کتاب الصلح میں بھی
 نقل کیا ہے اور کتاب الصلح والی روایت کے آخر میں ان سے منقول ہے۔

قال لی علی بن عبد اللہ ”مجھ سے علی بن عبد اللہ (ابن المدینی)
 انما ثبت لنا سماع الحسن نے کہا کہ ہمارے لئے بلا شک و شبہ
 من ابی بکرہ بهذا اس حدیث سے حسن بصریؒ کا حضرت ابو بکرؓ
 الحدیث - سے سماع ثابت ہو گیا ہے۔“

کتاب الصلح والی روایت سے ابو موسیٰ اور حسن بصریؒ کے درمیان بھی ملاقات ثابت ہو جاتی
 ہے جب ابو موسیٰ کہتے ہیں۔ سمعت الحسن یعنی میں نے حسن کو سنا۔ الجامع الصمیم کی کسی سند پر وہی شخص
 اعتراف کر سکتا ہے جو امام بخاریؒ کے معیار سے واقف نہیں۔ امام بخاریؒ کی یہ بھی خوبی ہے کہ جب ایک
 روایت کو مختلف بابوں کے تحت نقل کرتے ہیں تو عموماً ہر سند میں ایک دو نئے راوی بھی لاتے ہیں۔
 علامہ ابن خلدون نے ایسے ہی نہیں لکھ دیا تھا کہ بخاریؒ کا درجہ بہت بلند ہے۔ اسی لئے علماء
 اس کی شرح بہت مشکل سے سمجھتے ہیں۔ اور اس کی مراد تک پہنچنا دشوار جانتے ہیں۔ کیونکہ اس کی گہرائیوں

تک پہنچنے کے لئے حدیث کے متعدد طرق اور ان کے راویوں کے بارے میں عبور حاصل کرنا پڑتا ہے۔
 ”روشن خیال“ حضرات آج تک ایک بھی ایسی رعایت پیش نہیں کر سکے کہ جس سے ظاہر ہوتا ہو۔ کہ
 صحیح بخاری کے شایعین میں سے کسی ایک نے حضرت ابو بکرؓ والی عدایت پر اعتراض کیا ہو۔ پاکستان کے
 لوگوں کو الجھانے کی کوشش میں انہوں نے ہر وہ حربہ استعمال کیا ہے جو کہ شاید غیر مسلموں نے بھی کبھی نہ کیا ہو۔

حضرت حسن بصریؒ کا محدثین کے نزدیک مرتبہ

بڑے نزد کا دعویٰ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت حسن بصریؒ کے درمیان ملاقات اور سماع
 ثابت نہیں لیکن امام بخاریؒ کے اپنے الفاظ میں اس کا رد کر دیا گیا ہے۔ چونکہ خزر جی اور ابن سعد کا
 خاص طور پر حوالہ دے کر اشکال پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لہذا مناسب ہو گا کہ دونوں بزرگوں
 نے حضرت حسن بصریؒ کی مدح میں جو کچھ لکھا ہے اس کی بھی ایک جھلک پیش کر دی جائے تاکہ معلوم
 ہو سکے کہ اپنے مطلب کا ایک جملہ لے کر باقی کو چھوڑ کر بدترین علمی خیانت کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔
 علامہ خزر جیؒ نے حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں ابن سعد کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

کان عالم اجامعا رفيعا	وہ عالم جامع، رفیع، ثقہ مامون، متقی
ثقة مامونا ناسکا کثیر	بہت زیادہ علم والے فصیح اور حسین د
العلم فصيحا جيلًا وسيمًا	جیل سے تھے۔ جب وہ مر سلا روایت کریں
ما ارسله ليس بجته	تو وہ حجت نہیں

۱۔ ابن خلدون: جلد ۱ ص ۲۳۳۔

۲۔ خلاصۃ تہذیب - تہذیب الکمال، جلد ۱ ص ۲۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۷۱۔ البدایۃ والنہایۃ: جلد ۹ ص ۳۶۷۔

ابن سعد کی اہل عبارت میں عالیا فقیہا عابد اسکے بھی الفاظ موجود ہیں
مرسل سے مراد وہ روایت ہے جو تابعی اپنے اُستاد صحابی کا واسطہ چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرے۔ اس پر بحث انشاء اللہ تعالیٰ تدلیس کے عنوان کے تحت ہوگی۔ لیکن یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں تعریفی کلمات کو جان بوجھ کر چھوڑ دینا اور اپنے مطلب کی بات کو اپنالینا یہ کیسی ایمانداری ہے۔ ۶۔

جہاں تک مرسل روایت کے حجت نہ ہونے کا تعلق ہے تو عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت نہ تو مرسل ہے اور نہ ہی اس میں تدلیس کا شائبہ موجود ہے کیونکہ حضرت حسن بصریؒ نے حضرت ابو بکرؓ کے واسطے سے اپنے شاگردوں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کو پہنچایا ہے اور حضرت حسن بصریؒ کا اپنے اُستاد حضرت ابو بکرؓ سے سماع صحیح بخاری میں ثابت ہے۔

علامہ خزر جیؒ نے یہ بھی نقل کیا ہے :-

قال ابو زرعۃ کُل شئ
قال الحسن قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وجدت
لہ اصلا ملیا خلا اربعة
”امام ابو زرعہؒ نے کہا کہ حسن بصریؒ نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ میں نے چار حدیثوں کے علاوہ اس کی اصل کو شائبہ

احادیث سے پایا۔“

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ”ملیا“ کی بجائے ”ثابت“ نقل کیا ہے سہ

۱۔ الطبقات الکبریٰ، جلد ۷ ص ۱۵۷۔

۲۔ خلاصۃ ترمذیہب ترمذیہب الکمال، جلد ۱ ص ۲۱۱۔

۳۔ تہذیب التہذیب : جلد ۲ ص ۲۶۶۔

اسی لئے ان کی تدلیس کے باوجود ان کو ثقہ کہا جاتا تھا۔ ممتہ ثین میں سے کسی نے ان کو منکر الحدیث مٹروک، کذاب، مجہول اور لیس بالقوی نہیں کہا۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کی پیدائش حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت سے دو سال پہلے مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ ان کی والدہ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کی آزاد کردہ لونڈی تھیں اور وہ اکثر ان کو چھوڑ کر کام کاج کے لئے چلی جاتی تھیں۔ بچہ جب روتا تو حضرت اُم سلمہؓ بچے کو چپ کرانے کے لئے اپنا پستان اُس کے منہ میں دے دیتیں۔ اللہ کی قدرت سے دودھ اُتر آتا اور بچہ پیٹ بھر کر پی لیتا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی حکمت و فصاحت اسی دودھ کی برکت کا نتیجہ تھی۔

ابن سعد سے مروی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو ان کو ایک چارپائی پر بٹھایا گیا۔ اور ان کے پاس لوگ جمع ہو گئے جن میں مجاہد، عطاء، طاؤس اور عمرو بن شعیب سی شخصیتیں بھی موجود تھیں۔ پس حسن بصریؒ نے لوگوں کو احادیث سنائیں۔ ان سب نے کہا یا ان میں سے بعض نے کہا۔

لعمرو مثل هذا قطر

”ہم نے اس کی مثل کسی کو نہیں دیکھا“

یزید رشک سے مروی ہے۔

كان الحسن على القضاء

”کہ حسن عہدہ قضا پر مامور تھے۔“

حمید بن حلال کا کہنا ہے کہ ہم سے ابوقتادہ نے کہا کہ اس شیخ یعنی الحسن بن ابی الحسن سے

چمٹ جاؤ۔

۱۔ الطبقات الکبریٰ: جلد ۷، ص ۱۵، المعارف لابن قتیبة: ص ۱۹۵۔ البدایہ والنہایہ: جلد ۹، ص ۲۶۶

وفیات الاعیان جلد ۲ ص ۶۹-۷۰۔

۲۔ الصنعا: ص ۱۵۸۔

۳۔ الصنعا: ص ۱۵۹۔

فَاتَى وَاللّٰهُ مَا رَاَيْتَ رَجُلًا
قَطَّ اَشْبَهَ رَاْيَا يَعْصَرَ بَيْنَ
”اس لئے کہ اللہ کی قسم! ان سے زیادہ
میں نے حضرت عمر بن خطاب کی رائے
المخاطب منہ لے
مشابہ کسی کو نہیں دیکھا“

عبداللہ بن عامر شعبی سے مروی ہے کہ ابن مسیرہ نے جب حسن بصریؒ اور امام شعبیؒ کو بلایا اور دونوں اکٹھے ہوئے تو امام شعبیؒ نے حسن بصریؒ کی تعریف کرنی شروع کر دی۔ ان کے بیٹے نے ان سے کہا۔ ابا جان! آپ جس قدر ادب و احترام اس شیخ کا کر رہے ہیں۔ ایسا کسی اور کے ساتھ کرتے ہوئے میں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ امام شعبیؒ نے فرمایا:-

يَا بَنِي اَدْرَكْتَ سَبْعِينَ مَن
اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ اَرِ احَدًا
قَطَّ اَشْبَهَ بِهِمْ مَن هَذَا
اَلشَّيْخُ لَے
اُسے میرے بیٹے! میں نے نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے (۷۰) صحابہ کرام کو پایا لیکن
اس شیخ سے بڑھ کر ان کے مشابہ میں نے
کسی ایک کو نہیں دیکھا“

✽

حمید اور یونس بن عبیدہ کا کہنا ہے۔
”ہم نے بہت سے فقہاء کو دیکھا
لیکن ہم نے حسن بصریؒ سے زیادہ کوئی
جامع نہیں دیکھا“

لے الطبقات الکبری: جلد ۱ - ص ۱۶۱

لے ایضاً: ص ۱۶۲

لے ایضاً: ص ۱۶۳

قتادہ کا قول ہے:-

كان الحسن من اعلم الناس بالحلل والحرام
 حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا :-
 سلوا الحسن فانه حفظ وفسينا
 احسن بصرى لوگوں میں سے حلال اور حرام کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے
 احسن بصرى سے پوچھو اس نے یاد کیا اور ہم بھول گئے۔
 البعلی کے الفاظ ہیں۔

تابعی ثقة، نیک آدمی اور صاحب السنۃ
 تابعی ثقة رجل صالح صاحب السنۃ

امام ابو عبد اللہ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے حضرت حسن بصری کی تدلیس کا ذکر کرنے کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ حافظ، علمی سمندر کے علامہ فقیہ النفس، کبیر الشان، عظیم النظر، طبع التذکر، بلغ الموعظہ اور ہر قسم کی خیر میں ممتاز تھے۔ ان کی دوسری کتاب میں کبیر الشان کے ساتھ رفع الذکر اور رأساً فی العلم والعمل بھی منقول ہے۔

۱ الطبقات الکبری: جلد ۷ ص ۱۶۲۔

۲ تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۶۴۔ البدایۃ والنہایۃ: جلد ۹ ص ۲۶۶۔

۳ تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۷۰۔

۴ تذکرۃ الحفاظ: جلد ۷ ص ۷۷۔

۵ الکاشف: جلد ۱ ص ۲۲۰۔

بڑی عجیب بات ہے کہ اگر حضرت حسن بصریؒ ویسے تھے جیسا کہ نقشہ جناب رحمت اللہ طارق نے کھینچا ہے تو ائمہ اسماء الرجال کو ان کے بارے میں وہ نہیں لکھنا چاہیے تھا کہ جس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔
امام الذہبیؒ کی میزان الاعتدال کا جو نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ اس میں رقم ۸۲۸ کے تحت منقول ہے

نعم قلت اما سميتہ۔ "ہاں میں کہتا ہوں۔ اگر تو ان کا نام
الامام البصری فشقہ لکنہ امام البصری لیتا ہے تو وہ ثقہ ہیں۔
یدلس عن ابی ہریرۃ وغیرہ لیکن ابو ہریرہؓ اور ایک سے زیادہ
ولحد فاذا قال حدثنا فهو سے تدلیس کرتے ہیں۔ جب وہ حدیثنا
ثقة بلونزاع واما سألہ کہیں تو وہ بلا نزاع ثقہ ہوتا ہے
القدر فصیح عنه الرجوع جہاں تک مسئلہ قدم کا تعلق ہے۔ صحیح
عنہا وانہا كانت زلفۃ بات یہ ہے کہ انہوں نے رجوع کر لیا
لسان لے تھا اور یہ زبان کا پھسلنا تھا۔"

امام الذہبیؒ کے قول کا معنی جناب رحمت اللہ طارق کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔ حسن بصریؒ بتصریحات محدثین غالی قسم کے مدلس تھے۔ امام الذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ حد سے بڑھے ہوئے مدلس تھے جب اپنے اوپر کے راوی سے عن کہہ کر روایت کریں تو اس کی روایت کسی حال میں بھی قابل حجت نہیں ہے بلکہ اس وقت تو اس کی روایت کا اعتبار بالکل ہی نہیں کرنا چاہیے جب وہ ایسے صحابی سے عن کہہ کر روایت کریں جن سے ان کی ملاقات ہی ثابت نہ ہو۔ جیسے ابو ہریرہؓ اور بقول خزرجی ابو جریفؓ نیز میزان الاعتدال ۱/ ۲۴۰ (۱۹۱۹ء)

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ چاکرستہ کے ساتھ سیدھی سی بارہ دُعا لجا دیا۔ عورت کی سسر برای کی نفی کرنے والی معایت میں حضرت ابوہریرہ کا کوئی تعلق نہیں۔ اور غزرجی کے قول کی نفی الجامع البصیح کی کتاب الصلح میں ہو جاتی ہے۔ جب امام بخاری نے اُستاد اور شاگرد کے درمیان سماع و ملاقات کو ثابت کر دیا تو کسی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ ویسے بھی حافظ ابن حجر عسقلانی نے سمرہ اور ابوہریرہ سے حسن بصریؒ کا سماع ثابت کر دیا ہے۔ یہ ضمنًا عرض ہے کیونکہ اس کا ہمارے موضوع سے تعلق نہیں۔

رحمت اللہ طارق صاحب طبقات المدین اور تقریب التہذیب کے حوالے سے یہ بھی فرمایا ہے۔ یہ شخص بقل حافظ ابن حجر مرسل روایتیں بیان کرنے کا اتنا عادی تھا کہ ہر کس و ناکس سببے وریغ روایت کر دیتا تھا اور بقول نسائی تدلیس اس کا دل پسند مشغلہ تھا۔ جب کہ تقریب التہذیب کی اصل عبارت یہ ہے۔

ثقة فقيه فاضل مشهور وہ ثقہ فقیہ اور مشہور فاضل تھے،
وكان يرسل كثيرًا اور وہ کثرت سے مرسل روایات بیان کیا
ویدلس لے کرتے اور تدلیس کرتے تھے۔

جہاں تک امام نسائی کے حوالے سے دل پسند مشغلہ والی بات ہے، معلوم نہیں کہ کس عربی لفظ کا یہ ترجمہ جناب رحمت اللہ طارق نے کر دیا ہے۔ جناب موصوف نے صرف یہیں اپنے مکالم کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اپنی ساری کتاب میں اسی اسلوب کو اپنایا ہے۔

تدلیس اور مرسل

تدلیس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تدلیس الاسناد اور دوسری تدلیس الشیوخ۔

لے تہذیب التہذیب، جلد ۲ ص ۲۶۹-۲۷۰ لے تقریب التہذیب، ص ۶۹

علامہ سیوطی، ابن الصلاح، خطیب بغدادی اور ڈاکٹر صبحی صالح نے الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ نقل کیا ہے۔

جب کوئی راوی ایسے شخص سے روایت کرے کہ جس سے اس کی ملاقات تو ہوئی ہو لیکن اس سے حدیث نہ سنی ہو۔ لیکن روایت کرتے ہوئے ایسا انداز اختیار کرے کہ جس سے یہ دہم ہو کہ اس نے ملاقات کے ساتھ حدیث بھی سنی تھی یا ایسے شخص سے روایت کرے کہ وہ اس کا ہم عصر تو ضرور تھا۔ لیکن دونوں کی آپس میں ملاقات نہ ہوئی۔ لیکن راوی یہ تاثر دے کہ اس سے اس کی ملاقات ہوئی اور اس سے اُس نے حدیث بھی سنی۔ اس کو تدلیس الاسناد کہا جاتا ہے۔

جب راوی کسی ایسے شیخ سے روایت کرے کہ جس سے اُس نے حدیث سنی تھی لیکن اپنے شیخ کا وہ نام لے یا ایسی کیفیت سے پکارے یا ایسی نسبت یا صفت کا ذکر کرے کہ جس سے شیخ کی پہچان نہ ہو سکے اس کا نام تدلیس الشیوخ رکھا گیا ہے۔

پہلی قسم سخت مکروہ ہے اور اکثر علماء نے اس کی مذمت کی ہے۔ شعبۂ نو اس میں سب سے زیادہ سختی کرنے والے تھے۔ امام شافعی سے مروی ہے کہ تدلیس جھوٹ کا بھائی ہے۔ شعبۂ کی مذمت اس انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ میں تدلیس کا مترجہ ہونے کی بجائے زنا کاری کو ترجیح دیتا ہوں۔ تدلیس کی روایت کو قبول کرنے کے بارے میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ ایک فریق کا کہنا ہے کہ اگرچہ سماخ ثابت ہو یا نہ ہو۔ اس کی روایت کو قبول نہ کیا جائے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ جس روایت کو تدلیس ایسے بیان کرے کہ جس سے سماع اور اتصال واضح نہ ہو تو ایسی روایت پر مرسل کا حکم جاری ہو گا۔ اور جس روایت میں اتصال سماعت، حدّ ثنا، اخبار نیا یا اس طرح کے الفاظ سے واضح ہو جائے تو وہ مقبول اور قابلِ حجت ہوگی۔ بخاری مسلم اور دوسری معتدلیہ کتابوں میں ایسی بہت سی روایات موجود ہیں۔

۱۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۶۶-۶۷۔ تدریب الراوی جلد ۱ ص ۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷-۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲-۱۵۵۳-۱۵۵۴-۱۵۵۵-۱۵۵۶-۱۵۵۷-۱۵۵۸-۱۵۵۹-۱۵۶۰-۱۵۶۱-۱۵۶۲-۱۵۶۳-۱۵۶۴-۱۵۶۵-۱۵۶۶-۱۵۶۷-۱۵۶۸-۱۵۶۹-۱۵۷۰-۱۵۷۱-۱۵۷۲-۱۵۷۳-۱۵۷۴-۱۵۷۵-۱۵۷۶-۱۵۷۷-۱۵۷۸-۱۵۷۹-۱۵۸۰-۱۵۸۱-۱۵۸۲-۱۵۸۳-۱۵۸۴-۱۵۸۵-۱۵۸۶-۱۵۸۷-۱۵۸۸-۱۵۸۹-۱۵۹۰-۱۵۹۱-۱۵۹۲-۱۵۹۳-۱۵۹۴-۱۵۹۵-۱۵۹۶-۱۵۹۷-۱۵۹۸-۱۵۹۹-۱۶۰۰-۱۶۰۱-۱۶۰۲-۱۶۰۳-۱۶۰۴-۱۶۰۵-۱۶۰۶-۱۶۰۷-۱۶۰۸-۱۶۰۹-۱۶۱۰-۱۶۱۱-۱۶۱۲-۱۶۱۳-۱۶۱۴-۱۶۱۵-۱۶۱۶-۱۶۱۷-۱۶۱۸-۱۶۱۹-۱۶۲۰-۱۶۲۱-۱۶۲۲-۱۶۲۳-۱۶۲۴-۱۶۲۵-۱۶۲۶-۱۶۲۷-۱۶۲۸-۱۶۲۹-۱۶۳۰-۱۶۳۱-۱۶۳۲-۱۶۳۳-۱۶۳۴-۱۶۳۵-۱۶۳۶-۱۶۳۷-۱۶۳۸-۱۶۳۹-۱۶۴۰-۱۶۴۱-۱۶۴۲-۱۶۴۳-۱۶۴۴-۱۶۴۵-۱۶۴۶-۱۶۴۷-۱۶۴۸-۱۶۴۹-۱۶۵۰-۱۶۵۱-۱۶۵۲-۱۶۵۳-۱۶۵۴-۱۶۵۵-۱۶۵۶-۱۶۵۷-۱۶۵۸-۱۶۵۹-۱۶۶۰-۱۶۶۱-۱۶۶۲-۱۶۶۳-۱۶۶۴-۱۶۶۵-۱۶۶۶-۱۶۶۷-۱۶۶۸-۱۶۶۹-۱۶۷۰-۱۶۷۱-۱۶۷۲-۱۶۷۳-۱۶۷۴-۱۶۷۵-۱۶۷۶-۱۶۷۷-۱۶۷۸-۱

امام سیوطیؒ اور ڈاکٹر جمعی صالح نے واضح کر دیا ہے کہ مدلسین کی جو روایات بخاری مسلم اور ان جیسی کتابوں میں ”عن“ سے مروی ہیں۔ وہ دوسری جہت سے ثابت ہونے پر معمول ہیں لے

ابن الصلاح کی وضاحت ہے کہ ان کی تدلیس جھوٹ نہیں بلکہ وہ ایک ابہام و خفا کی صورت ہے۔

مرسل کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ جب تابعی صحابی کے واسطے کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرے تو اس روایت کو مرسل کہا جاتا ہے۔

خلیب بغدادیؒ نے نقل کیا ہے کہ علماء کا مرسل کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ مرسل روایت مقبول ہوگی۔ جب عدول و ثقہ سے مروی ہوگی اور اس پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ یہ قول امام مالکؒ اہل مدینہ، امام ابو حنیفہؒ، اہل عراق اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کا بھی ہے۔ جب کہ امام محمد و اہل الشافعی اور ان کے علاوہ دوسرے اہل علم کے نزدیک اس پر عمل واجب نہیں ہوتا۔ حفاظ حدیث کے ائمہ اور نقاد اثر کی اکثریت کا موقف یہی ہے لے

امام قسطلانیؒ نے امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ امام احمدؒ کا نام بھی نقل کیا ہے۔ مقدمہ میں بھی منقول ہے کہ امام شافعیؒ، محدثین، ان کے جمہور اور فقہاء کی ایک جماعت کا مذہب ہے کہ حدیث مرسل حجت نہیں جب کہ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمدؒ اور اکثر فقہاء کے نزدیک مرسل حدیث حجت ہے لے۔

۱۔ تدریب الراوی: جلد ۱ ص ۲۳۰۔ علوم الحدیث: ص ۱۸۲۔

۲۔ مقدمہ ابن الصلاح: ص ۶۷-۶۸۔

۳۔ الکفایۃ: ص ۳۸۲۔ مقدمہ ابن الصلاح: ص ۵۰-۵۱۔ تدریب الراوی جلد ۱ ص ۱۹۸۔

۴۔ ارشاد الساری شرح صحیح البخاری: الجزء الاول: ص ۸- صحیح مسلم: مقدمہ ص ۱۷۔

ائمہ حدیث نے تدلیس اور مرسل کے بارے میں جو لکھا ہے اور حدیث کی جانچ اور پرکھ کا جو معیار قائم کیا ہے وہ بالکل حق ہے، اس سے کوئی بھی اختلاف نہیں کر سکتا۔ لیکن دیکھنا تو یہ ہے کہ آیا ائمہ حدیث اور جرح و تعدیل میں سے کسی ایک نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر کوئی اعتراض کیا ہے۔ حالانکہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت کے سارے راوی ان کے سامنے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ پر تہمت لگادی کہ وہ شافعی ہونے کے ناطے امام بخاری کی رعایت کر جاتے ہیں۔ اتنی بڑی تہمت لگاتے وقت خیال نہ آیا کہ صحیح بخاری کی شرح لکھتے وقت ۷۷۳ھ سے ۸۵۲ھ تک کے دور میں عورت کی سربراہی کا کوئی ایسا مسئلہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے سامنے تھا کہ جس کی بناء پر انہوں نے روشن خیال حضرات کی مخالفت میں امام بخاری کی طرف داری کی۔

ابن الصلاح نے نقل کیا ہے کہ لوگوں میں اس بات پر اختلاف ہوا کہ تابعین میں سے افضل کون ہیں۔ اہل مدینہ نے کہا کہ سعید بن المسیب ہیں۔ اہل کوفہ کا کہنا ہے کہ اویس قرنی ہیں۔ اہل اہل بصرہ کہتے ہیں کہ الحسن البصری ہیں۔

ہیں امام احمد بن حنبل کی یہ بات پہنچی ہے کہ حسن اور عطاء یعنی تابعین میں اُنکے بڑھ کر کوئی فتویٰ دینے والا نہیں۔ اُنہوں نے یہ بھی فرمایا کہ عطاء مکہ کے اور حسن بصرہ کے مفتی تھے۔ علامہ سیوطی نے بھی اہل مدینہ، اہل کوفہ اور اہل بصرہ کے اقوال نقل کئے ہیں۔

امام بخاریؒ نے الجامع الصحیح میں جن مدلسین سے روایات نقل کی ہیں۔ وہ ان کی تدلیس سے اچھی طرح واقف تھے اور جب وہ ان سے کوئی روایت نقل کرتے ہیں تو ان کے اسناد سے ملاقات بھی ثابت کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اُنہوں نے حضرت حسن بصریؒ اور حضرت ابو بکرؒ کے درمیان ملاقات

اور سماع کو واضح الفاظ میں ثابت کر دیا ہے

جناب رحمت اللہ طارق اور رفیع اللہ شہاب کی اس سے بڑھ کر چابکدستی اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کی اپنے اُستاد حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات اور سماع ثابت ہونے کے باوجود ان کی روایات کا انکار کر دیا۔ اگر جانتے ہوئے ایسا کر رہے ہیں تو صریحاً چابکدستی اور دجل ہے۔ اور اگر لاعلمی کی بنا پر ایسے کر رہے ہیں تو ان کو صحیح بخاری کا اچھی طرح مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

لطیفہ

جناب رحمت اللہ طارق نے خود ہی حوالہ دیا ہے کہ حسن کارزار جمل میں ہاتھ میں تلوار لئے عائشہؓ کے خلاف لڑنے جا رہے تھے کہ بقول ان کے ان کو وہی ابوبکرؓ ملے۔ اس کے باوجود ان کا کہنا ہے کہ حسن بصریؒ کی اپنے اُستاد سے ملاقات نہیں ہوئی ہے کسی بھی محدث کے نزدیک حضرت حسن بصریؒ غیر ثقہ نہیں جس کی کسی نے ان کی مراسلات اور تدلیس کا ذکر کیا تو ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ وہ ثقہ ہیں۔

امام ابو زرہؓ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ سوائے چار حدیثوں کے باقی ان تمام روایات کی ان کو اصل مل گئی جو حضرت حسن بصریؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل روایت کیں۔

علامہ عینیؒ - حافظ ابن حجرؒ - امام محی الدین النوفیؒ - امام ابن الصلاحؒ اور علامہ السیوطیؒ جیسی شخصیتیں جب صحیح البخاری کے بارے میں یہ فیصلہ دیں کہ قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب صحیح البخاری ہے

۱۔ صحیح البخاری کتاب الصلح: ص ۳۷۲ - ۳۷۳۔

۲۔ عورت اور مسئلہ امارت: ص ۳۵۔

۳۔ مقدمہ ابن الصلاح: ص ۱۲۔ تدریب الراوی جلد ۱ ص ۹۱۔ المقدمہ لصحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۳۔ الکرمانی: جلد ۱ ص ۳۔

عمدہ القاری: جلد ۵ ص ۵۵۔ کشف الظنون: جلد ۱ ص ۵۴۔ حدیث الساری: جلد ۱ ص ۸۔

اور علامہ ابن خلدون بخاری مسلم کی صحت اور قبولیت پر اُمت کا اجماع نقل کر دیں اے تو بخاری کے سب راویوں کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔ جن میں حضرت حسن بصری شامل ہیں۔
امام ابو داؤد نے بھی استاد شاگرد کی ملاقات ثابت کر دی ہے۔ کتاب الصلوٰۃ کے باب الرجل یرکع دون الصف میں زیاد بن الاعلم سے مروی ہے۔

شنا الحسن ان ابابکرۃ	* حسن نے ہم سے بیان کیا کہ بے شک
حدث انه دخل المسجد	ابوبکرؓ نے فرمایا کہ وہ مسجد میں داخل
ونبی الله صلی الله علیه	ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
وسلم راکع قال فرکعت	رکوع میں تھے۔ میں نے صف میں
دون الصف فقال النبی	لٹنے سے پہلے رکوع کر دیا۔ نبی کریم
صلی الله علیه وسلم زادك	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تیری بی
الله حرصا ولا تعد	حرص کو اور زیادہ کرے لیکن پھر ایسا نہ کرنا۔

یہاں حدیثنا اور حدث سے حضرت حسن بصری کی اپنے استاد حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات میں ذرا سا بھی شک نہیں رہتا۔

عوف بن ابی جمیلۃ الاعرابی

صحیح البخاری میں عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کے تیسرے راوی یعنی حسن بصری

۱ تاریخ ابن خلدون : جلد ۱ ص ۲۲۵۔

۲ سنن ابی داؤد۔ کتاب الصلوٰۃ : ص ۹۹۔

کے شاگرد حضرت عوف بن ابی حمیلہ الاعرابی ہیں۔ تعصّب جب کسی کو اندھا کر دے تو اس کا حق کو تسلیم کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ ہمارے ”روشن خیال“ حضرات کا ہے۔ چونکہ انہوں نے عورت کی سربراہی کو ہر قیمت پر جائز اور عین سنت کے مطابق ثابت کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ لہذا انہوں نے ہر اس بات کو غلط کہہ دینے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ جو ان کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہو۔ چنانچہ عوف بن ابی حمیلہ کے بارے میں ان کا ارشاد ہے۔

زیر بحث پولیٹیکل حدیث کی بخاری کے ذریعہ دو سندوں کا ایک راوی عوف بن ابی حمیلہ المتوفی ۲۴۵ھ بایں زہد و تقویٰ اور صدق شکاری باتفاق محدثین و ائمہ رجال شیعہ تھے اور شیعہ بھی اس شان کے کہ خود امام بخاری و مسلم کے مشفقہ استاد محمد بن بشر عرف بنادر المتوفی ۱۵۸ھ کو نہایت شدید لہجے میں کہنا پڑا کہ عوف نہ صرف رافضی تھا۔ شیطان بھی تھا۔ (بحوالہ میزان الاعتدال طبع مصر ۳۹/۲ تقریباً طبع مصر ۸۹/۲ وغیرہ)

ان کا کہنا ہے کہ کھانا یہ مقصود تھا کہ عوف کا اس گروہ سے تعلق تھا جو عائشہؓ کے بارے میں نیک خواہشات نہیں رکھتا تھا لہذا عائشہؓ کے بارے میں ان کی مخالفانہ گواہی بار نہ پاسکتی تھی۔ ”روشن خیال“ حضرات قرآن و سنت کو وہی درجہ دے رہے ہیں جو آج کل اخبارات یا مخالفانہ بیانات کو دیا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے عارضی اختلافات کو جو کسی بھی طرح سیاسی نوعیت کا نہ تھا۔ وہی رنگ دینے کی کوشش کر رہے ہیں جو کہ ہماری سیاست پر غالب رہتا ہے۔ جو بھی صحابیؓ یا تابعیؓ ان کو حضرت عائشہؓ کے گروہ کے ساتھ نظر نہیں آتے وہ اس کی ولایت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یعنی قوم کو اتحاد و اتفاق سے ہٹا کر ایک مستقل اختلاف و افتراق

کی طرف لگانے کے خواہش مند ہیں۔ حالانکہ جنگ جمل کے ختم ہوتے ہی حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان ہر قسم کا اختلاف ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا گیا تھا۔

”محدثین خیال“ حضرات کو شاید پتہ نہیں کہ علم حدیث میں محدثین گروہی اختلاف کو نہیں بلکہ حدیث کے متن اور اس کی سند کو دیکھتے ہیں۔ جب مروی حدیث ان کے معیار پر پوری اُترتی ہے تو اس کو نقل کر دیتے ہیں۔ امام بخاری کوئی اُن پڑھ اور علم حدیث سے ناواقف نہیں تھے بلکہ اُمت کا اجماع ہے کہ اس فن میں تو وہ سب کے امام تھے۔ اہل ان کا معیار بھی سب محدثین سے زیادہ سخت تھا۔ اسی سیلے صحیح بخاری کے تمام رجال کو عدول سمجھا جاتا ہے۔

عوف بن ابی حمیلہ کے بارے میں کسی کے شیعہ کہنے سے صحیح بخاری کی روایت مجروح نہیں ہو جاتی۔ امانت و دیانت کا تقاضا تھا کہ عوف اعرابی کے بارے میں اگر کسی نے کلام کیا ہے تو پہلے وہ اقوال نقل کرتے جو ان کی ثقاہت کا ثبوت ہیں۔ لیکن تعصب کی آگ میں جلنے والوں کو اس کی توفیق کم ہی ملتی ہے۔ کیونکہ ان کا مقصد حق کو پانا نہیں بلکہ حق کو مٹانا ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے عبداللہ بن احمد سے نقل کیا ہے کہ ان کے باپ نے عوف الاعرابی کو ثقہ اور صالح الحدیث کہا۔ امام ابن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا۔ امام ابو حاتم کا کہنا ہے کہ وہ صدوق و صالح تھے۔ امام نسائی کا فرمان ہے کہ وہ ثقہ اور ثابت تھے۔ مروان بن معاویہ سے مروی ہے کہ ان کو صدوق کہا جاتا تھا۔ محمد بن عبداللہ نے کہا کہ وہ صدوق تھے۔ ابن سعد کا قول ہے کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ امام ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ محمد بن عبداللہ کا یہ بھی قول ہے کہ وہ سب سے زیادہ ثابت تھے لہٰذا

امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ان کو عوف الصدوق کہا جاتا تھا۔ انہوں نے ان کے بارے میں امام نسائی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عوف ثقہ اور ثابت تھے۔ قیل یعنی کہا جاتا ہے کہ ساتھ انہوں نے ذکر کیا ہے۔

کان یتشیع لہ وہ تشیع کا اظہار کرتے تھے۔
حافظ ابن حجرؒ نے تشیع کی وضاحت یوں کی ہے۔

فاما تشیع فی عرف المتقدمین "تشیع متقدمین کے نزدیک یہ اعتقاد
ہو اعتقاد تفضیل علیؑ علیؑ تھا کہ حضرت علیؑ حضرت عثمان غنیؓ سے
عثمانؓ وان علیا کان افضل ہیں اور علیؑ اپنی بیٹوں میں حق
مصبیا فی حروبه۔ پر تھے۔

متأخرین کے نزدیک تشیع کا جو مطلب ہے اسے انہوں نے یوں واضح کیا۔
واما التشیع فی عرف المتأخرین "تشیع کے بارے میں متأخرین یہ سمجھتے ہیں کہ
فہو الرفض الماحض فلا تقبل یہ رفض محض ہے۔ پس رافضی غالی کی روایت
روایۃ الرافضی الغالی لہ قبول نہیں کی جائے گی۔

امام العیسیٰ المتوفی ۳۲۲ھ کی کتاب الضعفاء البکیر کے مقدمہ میں التہانوی کے حوالے سے ڈاکٹر
عبد المعطی امین قلعجی نے نقل کیا ہے کہ جب راوی ثقہ ہو تو تشیع کوئی جرح نہیں لے

۱۔ میزان الاعتدال: جلد ۳۔ ص ۳۰۵۔

۲۔ تہذیب التہذیب: جلد ۱ ص ۹۴۔

۳۔ التقدمة: کتاب الضعفاء البکیر: جلد ۱۔ ص ۶۶۔

ظاہر ہے کہ متاخرین کے مقابلے میں متقدمین کی رائے کو مقدم رکھا جائے گا۔
 صحابہؓ میں جو حضرت علیؓ کی دوسرے صحابہؓ پر فضیلت کے قائل تھے کیا ان پر نعوذ باللہ
 غالی رافضی ہونے کا فتوے لگایا جاسکتا ہے؟ اگر ان پر نہیں لگایا جاسکتا تو تابعین پر کیسے لگ سکتا ہے؟
 جمہوریت پر یقین رکھنے والے "نوشن خیال" حضرات کے نزدیک کیا یہی جمہوریت ہے کہ ۹-۱۰ اقوال کے
 مقابلے میں ایک قول کو اہمیت دے کر اکثریت کو ٹھکرا دیا جائے۔ ان کو معلوم نہیں کہ جن کے قول کو بڑے
 فخر کے ساتھ پیش کیا ہے، ان کے بارے میں بھی کلام کیا گیا ہے۔ عبد اللہ بن محمد بن سیار کا کہنا ہے۔

سمعت عمرو بن علی علف میں نے عمرو بن علی کو قسم کھا کر کہتے ہوئے
 ان ہندار یکذب فیما یروی سنا کہ ہندار جو بیچھی سے روایت کرتا ہے
 عن یحییٰ لے اس میں جھوٹا ہے۔

یہاں اس بات کو بھی ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ محمد بن بشار ہندار بھی بصری امام تھے۔
 مشہور امام علی بن المہینی کے بیٹے نے اپنے باپ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا، کہ
 ہندار نے روایت کی تھی۔ امام علی بن المہینی نے فرمایا۔

هذا کذب وانکرہ امشد "یہ جھوٹ ہے اور انہوں نے اس کا
 الانکار لے زبردست انکار کیا۔"

"نوشن خیال" حضرات کے اپنے قائم کردہ اصول کے مطابق تو امام محمد بن بشار ہندار البصری بھی
 مجروح ہو گئے۔ لیکن ایسا نہیں ہو گا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کیا کہتے ہیں کیونکہ علم حدیث

۱ تہذیب التہذیب جلد ۱ ترجمۃ محمد بن بشار البصری ہندار: ص ۱۷

۲ ایضاً: ص ۱۷۔

میں وہ سب کے امام ہیں۔ اگر وہ کسی راوی سے کوئی روایت قبول کرتے ہیں تو اہل سنت کے نزدیک اس راوی کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔ لہذا ایک محدث کی جرح سے بخاری کی تعدیل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔
امام الذہبی نے عوف الاعرابی کے ترجمہ کے ساتھ 'ع' لکھ کر واضح کر دیا ہے کہ یہ صحاح ششہ کے رجال میں سے ہیں۔ جس سے ان کی تعدیل و ثقاہت میں کوئی مشک و شبہ نہیں رہتا۔

عثمان بن اہثم

صحیح بخاری میں عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کے چوتھے راوی عثمان بن اہثم ہیں پہلے ہی واضح کر دیا گیا ہے کہ جو راوی امام بخاری اور امام مسلم کے نزدیک ثقہ ہو تو علمائے اہل سنت اس کی روایت کو دل و جان سے قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن جناب ریفع اللہ شہاب کا کہنا ہے کہ ائمہ حدیث کے نزدیک چاروں راوی غیر ثقہ ہیں۔ اس کے پہلے راوی جناب عثمان بن اہثم کے بارے میں اگرچہ محدثین نے تصریح کی ہے کہ وہ ایک سچا راوی تھا لیکن اس پر الزام لگایا ہے کہ وہ حدیث بیان کرنے میں بہت زیادہ غلطیاں کیا کرتا تھا۔ عام طور پر وضعی روایات کو قابل قبول بنانے کے لئے اس قسم کے راویوں کا سہارا لیا جاتا تھا۔

ان کی تحقیق کے مطابق عوف و قدری عقائد رکھتا تھا۔ حسن بصری مجہول راوی تھا۔ ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ نے مختلف جرائم کے ارتکاب پر کوڑوں کی سزا دی تھی سٹے حضرت عوفؓ۔ حضرت حسن بصریؓ اور حضرت ابوبکرؓ پر مفصل بحث ہو چکی ہے لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ریفع اللہ شہاب ضاعب کی تحقیق کا یہ حال ہے کہ انہوں نے حسن بصریؓ کو مجہول کہہ دیا۔ اتنے مشہور تابعی اور علم حدیث میں بلند مقام

پر فائز ہونے والے بزرگ کا حال ان کو معلوم نہ ہو سکا۔ اور حضرت ابو بکرؓ پر مختلف جرائم کی تہمت بھی لگادی
 روشن خیال حضرات کو ان کی روشن خیالی اسی طرح حق سے دُور رکھتی ہے۔ بہتان لگانے میں اتنے دُور
 نکل گئے کہ عثمان بن العیثم کے بارے میں لکھ دیا کہ عام طور پر وضعی روایات کو قابل بنانے کے لئے اس قسم
 کے راویوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انہوں نے نہ صرف عثمان بن العیثم کو نشانہ نہیں بنایا بلکہ
 امام بخاریؒ پر بھی الزام لگا دیا کہ انہوں نے الجامع الصحیح میں وضعی روایات نقل کی ہیں۔ حالانکہ خود ہی میزبان الحدیث
 کے حوالے سے تصریح کی ہے کہ وہ ایک سچا راوی تھا۔ پھر اس کو وضاحت بھی بنا دیا۔ جس راوی سے بخاریؒ
 نسائیؒ، ابوحاتم رازیؒ، الذہبیؒ، محمد بن عبد الرحیم البزارؒ، محمد بن خزیمہؒ، العیثمیؒ، اسید بن عاصمؒ، محمد بن غالب
 تمام، یعقوب بن سفیانؒ، ابراہیم منوقؒ، ابوسلم الکشیؒ، الکدیؒ، ابوغلیفہ الفضل بن الجبابؒ، الحارث بن
 محمد المیثمیؒ اور ان جیسے ائمہ حدیث روایت نقل کریں ان کے بارے میں یہ کہنا کہ عام طور پر وضعی روایات
 کو قابل قبول بنانے کے لئے اس قسم کے راویوں کا سہارا لیا جاتا تھا۔ صاف ہی کہہ دیا ہوتا کہ ہم احادیث
 کو نہیں مانتے۔ لہذا عورت سربراہ ہو سکتی ہے۔ لیکن اس اوچھے انداز میں محدثین پر تنقید کرنی کسی بھی اہل علم
 کو زیب نہیں دیتی۔

امام ابوحاتم نے نقل کیا ہے :-

کان صدوقا غیرانہ باخرۃ

یتلقن ما یلقن لہ

حافظے میں خلل واقع ہو گیا تھا

امام دارقطنی کا قول ہے :-

۱۔ تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۵۷-۱۵۸۔ تذکرۃ الحفاظ: جلد ۵ ص ۳۷۵۔

۲۔ کتاب الجرح والتعدیل ترجمہ عثمان بن العیثم: جلد ۶ ص ۱۲۷۔

صدق کثیر الخفاء ۱ ”پتے لیکن کثیر الخفاء تھے۔“

اس سے مراد یہی ہے کہ آخری عمر میں ان سے غلطیاں ہوتی تھیں۔ لیکن جہاں تک ان کے پتے ہونے کا تعلق ہے۔ اس میں کسی کو کوئی کلام نہ تھا۔ اسی لئے امام ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ خیال رہے کہ دارقطنی اور ابو حاتم کی یہ اپنی رائے ہے اور ان کی رائے کو پیش نظر رکھتے ہوئے عرض ہے کہ ائمہ حدیث کے نزدیک ایسے راوی کی وہ روایات مقبول ہوتی ہیں جو کہ یقین یا اختلاط سے پہلے اس سے مروی ہوں۔ عطاء بن السائب کا آخری عمر میں بھی یہی حال ہو گیا تھا لیکن سفیان ثوری اور شعبہ جیسے اکابر اہل علم و سنت کی حالت میں ان سے سنی ہوئی روایات قبول کرتے تھے سہ۔

عثمان بن ابیثیم کی آخری عمر میں غلطیوں کی بنا پر ان کی سچائی کو جھٹلانا ایسے ہی ہے (اگر یہ درست ہے) جیسے کسی پروفیسر صاحب نے ۲۰-۲۵ سال کسی کالج میں پڑھایا ہو۔ کئی کتابوں کے مصنف ہونے کا ان کو شرف حاصل ہو۔ لیکن آخری عمر میں ان کی عقل میں فتور آجائے تو کوئی نادان ان کی اس حالت کو دیکھ کر کہہ دے کہ یہ ہمیشہ ہی اسی طرح تھے اور جیسی اب باتیں کر رہے ہیں ایسی ہی پہلے بھی کیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر ان کے ساتھ اور ظلم کیا ہو سکتا ہے؟

پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ امام بخاری اپنی المباح الصحیح کے تمام رجال سے خوب اچھی طرح واقف تھے اور انہوں نے ان سے وہی روایات نقل کی ہیں جو ان کے انتہائی محنت معیار پر پوری اُترتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو راوی ان کے ہاں مقبول ہو، ائمہ حدیث و رجال اس کی عدالت و ثقاہت تسلیم کر لیتے ہیں۔

۱ میزان الاعتدال، جلد ۳ ص ۵۹۔

۲ تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۵۸۔

۳ کتاب الکفایۃ: ص ۱۳۷۔ ایضاً ص ۱۲۹ (قول الطیسی)

معنعن

معنعن کا معنی ہے کہ کسی حدیث کے راوی روایت کرتے ہوئے سند میں ”عن“ کا لفظ استعمال کریں، جیسے فلاں عن فلاں عن فلاں۔ یعنی فلاں نے فلاں سے اور اس نے فلاں سے روایت کی۔ اس طرح سندیں سماع یا تحدیث کی وضاحت نہیں پائی جاتی۔ احادیث کی کتابوں میں یہ عام معمول ہے۔

امام ابن الصلاح اور علامہ السیوطی کا کہنا ہے کہ بعض لوگوں نے ایسی روایات کو مرسل اور منقطع میں شمار کیا ہے جب تک اتصال ثابت نہ ہو جائے۔ لیکن صحیح بات اور جس پر عمل ہے وہ یہ ہے کہ ایسی روایات متصل اسناد کی قسم میں سے ہیں۔ جمہور ائمہ حدیث، فقہ اور اصول کا یہی قول ہے۔ لیکن انہوں نے یہ شرط بھی عائد کی ہے کہ عن سے روایت کرنے والوں کی آپس میں ملاقات ثابت ہونی چاہیے۔ اور وہ مدلس نہ ہوں۔ لے

ائمہ رجال الحدیث کے اس اصول کو دیکھ کر جناب رحمت اللہ طارق نے حسن بصری پر یہ اعتراض کر دیا کہ ان کا شمار مدلسین میں ہوتا ہے۔ لہذا صحیح بخاری میں غوریت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث قابل حجت نہیں۔ کیونکہ حسن بصری اپنے استاد ابو بکرؓ سے دونوں احادیث میں عن سے روایت کرتے ہیں۔

پہلے ہی واضح کر دیا گیا ہے کہ امام مسلمؒ کی حدیث کو قبول کرنے کی شرط یہ ہے کہ استاد اور شاگرد دونوں ہم عصر ہوں۔ اگرچہ دونوں کی ملاقات ثابت نہ ہو، لیکن امام بخاریؒ ملاقات کے واضح ثبوت کے بغیر روایت قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ حضرت بصریؒ کے بارے میں یہ مغالطہ بھی نہیں چل سکتا کیوں کہ امام بخاریؒ نے الجامع الصغیر ہی میں حضرت حسن بصریؒ کا اپنے استاد حضرت ابو بکرؓ سے سماع اور ملاقات ثابت کر کے

اس اعتراض کا رد کر دیا ہے۔

سارے راوی بصری ہیں

بصرہ اس زمین کو کہا جاتا ہے کہ جس میں سیاہ پتھر کثرت سے ہوں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے حضرت عتبہؓ بن غزوہ بدری نے بصرہ کی بنیاد رکھی۔

ابن جریر طبری اور ابن اثیر کے مطابق ۱۱ھ کے موسم بہار میں بصرہ کی تعمیر ہوئی۔
ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ وہ کوفہ کو اپنا اٹھ بنائیں اور عتبہؓ بن غزوہ کو ستر زمین ہند کی طرف بھیج دیں۔ کیوں کہ عتبہؓ اسلام میں بلند اور عزت والے مقام کے مالک اور بدر کے غازیوں میں سے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ مسلمانوں میں سے ان کو حصہ ملے گا۔ یعنی مسلمانوں کے ایک شہر کے بانی ہوں گے۔ اس وقت بصرہ کو ارض ہند کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو حکم دیا کہ وہ بصرہ میں بس جائیں۔ اور اس علاقے میں مسلمانوں کی چھاؤنی بنائیں۔ لیکن یہ احتیاط رکھیں کہ میرے اور مسلمانوں کے درمیان سمندر حائل نہ ہو۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے حضرت عتبہؓ بن غزوہ کو بلا کہ جب خط سنایا۔ تو وہ امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کوفہ سے آٹھ سو آدمی لے کر روانہ ہوئے اور جہاں بعد میں بصرہ آباد ہوا۔ وہاں آکر فوجی چھاؤنی قائم کر دی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بھی مسلمانوں کو وہاں بھیجا۔ جب لوگ کافی ہو گئے تو ایک جماعت نے کچی اینٹوں سے سات محلے بنائے۔

ابن سعدؒ نے ڈیڑھ سو سے اوپر ان صحابہ کا ذکر کیا ہے جو بصرہ میں آباد ہوئے اور بصرہ میں جو

سب سے پہلا پتہ پیدا ہوا۔ وہ حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے عبدالرحمن بن ابی بکرؓ تھے۔ اُس وقت بصرہ میں تقریباً تین سو لاکھ موجود تھے۔ چنانچہ ایک اونٹ ذبح کیا گیا جو ان سب کے لئے کافی ہو گیا۔

جناب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس بصرہ کو جو حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے بدری صحابی حضرت عتبہؓ غزوہ انہل میں لے لیا۔ اور صحابہؓ اور تابعین نے آباد کیا۔ مرکز تدیس قرار دیا ہے۔ یعنی وہاں کے محدثین مرفوعہ اور صحیح احادیث بیان نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کو غیر صحیح ثابت کرنے کے لئے آخری حربہ انہوں نے یہ استعمال کیا کہ اس کے سانسے راوی بصری ہیں۔ اور اور جس حدیث کو مرکز اسلام مکہ و مدینہ والے نہ جانتے ہوں۔ اس کی بابت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو حجاز سے باہر جنم ملا۔ اس کا منفر جاتا رہا۔ اسی طرح امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ جس حدیث کی اصل اور بنیاد حجاز میں نہ پائی جاتی ہو۔ تو وہ حقیقت سے عاری ہے۔ (تدریب الراوی، جلیل الدین سیوطی، طبع مصر ص ۲۳) محدثین کو گوئبلز سے تشبیہ دینے کی جرأت کرنے والے خود گوئبلز کے استاد نکلے۔ حوالہ دیتے وقت یہ تاثر دیا کہ مذکورہ عبارت علامہ سیوطیؒ کے نقل کردہ الفاظ ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں قول محقق محشی عبد الوہاب عبد اللطیف نے حاشیے میں اہل حجاز اور اہل کوفہ کی اسناد کے بارے میں بحث کرتے ہوئے نقل کئے ہیں اور اہل بصرہ کا وہاں کوئی ذکر نہیں اور اگلے صفحہ پر اہل بصرہ تک جب بات پہنچتی ہے، تو اسی تدریب الراوی کے حاشیے میں منقول ہے۔

ولاھل البصرۃ من السنن
الشاہدۃ بالاسانید الواضحة

"واضح اسناد کے ساتھ سنت ثابتہ
جس کثرت کے ساتھ اہل بصرہ کے لئے"

۱۔ طبقات ابن سعد - جلد ۷ ص ۱۹۰ - تاریخ الکامل - جلد ۲ ص ۳۳۹۔

۲۔ عمدت اور سلا مارت - ص ۳۴۔

مالیس لغيرهم مع اکثرهم ۱۰ ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں“
اسی صفحہ پر امام ابن تیمیہؒ کا یہ قول بھی منکور ہے۔

اتفق اهل العلم بالحديث ۱۱ ”حدیث کے اہل علم کا اس پر اتفاق ہے“
علی ان اصح الاحادیث ما رواه اهل المدينة ، ثم اهل البصرة ثم اهل المشاور
کہ سب سے زیادہ صحیح وہ احادیث ہیں جو
اہل مدینہ نے پھر اہل بصرہ نے اور ان کے
بعد اہل شام نے رعایت کی ہیں۔“

اصل حقیقت کو جھٹلانے کا جب عزم کر لیا جائے تو پھر اسی قسم کے تھکنڈوں اور چابکدستی سے
کام لیا جاتا ہے۔ کتنی واضح بات کو کس قدر دجل و فریب کے ساتھ منہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن
”روشن خیال“ حضرات یہ بھول گئے کہ ابھی اس ملک میں قرآن و سنت کی سمجھ رکھنے والے بے شمار لوگ موجود
ہیں۔ جو اللہ کے فضل و کرم سے دجالوں اور کڈا بوں کا محاسبہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

”روشن خیال“ حضرات کو معلوم نہیں کہ صحیح بخاری کے شارحین حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ عینیؒ،
علامہ کرمانیؒ اور علامہ قسطلانیؒ جب بصری راویوں کا ذکر کسی روایت کے ساتھ خاص طور پر کرتے ہیں، تو
ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس سند میں باہر کا کوئی راوی نہیں۔ یعنی سب راوی بصرہ کے ہیں۔ جس سے
ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک شہر کے رہنے والے ہیں اور ان کی آپس میں ملاقات ثابت ہونے میں کوئی
شک نہیں۔ لہذا یہ روایت مضبوط اور صحیح ہے۔ لیکن لوگوں کو دھوکہ دینے اور ان کو گمراہ کرنے کا ارادہ
رکھنے والے تو وہ بات کہتے ہیں کہ جس سے شکوک پیدا ہوں۔

صحیح بخاری کے بارے میں حرفِ آخر

چونکہ تدریب الراوی کے حوالے سے لوگوں کو بہکانے کی آخری کوشش کی گئی ہے۔ لہذا مناسب ہے کہ اس کے مصنف علامہ سیوطیؒ نے جو کچھ صحیح بخاری کے بارے میں لکھا ہے اسے نقل کر دیا جائے تاکہ ثابت ہو جائے کہ قرآن کے بعد سب کتابوں میں سے صحیح یہی کتاب ہے۔ اور اس کی ہر روایت شک و شبہ سے بلند و بالا ہے۔ اور عذمت کی سرباہی کے بارے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے وہ حق اور سچ ہے۔

علامہ سیوطیؒ کا ارشاد ہے:-

”صحیح مجروحین پہلی تصنیف صحیح البخاری	اول مصنف فی الصصح المجرد
ہے۔ پھر سلم اور قرآن کے بعد دونوں	صحیح البخاری ثم مسلم و ہما
سب کتابوں سے صحیح ہیں اور البخاری ان	اصح الكتب بعد القرآن والبخاری
دونوں میں زیادہ صحیح ہے اور دونوں میں	اصحهما واكثرهما فوائد و
سے اس میں زیادہ فوائد ہیں۔ کہا گیا ہے	قیل مسلم اصح والصواب
کہ سلم زیادہ صحیح ہے لیکن پہلی بات درست ہے۔“	الاول له

کسی بھی سلیم العقل انسان کے لئے صحیح بخاری کے بارے میں اس کے بعد مزید کسی دمناحت کی ضرورت نہیں رہتی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر جبل و فریب سے محفوظ رکھے۔

حمید الطویل

صحیح بخاری میں عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت کو ہر شک و شبہ سے پاک ثابت کرنے کے بعد ہمارا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اور مزید کسی بحث و تمحیص کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن ”روشن خیال“ حضرات کا مکر و فریب دیکھ کر یہی مناسب سمجھا گیا ہے کہ جہاں تک وہ چلتے ہیں وہاں تک ان کی دھوکہ دہی کا پول کھولا جائے۔ ترمذی اور نسائی کے رجال میں سے جناب رحمت اللہ طارق نے حمید الطویل کے خلاف بھی کذب افتراء کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔

چنانچہ ابن حجر کی مائوسی کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں۔

حافظ ابن حجر مرحوم جو بڑے پائے کے محدث اور حدیث نبوی کے شارح گزرے ہیں۔ آپ نے جب محسوس کیا کہ بخاری کی دونوں سندیں توثیق اور پشتیبانی کا حق ادا کرنے کے باوصع اس قابل نہیں کہ زیر بحث حدیث کو صحیح و سچ ثابت کر سکیں تو آپ نے اہل بصیرت تنقید نگاروں کی توجہ مبٹانے کے لئے اس کمزوری کا دبے الفاظ میں اعتراف کرتے ہوئے لکھ دیا کہ بخاری کی بہ نسبت حمید طویل الی (ترمذی و نسائی کی) روایت ہی معتبر اور گوارا ہے۔ آپ کے الفاظ ہیں کہ احسنہما اسنادا روایت حمید (فتح الباری - ۵/۴۵/۱۳)

ابن حجر کی وضاحت کے معنی یہ ہوئے کہ حدیث کی جس سند میں بھی حمید واقع ہے۔ وہی صحیح اور قابل اعتبار ہے۔ باقی سب ناقابل بھروسہ! چشم ماہدشن دلِ ماشاد اے

حافظ ابن حجر پر بہتان

جناب رحمت اللہ طارق کا کمال ہے کہ جس کو بڑے پائے کا محدث اور حدیث نبوی کا شارح مانتے ہیں، اس پر بہتان بھی لگاتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اہل بصیرت، تنقید نگار ہونے کی سند بھی عطا فرماتے ہیں۔

اہل بصیرت کی بصیرت کا مشاہدہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ فتح الباری کا وہ حصہ نقل کر دیا جائے گا کہ جس میں سے انہوں نے ایک ٹکڑا لے کر حافظ ابن حجر پر صریحاً الزام تراشی کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ حضرت ابوبکرؓ والی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

«عوف وہ اعرابی ہے اور الحسن	(عوف) هو الاعرابي والحسن
بصری ہے اور سند تمام بصریوں کی ہے،	هو البصري والسند كله
اور کتاب الصلح میں الحسن کا ابوبکرؓ	بصريون وقد تقدم القول
سے سماع کے بارے میں قول پہلے	في سماع الحسن من ابى بكرة
گزر چکا ہے اور حمید الطویل نے الحسن سے	في كتاب الصلح وقد تابع
روایت کرنے میں عوف کی متابعت کی	عوفاً حميد الطويل عن
ہے اس کو بزار نے روایت کیا اور اس نے کہا	الحسن اخرج به البزار و
کہ الحسن سے ایک جماعت نے روایت کی اور ان میں	قال رواه عن الحسن جماعة
سب اچھی سند حمید والی روایت کی ہے»	واحسنها اسناداً رواية حميد

حافظ ابن حجرؒ پر متبن لگانے والے ”اہل بصیرت“ تنقید نگار نے جو تاثر دینے کی کوشش کی ہے مذکورہ عبارت میں اس کا شاہد بھی نہیں پایا جاتا۔ حافظ ابن حجرؒ نے ابن بزار کا قول نقل کیا۔ جسے اہل بصیرت نے حافظ صاحب کے کھاتے میں ڈال دیا۔ اور ابن بزار کا وہ مقصد بھی نہیں جو اہل بصیرت نے لفظ کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے محدثین کے عام معمول کے مطابق ذکر کیا ہے کہ عوف کی طرح حمید الطویل نے بھی حسن بصری سے عودت کی نفی کرنے والی روایت نقل کی ہے اس میں مایوسی والی کوئی بات نہیں اور نہ ہی کوئی اعتراف ہے۔ بصیرت کا یہ حال ہے کہ مذکورہ عبارت میں صاف لکھا ہے کہ حسن بصری کا حضرت ابو بکرؓ سے سماع ثابت ہے لیکن وہاں بصیرت اندھی ہو گئی اور ان الفاظ پر ”روشن“ ہو گئی کہ جن میں کج بخشی کی کوئی گنجائش نکل سکتی تھی۔

حمید الطویل کے بارے میں ائمہ رجال کے اقوال

امام بکری بن معینؒ نے فرمایا۔ حمید الطویل ثقہ ہیں عبد الرحمن سے مروی ہے کہ میں نے اپنے باپ کو فرماتے سنا۔ حمید الطویل ثقہ ہیں اور ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔
العللی نے کہا کہ بصری ثقہ ہیں۔ ابو حاتم کا قول ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں۔
ابن خراش کا کہنا ہے کہ ثقہ صدوق ہیں۔ امام نسائی نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں۔
ابن عدی کا قول ہے کہ ان کے لئے بہت سی احادیث مستقیمہ ہیں اور ان سے بہت ائمہ نے روایت کی ہے۔ ان کی وفات اس حال میں ہوئی کہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔

۱۔ کتاب المرح والتعديل - جلد ۳ - ص ۲۱۹ -

۲۔ تہذیب التہذیب - جلد ۳ - ص ۳۹ - ۴۰ -

امام الذہبیؒ کا فرمان ہے کہ حضرت انسؓ سے بہت سی احادیث میں ان کے سماع کی صراحت ہو چکی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے میں سے اوپر حضرت انسؓ سے حدیثیں سنیں اور باقی تدلیساً بیان کرتے تھے۔ یونس سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہم میں حمید جیسے کثرت سے پیدا فرمائے۔^۱ ابن سعد نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں اور بہت سی حدیثیں بیان کرنے والے ہیں لیکن بسا اوقات انسؓ سے تدلیس کرتے ہیں۔^۲ ان سے شعبہ، مالک، سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ اور محاسب جیسے ائمہ حدیث کے علاوہ اور بھی محدثین نے احادیث روایت کی ہیں۔^۳

اہل بصیرت تنقید نگار حضرات کی بصیرت سے حمید الطویل کے ثقہ و صدوق ہونے والے اقوال تو اوجھل رہ گئے لیکن ان کی تدلیس پر انک گئی اور فاحشہ انداز میں یہ بھی رقم فرمایا کہ امام ابن عدی ائمہ امام عقیلی نے اس کو ضعفاء اور مجروح راویوں کے خانے میں ڈال دیا ہے۔

جہاں تک ان کی تدلیس کا تعلق ہے تو وہ صرف حضرت انسؓ کا نام لے کر بیان کی گئی ہے۔ اور یہ بھی صراحت کر دی گئی ہے کہ ان کا سماع بھی حضرت انسؓ سے ثابت ہے۔

رہی بات یہ کہ امام ابن عدیؒ اور امام عقیلیؒ نے ان کو ضعفاء اور مجروحین کے خانے میں ڈال دیا تو کسی راوی یا امام کا ضعفاء کی کتاب میں نام آجانے سے جرح ثابت نہیں ہو جاتی۔ اگر یہی اصول اپنایا جائے تو مذاہب کے چار اماموں میں سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کا نام بھی اسی خانے میں نظر آتا ہے۔^۴

۱۔ تنکرة الحفاظ: جلد ۱ ص ۱۵۲-۱۵۳۔

۲۔ طبقات ابن سعد: جلد ۷ ص ۲۵۲۔

۳۔ تہذیب الکمال: جلد ۱ ص ۲۵۸۔

۴۔ کتاب الضعفاء الکبیر: جلد ۲ ص ۲۶۸۔

جن کا حوالہ محدود بالقذف کی گواہی کے مقبول نہ ہونے کے بارے میں بڑے زور شور سے دیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے ابن عدی کا یہ قول نقل کر کے حمید الطویل کی ثقاہت ثابت کر دی ہے کہ ان کے

لئے بہت سی احادیث مستقیمہ ہیں اور ان سے بہت سے ائمہ نے روایت کی ہے۔

کتاب الضعفاء کے حاشیہ میں حمید الطویل کے بارے میں الدکتور عبد المعطی امین قلعجی نے ائمہ و

رجال و حدیث کا حوالہ دے کر ان کی ثقاہت کو بے داغ کر دیا ہے۔

امام الذہبیؒ نے فرمایا کہ وہ ثقہ جلیل ہیں۔ اور ان کے نام کے ساتھ ”ع“ لگا کر ظاہر کیا ہے، کہ وہ

صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں اے امام بخاری۔ امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابوداؤد، امام

امام ابن ماجہ کو راویوں کی پرکھ کرنے کی اتنی بھی سمجھ نہ تھی کہ حجتی اہل بصیرت تنقید نگار اور روشن خیال حضرات

کو ہے۔

امام ترمذیؒ نے کتاب الفتن میں حضرت ابوجبرہؓ سے یوں روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی تھی اور اس کے ذریعے اللہ نے مجھے بچا لیا وہ بات یہ تھی کہ جب

کسری (ایران) ہلاک ہوا تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کس کو انہوں نے تخت پر بٹھایا؟ صحابہؓ نے عرض

کیا۔ اس کی بیٹی کو۔ آپؐ نے فرمایا جو قوم اپنا معاملہ عورت کے سپرد کرے گی وہ کبھی فلاح نہیں پائے

گی۔ حضرت ابوجبرہؓ کا کہنا ہے کہ جب حضرت عائشہؓ بصرہ تشریف لائیں تو مجھے آپؐ کا یہ فرمان یاد آگیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے ذریعے بچا لیا۔

امام ترمذیؒ نے پوری حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

هذا حديث صحيح ۛ ”یہ حدیث صحیح ہے۔“

امام ترمذی کا معمول ہے کہ جب کوئی حدیث اپنی حساب میں لاسے تو اس کی صحت کی وضاحت بھی کر دیتے ہیں۔ امام ترمذی سنہ ۲۷۹ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۳۲۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ اگر اس حدیث میں ان کو کوئی سیاسی رنگ نظر آتا یا اس میں وہ کوئی غیب پاتے تو اپنی عادت کے مطابق اس کی ضرور نشاندہی کرتے۔

ائمہ رجال نے حضرت انسؓ کے بارے میں حمید الطویل پر سمعت، حدثنایا خبرنا کی پابندی اس لئے لگائی ہے تاکہ اس بات کی وضاحت ہو جائے کہ کوئی حدیث انہوں نے بلا واسطہ حضرت انسؓ سے سنی اور کوئی اپنے استاد کا واسطہ چھوڑ کر بیان کر رہے ہیں۔ ائمہ رجال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت کی خاطر جو معیار قائم کیا ہے۔ علمائے اُمت کو اس پر فخر ہے اور اس معیار پر جو راوی پورا نہیں اُترتا۔ اس کی روایات ٹھکرانے میں کسی کو اختلاف نہیں لیکن دیکھنا تو یہ ہے کہ اہل بصیرت تنقید نگار نے حمید الطویل پر جو اعتراض کیا ہے کیا وہ درست ہے ؟

پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ تدلیس کا معنی ہے کہ راوی اپنے استاد کا واسطہ چھوڑ کر اوپر والے راوی سے بیان کرے اور یہ بات ترمذی کی روایت میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ حمید الطویل اپنے استاد حسن بصری سے اور وہ اپنے استاد حضرت ابو بکرؓ سے روایت کر رہے ہیں۔ تینوں بصری تھے۔ جس سے ان کا سماع اور ملاقات کا ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ لہذا حضرت انسؓ کے بارے میں لگائی گئی پابندی سے یہاں فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ اور جب امام ترمذیؒ نے خود روایت کے صحیح ہونے پر گواہی دے دی تو ہر قسم کا اعتراض رفع ہو جاتا ہے۔

ترمذی والی سند کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ سے مروی حدیث امام نسائیؒ نے بھی نقل کی ہے اور انہوں نے اس پر عنوان باندھا ہے۔

النہی استعمال النساء فی الخلو
عورتوں کو حاکم بنانے کی ممانعت

الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے بھی حمید الطویل والی سند کے ساتھ یہی حدیث نقل کی ہے اسے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ چاروں اماموں کے نزدیک حمید الطویل ثقہ تھے۔ اگر ان کی ثقاہت میں ضعف ہوتا تو وہ کبھی بھی ان کی روایت کو قبول نہ کرتے۔

امام الذہبی نے بھی المستدرک کی تلخیص میں اسی روایت کو نقل کر کے حمید الطویل پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے اسے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت ہر قسم کے سقم سے پاک ہے۔

مُبَارَكُ بْنُ فَضَالَةَ

عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والے مسند احمد کے رواۃ میں سے ایک راوی مُبَارَكُ بْنُ فَضَالَةَ ہیں۔ ان کے بارے میں جناب رحمۃ اللہ طارق نے امام ابو زرّعہ، امام ابوداؤد طیالسی اور امام احمد بن حنبل کے اقوال نقل کئے ہیں کہ وہ مدلس تھے۔ امام نسائی ان کو ضعیف کہتے تھے۔ امام بیہقی بن قتان ان کی خوبیوں کا اعتراف کرنا حرام سمجھتے تھے اس لیے

جناب رحمۃ اللہ طارق صاحب چونکہ اہل بصیرت تنقید نگار ہیں۔ لہذا کسی راوی، محدث یا امام کی اچھائی ان کی بصیرت کو گوارا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں صرف تنقید کو اجاگر کرنے کا عزم کر رکھا ہے۔ مبارک بن فضالہ کے بارے میں بھی انہوں نے یہی انداز اختیار کیا ہے۔ ائمہ

۱۔ مسند احمد، جلد ۵ ص ۴۳۔ المستدرک جلد ۴ ص ۲۹۱۔

۲۔ تلخیص للمناظر الذہبی حاشیہ المستدرک جلد ۴ ص ۲۹۱۔

۳۔ مسند احمد۔ جلد ۵ ص ۵۱۔

۴۔ عورت اور مسئلہ امارت۔ ص ۲۹۔

رجال نے ان کی توصیف میں جو کچھ کہا اور لکھا ہے اس کو کمال چابکدستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اہل علم اور عوام الناس سے اوجھل کرنے کی کوشش کی ہے۔ عوام الناس پر ان کا مکرو فریب تو چل سکتا ہے لیکن اہل علم کو دھوکہ نہیں دیا جاسکتا۔

امام یحییٰ قطان کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے کہ وہ مبارک بن فضالہ کی خوبیوں کا اعتراف کرنا حرام سمجھتے تھے۔ حالانکہ انہی کے بارے میں امام ابو حاتم، امام ابوالدہب، امام ابن عدی اور حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے۔

کان یحسن الشناء علیہ ^۱ ”کہ وہ ان کی اچھی تعریف کرتے تھے“

امام الذہبیؒ نے مبارک بن فضالہ کا تعارف یوں کرایا ہے۔

الامام الکبیر من کبار علماء البصرة ^۲ ”کہ وہ امام کبیر اور کبار علمائے بصرہ میں سے تھے“

ان کے نام کے ساتھ دت ق لکھ کر ظاہر کیا ہے کہ وہ ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے رجال میں سے تھے۔ یحییٰ بن معینؒ نے ان کو صالح کہا ہے عفان ان کو بلند کرتے۔ ان کی توثیق کرتے اور کہا کرتے تھے کہ وہ عابد و زاہد لوگوں میں سے تھے ^۳ تہذیب التہذیب میں یہ بھی منقول ہے کہ عفان ان کو مقبر کہتے تھے۔ ابن ابی عثیمہ کا کہنا ہے کہ ابن معین نے ان کو ثقہ کہا۔

ابن عدی کا قول ہے

^۱ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۰۰۔ کتاب الخرج والتعذیل جلد ۸ ص ۳۲۹۔ میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۴۳۱

تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۹۔

^۲ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱ ص ۲۰۰۔

^۳ تذکرۃ۔ جلد ۱ ص ۲۰۰۔ میزان جلد ۳ ص ۴۳۱۔

^۴ تذکرۃ۔ جلد ۱ ص ۲۰۱۔

• عامۃ احادیثہ ارجوان تکون میں اُمید کرتا ہوں کہ ان کی عام احادیث مستقیمہ لے صحیح ہوں گی۔

امام احمد بن حنبلؒ کا فرمان ہے۔

مارواه عن الحسن یحتج لے (مبارک بن فضالہ) جو حسن بصری سے روایت کریں وہ حجت ہوگا۔
امام احمد بن حنبلؒ نے فیصلہ اس لئے دیا کیونکہ کتب رجال کے مطابق مبارک بن فضالہ حضرت حسن بصری کی خدمت میں تیرہ سال رہے جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ مبارک بن فضالہ نے حضرت حسنؒ سے احادیث سنیں۔ لہذا عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث میں تدلیس کا کوئی وجود نہیں رہتا۔ ائمہ حدیث و رجال کے نزدیک جب تدلیس کی اپنے استاد سے ملاقات اور اس سے حدیث کا سننا ثابت ہو جائے تو پھر اس کی معایت کردہ حدیث پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جاتا۔

امام بخاریؒ نے مبارک بن فضالہ کے حضرت حسن بصری سے سماع کی اس طرح صراحت کی ہے۔
سمع الحسن لے انہوں نے الحسن کو سنا

جب امام بخاریؒ جیسے محدث کہہ دیں کہ حضرت حسن بصریؒ سے مبارک بن فضالہ نے سنا۔
اور امام احمد بن حنبلؒ فرمائیں کہ مبارک بن فضالہ جو حدیث حضرت حسنؒ سے روایت کریں وہ قابل حجت ہوگی تو پھر اہل بصیرت تنقید نگار حضرات کی تنقید کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔

۱۔ الکامل - جلد ۶ ص ۳۳۲ - تذکرۃ الحفاظ - جلد ۱ ص ۲۰۱

۲۔ تذکرۃ - جلد ۱ ص ۲۰۱ - تہذیب التہذیب جلد ۱ - ص ۲۹ - میزان - جلد ۳ - ص ۴۳۱

۳۔ تاریخ الکبیر - جلد ۷ ص ۲۶۶ -

دلچسپ پہلو

مبارک بن فضالہ والی سند کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ مسند احمد میں امام احمد بن حنبلؒ نے اس کو دوسرے اس طرح نقل کیا ہے کہ دونوں سندوں میں مبارک بن فضالہ کے نیچے کے راوی مختلف ہو جاتے ہیں۔ ایک میں یزید بن ہارون اور دوسری میں عفان ہیں۔

امام ابن عدیؒ نے تیسری سند میں مبارک کے نیچے حوثرہ اور ابو یعلیٰ کا ذکر کیا ہے۔ تینوں ہی سندوں میں مبارک بن فضالہ کے استاد الحسن مکہ ہیں جس سے مبارک بن فضالہ پر عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت میں تدلیس کا سہارا لے کر مغالطہ دینے کی کوشش ناکام ہو جاتی ہے۔

حماد بن سلمہ

ائمہ مجال کا معمول ہے کہ جب کسی راوی کا ذکر کرتے ہیں تو جرح و تنقید کرتے ہوئے اس کے بارے میں کہے گئے تعریفی کلمات کو نظر انداز نہیں کرتے جو کچھ اس کی تصدیق میں مذکور یا منقول ہو رہا ہے اس کو پیش کرنے میں خداسی بجلی کا بھی مظاہرہ نہیں کرتے۔ راوی کے حق میں یا اس کے خلاف اقوال میں ہیری پھیری کے مرکب نہیں ہوتے بلکہ اپنی معلومات کو امانت و دیانت کے ساتھ ضبط کر دیتے ہیں۔ لیکن اہل بعیرت تنقید نگار حضرات کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ انہوں نے عورت کی سربراہی کو ثابت کرنے کے لئے ہر راوی کی عدالت و ثقاہت کو ٹھکانے اور ہر حربے سے اس کو ضعیف و مجروح ثابت کرنے کے لئے کمر کس رکھی ہے۔

مسند احمد کی دوسری روایت کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس میں ابو بکرؓ کا شاگرد اس کا اپنا بیٹا عبدالرحمن بصری دکھلایا گیا ہے۔ لیکن اس سند کی کیفیت بھی اس ترمذی کی مانند ہے جو باہر سے تو نہایت خوش رنگ اور حاذپ نظر ہو مگر اندر سے گلا سٹرا ہو۔ کیونکہ حماد بن سلمہ جس نے ستر بیویاں کی تھیں۔ اس کا حافظ خراب ہو چکا تھا۔ ابن ابی العوجا نامی ایک شخص نے اس کی تصانیف کو اپنے افکار سے بھر دیا تھا۔ یہ حماد وہی بزرگ ہیں جنہوں نے ابن عباس کے نام سے ایک روایت مشہور کر رکھی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ کو ایک گھبرونو جوان کی صورت میں اس حال میں دیکھا کہ آپ کے سامنے موتیوں کی چادر کا پردہ آویزاں تھا۔ اور اللہ کے ہاتھ پاؤں بنز رنگ کی جھلک دے رہے تھے۔ وغیرہ۔ امام ذہبیؒ نے حماد کی بدترین روایت اسے قرار دے کر واضح کیا ہے کہ وہ ایسی خرافات بیان کرنے سے گریز نہیں کیا کرتا تھا۔ ابراہیم بن عبدالرحمن مہدی کا کہنا ہے کہ صفات کی حدیثیں اس کے پاس نہیں تھیں۔ لیکن ایک بار عبادان گیا (بصرے سے غالباً اسمیل دور) حل ایران پر اور جب واپس آیا تو صفات کی حدیثیں بیان کرنے لگا اور وہ بھی غلط۔ کیونکہ وہاں تو کوئی بھی محدث نہیں تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شط العرب سمندر سے شیطان آیا اور اس نے تعلیم دی۔ وغیرہ۔ یہ تو ہوا تلیمذ الشیطان جناب حماد کا تعارف۔

محاسبہ

جناب رحمت اللہ طارق کا ایک عظیم الشان محدث کے بارے میں اندازہ تحریر اگرچہ انتہائی غیر مناسب ہے۔ لیکن علمی تحقیق کو اُلجھاؤ سے بچاتے ہوئے امام ذہبیؒ نے جو کچھ حماد بن سلمہؒ کے ترجمہ

میں ان کی اچھائی کے بارے میں لکھا ہے یا نقل کیا ہے وہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اہل بصیرت تنقید نگار امانت و دیانت کے سلسلے میں کتنے پست واقع ہوئے ہیں

امام الذہبی کا فرمان ہے۔ وہ ثقہ تھے۔

امام احمدؒ نے فرمایا کہ وہ اپنے خالو حمید الطویل کی حدیث کو لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے اور اس کے بارے میں ان سے زیادہ ثابت تھے۔

امام یحییٰ بن معینؒ کا قول ہے کہ حضرت ثابتؒ کے بارے میں لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے وہی تھے

حماد بن سلمہ کے بارے میں یہ بھی منقول ہے:-

کان یعد من الابدال	”ان کا شمار ابدال میں ہوتا تھا اور
وعلمۃ الابدال ان لا	ابدال کی علامت یہ ہے کہ ان کے ہاں اولاد
یولد لهم تزوج سبعین	نہیں ہوتی مائتوں نے ستر شادیاں کیں
امراة فلم یولد له	لیکن ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہ ہوا

امام ذہبیؒ نے تو ان کو ابدال میں شمار کرتے ہوئے ان کی ستر شادیوں کا ذکر کیا اور یہ ثابت کیا کہ جو شخص ابدال کے ہاں اولاد نہیں ہوتی، اس لئے ستر شادیوں کے باوجود ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ جو ان کے ابدال میں سے ہونے کی علامت ہے۔ لیکن ”اہل بصیرت“ تنقید نگار نے اس کو اور رنگ سے دیا۔ اگر اتنی کثرت سے شادیاں کرنے والا ان کے نزدیک تقابلِ مذمت ہے، تو انبیاء

علیم السلام اور صحابہؓ میں بھی ایسے تھے جنہوں نے یہ کام کیا۔ شریعت میں ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویوں کو نکاح میں رکھنے کی اجازت نہیں مگر حماد بن سلمہؒ نے شریعت کی پابندی کرتے ہوئے زیادہ شادیاں کیں تو شرعی اعتبار سے اس پر گرفت نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابو بکرؓ کی حدیث کو اس لئے ٹھکرا دیا کہ انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے خلاف گواہی دی اور ان پر حد قذف لگی۔ انہی حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے بارے میں منقول ہے۔

احصن المغيرة ثلاثمائة
امراة وقيل الف امرأة و
مغیرہ بن شعبہؓ نے اسلام میں تین سو
شادیاں کیں اور کہا گیا ہے کہ ایک ہزار اور
قيل مائة امرأة وقيل
کہا گیا ہے کہ ایک سو۔ اور کہا گیا ہے
ثمانين امرأة لے
کہ انہی شادیاں کیں۔

اسد الغابہ اور الاستیعاب میں تین سو اور ایک ہزار کے ساتھ ”فی الاسلام“ بھی مروی ہے۔
حضرت حسن بن علیؓ کے بارے میں حافظ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے۔

يقال انه احصن سبعين مرة
کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ستر شادیاں کیں

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد
مبارک ہے۔

قال لا طوفن الليلة على
مائة امرأة او تسع وتسعين
”انہوں نے فرمایا کہ میں رات کو
سویا نانوے بیویوں کے پاس جاؤنگا

لے البدایۃ والنبیۃ جلد ۸ ص ۴۹۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵ ص ۲۴۸۔ الاستیعاب۔ جلد ۱ ص ۲۵۱۔

لے البدایۃ والنبیۃ۔ جلد ۸ ص ۳۸۔

کلھن تاتی بغارس یجاہد
فی سبیل اللہ فقال لہ صاحبہ
قل ان شاء اللہ فلم یقل
ان شاء اللہ فلم تحمل منھن
الا امرأة واحدة جاءت
بشق رجل والذی نفس محمد
بیدہ لو قال ان شاء اللہ
لجاہدوا فی سبیل اللہ اجعون
اور ان میں سے ہر ایک شہسوار بنے کی جو
اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ ان کے ایک
ساتھی نے کہا۔ آپ انشاء اللہ را اگر اللہ
چاہے اکبر دیں لیکن انہوں نے انشاء اللہ نہ کہا۔
پس ان سب میں سے ایک بیوی حاملہ ہوئی اور اس نے
بھی کمال بچہ نہ جنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم
کھا کر فرمایا اگر وہ انشاء اللہ کہہ دیتے تو وہ سائے
اللہ کی راہ میں ضرور جہاد کرتے۔“

معلوم ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہؓ میں سے چند ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے کثرت سے شادیاں کیں۔
اگر تابعینؓ اور تبع تابعینؓ میں سے کسی نے شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے ایسا کیا تو یہ باعثِ طعن نہیں
ہو سکتا۔

امام ذہبیؒ نے حاد بن سلمہ کے بارے میں ابو عمر الجرمی کا قول نقل کیا ہے۔

ما رایت اشد مواظبة علی
الخیر وقرۃ القرآن والعمل
للہ منہ سہ
میں نے ان سے بڑھ کر بھلائی، تلاوتِ
قرآن اور اللہ کے لئے انتہائی باقاعدگی کے
ساتھ کوئی عمل کرنے والا نہیں دیکھا۔“

یونس مؤدب کا کہنا ہے۔

مات حماد فی المسجد وهو
 یصلیٰ
 حماد کی وفات مسجد میں اس حال میں ہوئی
 کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔
 وہیب سے منقول ہے۔

کان حماد بن سلمة سیّدنا
 واعلمنا
 حماد بن سلمہ ہمارے سردار اور ہم میں زیادہ
 علم والے تھے۔
 عفان سے مروی ہے کہ ہمارے ساتھیوں میں سعید بن ابی عروبہ اور حماد بن سلمہ کے بارے میں اختلاف
 خالد بن الحارث کے پاس گئے اور ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا۔

حماد احسنهما حدیثاً وأثبتها
 لسروما للسنّة
 حدیث کے بارے میں دونوں میں سے جس اور
 اثبت اور سنت کو لازم رکھنے والے حماد ہیں۔
 امام احمد بن حنبلؒ اور امام یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا کہ حماد ثقہ ہیں اور امام ابن المدینیؒ کا ارشاد ہے۔
 من سمعتموه يتكلم في حماد
 فاقصوه
 حماد کے بارے میں جس کو کلام کرتے سُنو تو
 اس کے صدق و دین میں شک کرو۔

یہی حکم امام احمد بن حنبلؒ کی طرف سے ہے اور ان کا فرمان ہے کہ اس کے اسلام میں شک کرو۔

میزان جلد ۱ ص ۵۹۱ - تذکرۃ الحفاظ - جلد ۱ ص ۳۰۳ - حلیۃ الاولیاء - جلد ۶ ص ۲۵۰ -

میزان الاعتدال - جلد ۱ ص ۵۹۲ - تذکرہ - جلد ۱ ص ۲۰۲ -

میزان الاعتدال - جلد ۱ ص ۵۹۲ -

میزان - جلد ۱ ص ۵۹۲ - تنزیہ التبیذ - جلد ۳ ص ۱۵ - الکامل لابن عدی جلد ۲ ص ۶۸۲ - ۶۸۱ -

تذکرۃ الحفاظ - جلد ۱ ص ۲۰۳ - الکامل لابن عدی - جلد ۲ ص ۶۸۲ -

امام غفان سے ایک شخص نے کہا۔ میں آپ کو حماد سے حدیث سناتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا۔ کس حماد کی بات کرتے ہو؟ تیری خرابی ہو۔ اس شخص نے کہا۔ ابن سلمہ کی بات کرتا ہوں۔ امام غفان نے فرمایا۔
 الا تقول امیر المؤمنین نے تو امیر المؤمنین (فی الحدیث) کیوں نہیں کہتا

صریحا دھوکہ

امام ذہبی نے حماد بن سلمہ کی طرح میں اندر رجال کے جو اقوال نقل کئے۔ ”ابن بصیرت تنقید نگار کو وہ نظر نہ آئے۔ لیکن چار سے زیادہ صفحات میں سے وہی بات پسند آئی جو حماد بن سلمہ پر زبردست بہتان ہے۔ اور جس کی وضاحت بھی ساتھ ہی مذکور ہے۔ حماد بن سلمہ کے عبادان جانے والی ہدایت کی سند اس طرح ہے۔

الدولابی حدثنا محمد بن شجاع ابن الثلجی حدثنا ابراہیم بن عبد الرحمن ابن مہدی

پوری روایت نقل کرنے کے بعد امام ذہبی نے وضاحت کی ہے۔

قلت ابن الثلجی لیس بمصدق میں نے کہا۔ ابن الثلجی حماد اور ان جیسوں

علی حماد و امثالہ وقد اتهم کی تصدیق کرنے والا نہیں۔ اس نے بہتان

نسأل اللہ السلامة لے لگایا ہے۔ ہم اللہ سے سلامتی چاہتے ہیں

الکامل میں اسی ابن الثلجی کے بارے میں منقول ہے۔

۱۔ میزان - جلد ۱ - ص ۵۹۲ - الکامل لابن عدی - جلد ۲ ص ۶۷۱

۲۔ میزان الاعتدال: جلد ۳ ص ۵۹۳ -

قال الشيخ وأبو عبد الله بن
 الشاذلي كذاب كان يضع
 الحديث ويدسه في
 كتب أصحاب الحديث
 باحاديث كفريات فهداه
 الأحاديث من تدسيه له

”شيخ نے فرمایا کہ ابو عبد اللہ بن شاذلی
 کذاب (جھوٹا) ہے۔ وہ حدیثیں گھڑ کرتا
 تھا۔ اور ان کو اصحاب الحدیث کی کتابوں
 میں چالاکी سے کفریات والی احادیث داخل
 کر دیتا ہے یہ احادیث اس کی چالاکی سے
 داخل کی گئی احادیث میں سے ہیں۔“

حافظ ابن حجرؒ نے امام ذہبیؒ کی تحقیق کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ عباد بھی کچھ نہیں
 یعنی جھوٹی روایت کے دوسرے حصے کے راوی عباد کو بھی لیس بستیؒ کہہ کر اہل بصیرت تنقید نگار کا دھڑن
 تختہ کر دیتے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تلمیذ الشیطان وہ ہے جو جان بوجھ کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے
 بات کے واضح ہونے کے باوجود دھوکہ دہی کو اپناتا ہے۔ ائمہ حدیث پر کیمچر اچھالتا ہے۔ احادیث کے
 بارے میں شکوک پیدا کرنے میں کوشاں ہے۔

بہتان بازی اور الزام تراشی سے پہلے دیکھ لیا ہوتا کہ ابن الشاذلی نے جس ابراہیم کا نام استعمال
 کیا ہے۔ اس کے باپ عبد الرحمن بن مہدی نے حماد بن سلمہ کے بارے میں کیا کہا ہے؟ امام بخاریؒ
 نے عمرو بن علی سے نقل کیا کہ اس نے کہا۔

سمعت عبد الرحمن بن مہدی میں نے عبد الرحمن بن مہدیؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ

لے الکامل لابن عدی۔ جلد ۲ ص ۶۸۶۔

تہذیب التہذیب۔ جلد ۳ ص ۱۵۔

یقول لہو اراحدا مثل حماد . . میں نے حماد بن سلمہ اور مالک بن انسؓ

بن سلمہ و مالک بن انس جیسا کسی کو نہیں دیکھا دونوں حدیث

کان یحسبان فی الحدیث لہ میں احتساب کرتے تھے :

عبدالرحمن بن مہدی حماد بن سلمہ کے بابے میں اچھی رائے رکھتے تھے لہ

امام ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے ابن مہدی کے ایک خوبصورت قول کا ذکر کیا ہے۔

ولو قيل لحاد انك تموت اگر حماد سے کہا جائے کہ کل آپ کی موت واقع

غدا ما قدر ان یزید ف ہو جائے گی تو وہ اپنے عمل میں کچھ اضافہ

عملہ شیئا لہ

کرنے پر قادر نہیں ہوں گے :

یعنی ایک مومن کو اللہ کی خوشخبری کے حصول کے لئے جو کچھ کرنا چاہیے وہ پہلے ہی اس میں

مصرف و مشغول تھے۔

امام ابن عدیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اعمی کے حوالے سے نقل کیا کہ اس نے عبدالرحمن بن

مہدی کو حماد بن سلمہ کا ذکر کرتے ہوئے سنا۔ انہوں نے کہا :

حماد بن سلمہ صحیح السماع حماد بن سلمہ صحیح سماع اور اچھی ملاقات

حسن اللق ادرك الناس لم والے تھے۔ لوگوں کو پایا کہ انہوں نے کسی قسم کا

یتهم بلون الزلون ولم بہتان نہیں لگایا۔ نہ کسی شئی میں ان کو

۱۔ تاریخ البیہ: ج ۳۔ ص ۲۲۔

۲۔ الکامل لابن عدی: جلد ۲۔ ص ۶۷۲۔

۳۔ میزان الاعتدال: جلد ۱ ص ۵۹۱۔ تہذیب التہذیب: جلد ۳: ص ۱۳۔

تیلوس بشی احسن ملکہ: التباس ہوا۔ اپنے نفس اور اپنی زبان کو۔
 نفسه ولسانه ولم یطلقہ اچھی طرح قابو میں رکھا اور کسی پر زبان دہادی
 علی احد ولا ذکر خلعتا نہیں کی اور نہ کسی کی بُرائی کی۔ اس سے محفوظ
 بسوء فسلم حتی مات لہ رہے یہاں تک کہ فوت ہو گئے۔

عبدالرحمن بن مہدی کا یہ بھی کہنا ہے کہ سفیان ثوری نے حماد بن سلمہ کی طرف دیکھا اور ان سے کہا: اے
 اباسلہ! میں آپ کی مشابہت ایک صالح انسان سے پاتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا: وہ کون ہے؟ کہا وہ
 عمرو بن قیس الملائی ہے۔

ظاہر ہے کہ باپ سے ایسے اقوال منسنے کے بعد ان کا بیٹا وہ نہیں کہہ سکتا تھا جو ان کی طرف
 منسوب کر دیا گیا ہے۔ اسی لئے امام ابن عدی، امام ذہبی اور حافظ ابن حجر نے حماد بن سلمہ کے بارے
 میں زبان درازی کرنے والے راویوں کی حقیقت بیان کر دی کہ ان میں سے عباد کچھ بھی نہیں یعنی اس کی
 روایت کا کوئی اعتبار نہیں اور ابن التیمی کذاب اور وضاع ہے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ عورت کی ولایت کی نفی کرنے والی روایت کے راویوں پر اعتراض کرنے والوں
 کا اپنا یہ حال ہے کہ دلیل کے طور پر ایسے لوگوں کی روایت پیش کرتے ہیں۔ جو خود ائمہ رجال کے نزدیک
 جھوٹے اور حدیثیں گھڑنے والے ہیں۔ اس سے بڑھ کر دھوکہ۔ فریب اور دجل کیا ہو سکتا ہے؟ ایسے تریبونز
 کی مثال جو باہر سے نہایت خوش رنگ اور مجاذب نظر ہو مگر اندر سے گلا سٹرا ہو۔ کس پر فٹ آتی ہے؟
 قارئین اس کا فیصلہ خود کر سکتے ہیں۔

۱۔ الکامل لابن عدی: جلد ۲۔ ص ۶۴۳۔ تمہذیب التہذیب: جلد ۳۔ ص ۱۳۳-۱۳۴۔

۲۔ الکامل: جلد ۲۔ ص ۶۴۳۔

حماد بن سلمہ پر یہ الزام بھی لگایا کہ ان کا حافظہ خراب ہو چکا تھا۔ یعنی تاثر یہ دینے کی کوشش کی کہ جب وہ حدیثیں سنتے سنا تے تھے۔ اس وقت ان کا حافظہ درست نہ تھا۔ لہذا ان سے مروی روایت ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ حافظ ابن حجرؒ نے حماد بن سلمہ کے بارے میں امام بیہقیؒ کی وضاحت ان الفاظ میں نقل کی ہے:

هو احد ائمة المسلمين "وہ مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک
الا انه لما كبر ساء ہیں۔ مگر جب بوڑھے ہوئے تو ان کا
حفظه حافظہ خراب ہو گیا تھا۔"

بڑھاپے میں کسی راوی کے حافظے میں خلل آنے سے اس کی وہ روایات ٹھکانی نہیں جاتیں جو اس نے خلل آنے سے پہلے روایت کی ہوں۔ اس کی وضاحت و صراحت پہلے ہی اچھی طرح کر دی گئی ہے اس لئے یہ اعتراض بھی فضول ہے۔

بہی بات کہ حماد بن سلمہ نے ابن عباسؓ کے نام سے روایت مشہور کر رکھی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ کو گھبرو فرجوان کی صورت میں دیکھا اور امام ذہبیؒ نے حماد کی اس روایت کو بدترین قرار دیا ہے۔ تو یہ بھی درست نہیں۔ اور یہ بھی حماد بن سلمہ پر بہتان ہے۔

روایت باری تہا کے سلسلے میں امام مسلمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ لیکن دونوں ہی سندوں میں حماد بن سلمہ کا نام موجود نہیں ہے۔

اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ نے بھی مسند احمد کے حوالے سے ابن عباسؓ سے ایسی ہی روایت نقل کی ہے کہ جس کی سند میں حماد بن سلمہ موجود نہیں ہے۔

۱۔ تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۴۔

۲۔ صحیح مسلم: جلد ۱ ص ۹۸۔

۳۔ تفسیر ابن کثیر: جلد ۲ ص ۲۵۰۔

امام ذہبیؒ نے حماد بن سلمہؒ والی روایت کو مختلف اسناد کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

فهذا من انكر ما اتى به حماد

بن سلمة وهذا الرواية روية

منام ان صحت له

معلوم نہیں کہ جناب رحمت اللہ تعالیٰ نے امام ذہبیؒ کے کس لفظ کا ترجمہ ”بدترین روایت کی جیسے۔“

بات تو صرف اتنی ہے کہ اس روایت میں خواب کا ذکر نہیں اور حق اور سچ بھی یہی ہے کہ آپؐ نے خواب

میں اپنے رب کو دیکھا۔
www.KitaboSunnat.com

امام سلمؒ نے ابن عباسؓ سے یہی نقل کیا ہے۔

راہ بقلبہ۔ راہ بفوائد مرتبینؒ ”اپنے اپنے رب کو دل سے دوسرے دیکھا۔“

ابو ذر غفاریؓ نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ کیا آپؐ نے اپنے رب کو دیکھا تو آپؐ نے فرمایا۔

نورانی ارادہ سے وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟“

امام ذہبیؒ نے روایت لکھ کر انہیں دی بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو یہ جاگتے ہوئے

دیکھنا نہیں بلکہ سوتے ہوئے خواب میں دیکھنا ہے۔ اگر امام ذہبیؒ کو حماد بن سلمہؒ اسی طرح آتے کہ جس طرح

اہل بصیرت بقیۃ نگار کی بصیرت نے ان کو دیکھا ہے تو وہ کہیں یہ نہ لکھتے۔

وحماد امام جلیل وهو مفتی

اهل البصرة مع سعيد بن ابی عروبةؒ کے ساتھ اہل شام کے مفتی ہیں۔“

۱۔ تفسیر ابن کثیر۔ جلد ۲ ص ۲۵۰۔

۲۔ صحیح مسلم۔ جلد ۱ ص ۹۸۔

۳۔ صحیح مسلم۔ جلد ۱ ص ۹۹۔

۴۔ میزان الاعتدال۔ جلد ۱ ص ۵۹۴۔

امام ابن عدیؒ نے حماد بن سلمہؒ کی کافی احادیث کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے جن میں گھبر و جوانی حدیث شامل ہے۔

ہذہ الاحادیث التي ذکرتمہا
لحماد بن سلمة ما ينفرد حماد
به امامتنا واما اسنادا
ومنه ما يشاركه فيه الناس
وحماد بن سلمة من اجلة
المسلمين وهو مفتي البصرة
ومحدثها ومقرئها وعابدها
وقد حدث عنه من الائمة
من اكبر سنا منه من الائمة
وممن هو اصغر سنا منه
من الائمة فمن اكبر سنا
منه شعبة والثوري وابن
جريج وعقاد بن اسحاق و
ممن في طبقة حماد بن
زيد وممن هو اصغر
منه سنا عبد الله بن المبارك
وعيسى بن سعيد القطان و

”حماد بن سلمہؒ کی یہ وہ احادیث ہیں کہ جن
کا ذکر میں نے کر دیا ہے۔ ان میں ایسی بھی
ہیں کہ بن میں متن یا سند کے اعتبار سے حماد منفرد
ہیں اور وہ بھی ہیں کہ جن میں ان کے ساتھ اور
لوگ بھی شریک ہیں اور حماد بن سلمہ اہل مسانوں
میں سے تھے۔ وہ بصرہ کے مفتی۔ ان کے
محدث، ان کے قاری اور ان کے عابد تھے۔
ائمہ کرام میں سے جو عمر میں ان سے بڑے اور
چھوٹے تھے انہوں نے ان سے احادیث
نواہت کی ہیں۔ جو عمر میں ان سے بڑے
تھے۔ وہ شعبہ۔ ثوری۔ ابن جریج
اور محمد بن اسحاق ہیں، جو
ان کے ہم عصر تھے۔ وہ حماد
بن زید ہیں۔ ان سے عمر میں
جو چھوٹے تھے، وہ عبد اللہ بن
مبارک، یحییٰ بن سعید
القطان اور عبد الرحمن

عبدالرحمن بن مہدیؒ بن مہدی تھے۔

محدثین کے ناموں کے بغیر حافظ ابن حجرؒ نے بھی امام ابن عدیؒ کی رائے نقل کی ہے۔

امام ابعلیؒ نے ان کو ثقہ، رجل صالح اور حسن الحدیث کہا ہے۔

امام نسائیؒ سے ان کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ عثمانی نے فیصلہ نقل کر دیا۔

اجماع ائمة اهل النقل علی ان کی ثقاہت و امانت پر ائمہ اہل نقل

ثقتہ و امانتہ۔ کا اجماع ہے۔

حماد بن سلمہ کا تقویٰ

اہل بصیرت و روشن خیال حضرات ایک عورت کو خوش کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر جھوٹ فریب اور دھوکے سے اس کی سربراہی کو شرعی ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ حکومت میں ان کی پذیرائی ہو سکے۔ لیکن جن کو بہتان اور الزام تراشی کا نشانہ بنایا۔ ان کے بارے میں ابونعیم نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی سے کہا۔

۱۔ الکامل لابن عدی: جلد ۲ ص ۶۸۔

۲۔ تہذیب التہذیب: جلد ۳ ص ۱۵۔

۳۔ تہذیب التہذیب: جلد ۳ ص ۱۵۔

۴۔ ایضاً۔ ص ۱۵۔

۵۔ تہذیب التہذیب: جلد ۳ ص ۱۴۔

ان دعائك الامير ان تقرأ " اگر امیر تجھے اس لئے بلائے کہ تو
 علیہ قل هو اللہ احد اس کو " قل هو اللہ احد پڑھ کر
 فلا تأتہ لہ سنائے۔ تو اس کے پاس نہ جانا ۛ

آدم بن ایاس کا کہنا ہے کہ میں حماد بن سلمہ کے پاس تھا کہ ان کو سلطان نے بلایا تو انہوں نے
 جواب میں فرمایا۔

احمل حیتہ حمراء لہولاء میں ان کے پاس سرخ دارمی کو لے جاؤں گا۔
 لا واللہ لا واللہ ۛ نہیں، الشکی قم! میں ایسا نہیں کروں گا ۛ

محمد بن الجراح سے مروی ہے کہ ہمارے ساتھ ایک آدمی حماد بن سلمہ سے احادیث سنا کرتا تھا۔
 وہ چین گیا۔ جب واپس آیا تو اس نے حماد بن سلمہ کی خدمت میں ایک تحفہ پیش کیا۔ حماد بن سلمہ نے اس سے
 فرمایا۔ اگر میں تیرا تحفہ قبول کروں تو تجھے حدیث نہیں سناؤں گا۔ اور اگر تحفہ نہ قبول کروں تو تیرے لئے
 احادیث بیان کروں گا۔ اس شخص نے عرض کیا۔ آپ میرا تحفہ قبول نہ کریں لیکن احادیث مجھے سنائیں۔
 ایسے غلام متقی محدث کے لئے تلبیذ الشیطان کا جملہ استعمال کرنا اس سے بڑھ کر امانت اور
 کیا ہو سکتی ہے؟ اہل بصیرت کی بصیرت اور خوشن خیال کی خوشن خیالی کا اندازہ لگانے کے لئے
 ابھی اتنا ہی کافی ہے۔

علی بن زید جدعان

عدمت کی سربراہی کی حمایت کرنے والوں نے اب تک جتنے بھی راویوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں

سے کسی ایک کے بارے میں یہ ثابت نہیں کر پائے کہ کسی امام یا محدث نے اس کو ضعیف کہا ہو۔
 علی بن زید جردغان پہلے راوی ہیں جن کا ضعیف ہونا لفظ ضعیف کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ اگرچہ
 صحیح بخاری کے علاوہ صحاح ستہ میں علی بن زید جردغان کی روایات منقول ہیں۔ اہل امام بخاری نے بھی
 ان کو الادب المفرد کے رجال میں شامل کر کے ان کی ثقاہت کو ثابت کر دیا ہے جیسا کہ التاریخ البکیر
 کے حاشیے میں واضح کر دیا گیا ہے۔

روى له الستة الا ان
 البخاری فی الادب له
 امام ابن عدی نے ان کی کئی احادیث کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔
 امام بخاری کے علاوہ ائمہ صحاح ستہ نے ان سے احادیث

ولعلی بن زید غیر ما
 ذکر من الحدیث صالحة
 ولم ارا احدا من البصريين
 وغیرهم امتنعوا من
 الروایة عنه وكان یقال
 فی التشیع فی جملة اهل
 البصرة ومع ضعفه یکتب
 حدیثه ۵
 میں نے جن احادیث کا ذکر کیا ہے ان کے
 علاوہ علی بن زید کی اور بھی احادیث صالحة
 ہیں۔ میں نے بصریوں میں سے کسی ایک کو
 اور ان کے علاوہ دوسروں کو اس کی
 روایت سے رکتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ
 حجازی بصریوں میں تیش میں غلو کرتے تھے۔
 ان کے ضعف کے باوجود ان کی حدیث کو
 لکھا جائے گا ۵

۱ حاشیہ التاریخ البکیر: جلد ۶ ص ۲۷۵۔

۲ الكامل لابن عدی: جلد ۵ ص ۱۸۴۵۔

حماد بن زید سے مروی ہے کہ میں نے سید المریری کو کہتے ہوئے سنا کہ تین نابینے بصرہ کے فقہاء ہوئے ہیں۔ وہ قتادہ، علی بن زید اور الاشعث الحوائی تھے۔ اور امام ترمذیؒ نے ان کو صدوق کہا ہے۔
اس کے باوجود یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ علی بن زید جدعان کی عدالت و ثقاہت کو بے داغ ثابت کرنے کے لئے وہی روایت اپنایا جائے جو اہل بصیرت تنقید نگار اور دشمن خیال حضرات نے عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی بخاری کی روایت کے راویوں کو غیر ثقہ ثابت کرنے کے لئے اختیار کیا ہے۔
چونکہ راویوں کی پرکھ کا مسیار رجال کی کتابوں کو بنایا گیا ہے۔ اس لئے اگر کوئی راوی ایسا ہے کہ ائمہ رجال اس کی عدالت و ثقاہت کے بارے میں مطمئن نہیں تو علمائے حق کا کام ہے کہ دجل و فریب سے نہ صرف اجتناب کرتے ہوئے بلکہ اس کو حرام سمجھتے ہوئے ائمہ رجال کے فیصلہ کو کھلے دل کے ساتھ تسلیم کر لیں۔ اگر ایسا نہیں کیا مہلے گا۔ تو ساری احادیث مشکوک ہو جائیں گی۔

علی بن زید جدعان کا سند احمدؒ کی جس روایت کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے درحقیقت وہ نو روایات کا مجموعہ ہے۔ جن میں سے ایک عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی بھی روایت ہے۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ علی بن زید جدعان ضعیف ہے اور اس سے مروی روایت حجت نہیں ہو سکتی۔ تب بھی عورت کی سربراہی کی حمایت کرنے والوں کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ کیوں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے مذکورہ روایت سے پہلے وہ روایت نقل کی ہے کہ جس میں حماد بن سلمہؒ حمید الطویلؒ سے وہ الحسن البصریؒ سے۔ اور وہ اپنے استاد حضرت ابوبکرؓ سے بیان کرتے ہیں کہ اہل فارس میں سے ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا، بے شک میرے رب تبارک و تعالیٰ نے تمہارے بادشاہ

یعنی کسری کو قتل کر دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اہل فارس نے اس کی بیٹی کو تخت پر بٹھا دیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ وہ قوم کبھی صلاح نہیں پائے گی جس نے عورت کو اپنا والی بنالیا ہے

مسند احمد میں محدث کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت صرف علی بن زید جدعان والی سند سے ہی مروی نہیں بلکہ اور بھی روایات ہیں۔ جن کا ذکر دوسری روایات کے ساتھ بعد میں کیا جائیگا۔ ابھی صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ مسند احمد میں حاد سے ایک روایت ایسے راویوں سے منقول ہے کہ جس کی عدالت و ثقاہت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور تائید اور سرے ایسے راوی سے بھی بیان کر دی گئی ہے کہ بن کی عدالت و ثقاہت پر ائمہ رجال کا اتفاق نہیں۔

لہذا تائیداً منقول روایت کے کسی راوی کے ضعف کی وجہ سے اصل روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اہل بعیرت تنقید نگار اور روشن خیال حضرات کی بد قسمتی یہ ہے کہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایات اتنے محدثین، مفتیین، مؤرخین اور فقہاء سے منقول ہیں کہ ایک دو راویوں کے ضعف سے ان کو ٹھکرایا اور جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

بخاری بن عبد العزیز بن ابی بکرؓ

مسند احمد کی تیسری روایت کی سند میں سے اہل بعیرت تنقید نگار نے بخاری بن عبد العزیز بن ابی بکرؓ یعنی ابو بکرؓ کے پوتے کے بارے میں لکھا ہے کہ بقول ابن مبین وہ ایک غیر معیاری انسان

۱۔ مسند احمد: جلد ۵ ص ۴۳۔

۲۔ مسند احمد: جلد ۵ ص ۴۵۔

تھے۔ ابن عدیؒ نے کہا کہ یہ بھی اسی ٹائپ کے انسانوں میں سے تھے جنہیں ضعیف کہا جاتا ہے عقلی نے کہا کہ یہ ضعیف تھے۔ ذہنی نے اس کی بے سرو پا احادیث میں سے نمونہ کے طور پر وہی حدیث پیش کی ہے جو حسن اتفاق سے زیر بحث ہے۔

محاسبہ

یہاں بھی اہل بصیرت تنقید نگار نے علمی دیانت کو پامال کیا ہے۔ چنانچہ ائمہ رجال کے جو اقوال اپنے حق میں جانتے تھے ان کو نقل کر دیا اور جو خلاف پڑتے تھے ان کو نظر انداز کر دیا۔

ابن معین کا قول پیش کرتے ہوئے قبول گئے کہ یہی ابن معین ہیں کہ جنہوں نے مبارک بن فضالہ کو صالح اور حماد بن سلمہ کو ثقہ کہا ہے۔ اسی طرح عودت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت کے دوسرے راویوں کی عدالت و ثقاہت پر گواہی دی۔ لیکن اہل بصیرت کی بصیرت نے اُن کی گواہی کو قبول نہ کیا۔ جہاں مطلب کا حوالہ آیا۔ فوراً پیش کر دیا۔ کیا یہی علمی دیانت کہلاتی ہے۔

امام ابن عدی کے دوسری قول میں سے وہی بات پسند آئی جس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا۔ اہل بصیرت کی اندھی بصیرت کا اندازہ لگانے کے لئے پورا قول نقل کیا جاتا ہے۔

امام ابن عدیؒ نے بکار بن عبد العزیز کی چند روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

ولہذا ہذا غیر ما ذکر
من الحدیث وقد حدث عنہ
من الثقات جماعۃ من
”اور میں نے جو احادیث ذکر کی ہیں۔“
ان کے علاوہ اس بکار کے لئے اور بھی
ہیں محدثوں کی ایک ثقہ جماعت نے

البصیرین کا بی بن عاصم
ان سے احادیث بیان کی ہیں جیسا کہ ابن ابی عمیر
وغیرہ وارجوانہ لا بائس
وغیرہ میں امید کرتا ہوں کہ ان کی روایت میں کوئی
بہ و هو من جملہ ضعفاء
حدیث نہیں اور وہ ان جملہ ضعفاء میں سے ہیں کہ
الذین یکتب حدیثہم لہ
جن کی احادیث لکھی جاتی ہیں۔

صحیح بات تو یہ تھی کہ پورا قول نقل کرنے کے بعد جو بھی کہنا تھا، کہہ لیا ہوتا لیکن اتنی غش بددیانتی کا
مرکب وہی ہو سکتا ہے کہ جس کے دل میں خدا خوفی کی بجائے عہدت کی سربراہی کو ثابت کرنے کا جنون سمایا
ہوا ہے۔

امام ذہبی نے بکار کے ترجمہ کے ساتھ دلائل اور قیاس لکھ کر ظاہر کیا ہے کہ وہ ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ
کے رجال میں سے ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان تین جلیل القدر ائمہ کے نزدیک وہ ثقہ تھے۔ امام ذہبی نے
جہاں بکار کے بارے میں عقلی کا قول نقل کیا ہے وہاں ابن عدی نے جو کہا اس کو بھی رقم کر دیا ہے
امام ذہبی نے المستدرک کی تلخیص میں بکار والی روایت کو صحیح قرار دے کر وضاحت کر دی کہ بکار ضعیف
نہیں ہے۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں بکار پر کوئی گرفت نہیں کی ہے
حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ الدوری نے ابن عیین سے بیان کیا کہ بکار کچھ نہیں۔ اس کے برعکس اسحاق

۱۔ الکامل لابن عدی۔ جلد ۳۔ ص ۴۵

۲۔ میزان الاعتدال۔ جلد ۱ ص ۳۴۱

۳۔ تلخیص المستدرک فی حاشیۃ المستدرک: جلد ۴ ص ۲۹۱۔

۴۔ التاریخ الکبیر۔ جلد ۲ ص ۱۲۲۔

بن منصور نے بھی ابن معین سے نقل کیا ہے کہ وہ صالح ہے۔

اہل علم کی رہنمائی کے لئے حافظ ابن حجرؒ نے پھر ابن عدیؒ کے قول کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ اسی طرح البزار کے دو قول بھی نقل کئے ہیں۔ ایک کے مطابق بکّار میں کوئی حصر نہیں اور دوسرے کے مطابق ضعیف ہے لیکن یہ بھی واضح کر دیا کہ ابن حبان نے اس کا ذکر ثقات میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ائمہ رجال میں سے کسی نے بکّار کو ضعیف کہا ہے تو اس کے مقابلے میں دوسروں نے اس کے ثقہ ہونے کی شہادت دی ہے۔ لیکن بات پھر وہیں آتی ہے کہ تائید امروہی روایات کے بارے میں شروط وہ نہیں ہوتیں جو کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے صحیحین کے لئے رکھی ہیں۔

ایک اور زبردست دھوکہ

بکّار بن عبدالعزیز کے ثقہ یا ضعیف ہونے کا مسئلہ الگ ہے لیکن ”اہل بصیرت تنقید نگار نے ان سے مروی روایات جس طرح پیش کی ہے۔ اس میں انہوں نے دجل و فریب کے ماہرین کو مات دے دی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے حوالے سے فرماتے ہیں، ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک عائشہؓ کی گود میں رکھتے ہوئے استراحت فرما رہے تھے کہ مصر سے ایک پیغام رساں داخل ہوا۔ اور اس نے بتایا کہ اہل مصر نے ایک عورت کو سربراہ و مملکت بنایا ہے۔ چنانچہ یہ خبر سنتے ہی آپؐ نے جھٹکا دے کر عائشہؓ کی گود سے اپنا سر مبارک اٹھایا اور کھڑے ہو کر تین بار فرمایا۔ ہلاک ہو گئے۔ مرد عورت کی اطاعت کر کے ہلاک ہو گئے۔ مرد عورت کی اطاعت کر کے ہلاک ہو گئے۔ مرد عورت کی اطاعت کر کے ہلاک ہو گئے۔

جناب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے روایت نقل کرنے کے بعد جس کمال چابکدستی اور فریب کاری کا مظاہرہ

کیا ہے۔ اس کا محاسبہ انشاء اللہ بعد میں ہوگا۔ میری دست مسند احمد کی عربی روایت نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ مرد سړول کو وضو میں کہنے والے کا اپنا کیا حال ہے ؟

ثنا ابوبکرۃ بکار بن عبدالعزیز
بن ابی بکرؓ قال سمعت ابی
یحدث عن ابی بکرۃ شہد
النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اتاہ بشیر یبشر بظفر جتدلہ
علی عدوہم ورأسہ فی
جس عائشۃ فقام فخر
ساجدا ثم انشأ یسأل البشیر
فاخبرہ فیما اخبرہ انه
ولی امرہم امرأۃ فقال
النبی صلی اللہ علیہ
وسلم الآن هلکت
الرجال اذا اطاعت
النساء هلکت الرجال
اذا اطاعت النساء
ثلاثا لہ

”ابوبکرؓ بکار بن عبدالعزیز نے ہم سے
بیان کیا کہ اس نے کہا کہ میں نے اپنے
باپ کو ابوبکرؓ سے حدیث بیان کرتے
ہوئے سنا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ کے ہاں
ایک بشارت دینے والا آیا اس نے آپ کو
آپ کے ایک شکر کی ان کے دشمن پر تعیابی
کی خبر دی آپ کا سر حضرت عائشہؓ کی گود میں
تھا پس آپ کھڑے ہوئے اور مجھ میں گر گئے
پھر آپ نے خوشخبری سنانے والے سے سوال کرنے
شروع کئے۔ پس اس نے آپ کو جو خبریں سنائیں
ان میں یہ بھی تھی کہ ان کی دالی ایک
عورت ہو گئی ہے پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
فرمایا: اب مرد ہلاک ہونگے جب عورتوں کی اطاعت
کریں گے، ہلاک ہونگے مرد جب وہ عورتوں کی اطاعت
کریں گے۔ آپ نے تین مرتبہ یہ فرمایا لہ

لہ مسند احمد جلد ۵ ص ۴۵ - نفع الربانی - جلد ۲ ص ۳۵ - نیل الاوطار - جلد ۳ ص ۱۱۲ (نفع راجد) (مک) حاشیہ صفحہ ۱۱۲ (مکتبہ)

یہی روایت معمولی سی کئی بیٹی کے ساتھ امام حاکم، امام صدیقی اور امام العجلونی نے بھی نقل کی ہے۔
امام حاکم نے روایت کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے۔

”ہذا حدیث صحیح الاسناد ولو غیر جاہ“ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن شیخین نے اس کو نقل نہیں کیا
امام العجلونی نے لکھا ہے کہ اس کی شاہد حدیث لدیفاح قوم ہے۔

ائمہ حدیث کا کہنا ہے کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے بہت سی احادیث کو اس لئے چھوڑ دیا کہ ان
کی کتابیں ضخیم نہ ہو جائیں۔ اگرچہ وہ ان کے قائم کردہ معیار کے مطابق تھیں، امام حاکم نے اپنی المستدرک
میں اس قسم کی احادیث کو جمع کیا ہے جن میں سے ایک مذکورہ حدیث بھی ہے۔

امام ذہبیؒ نے پوری روایت کی بجائے اتنا نقل کیا ہے۔

”بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اتاہ بشیر بنصر فقام وخر
ساجدا ۱۰
کے پاس ایک خوشخبری دینے والا مدد کی خبر کے
ساتھ آیا آپ کھڑے ہوئے اور سجدے میں گر گئے۔“

حافظ ابن قیمؒ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بشیر بن سعد انصاری کو دو مرتبہ

انیر بنا کر منگی مہول پہنچایا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ انہی بشیر کا ذکر ہو رہا ہے

جن کتابوں میں بخاریؒ اور ابن عبد العزیزؒ والی روایت منقول ہے۔ ان میں کسی ایک میں بھی حکمِ پیغامِ رسال

کے آنے کا ذکر موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ لوگوں کو دھوکہ اور مغالطہ دینے والے خود اپنے ہی

۱۰ المستدرک - جلد ۱ ص ۲۹۱ - الکامل لابن عدی - جلد ۵ ص ۴۷۵ - کشف الخفاء جلد ۲ ص ۳۳۳

۱۱ میزان الاعتدال - جلد ۱ ص ۳۴۱ -

۱۲ نزوالمعاد - جلد ۲ ص ۱۶۴ - ۱۶۵ - ۱۶۶ -

جال میں پھنس گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نہ مصر پر چڑھائی ہوئی اور نہ ہی وہاں کوئی عورت حکمران بنائی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ظفر یا نصر کو مصر پر بڑھ کر جھوٹ کا تانا بانا بن لیا۔ چنانچہ اہل بصیرت تنقید نگار کہتے ہیں۔

مخالفینِ عائشہؓ اپنے طور بدل بدل کر اگر یہی تاثر دینا چاہتے ہیں کہ آپ کا عمل سراپا نمونہ خطا تھا۔ اور آپ نے جو کچھ کہا وہ وحی الہی کے نقطہ نظر سے غلط صریح تھا۔ تو میرے خیال میں شریفِ قم کے دنا عین کو پہلے اپنے دماغ کی خیر منائی چاہیئے کہ جھوٹ بولنے کے لئے بھی ایک سلیقہ ہوتا ہے۔ کم از کم واقعات کی منطقی تطبیق تو درست ہونی چاہیئے۔ اوٹ پٹانگ باتوں کا ذات رسالت کو ذمہ دار گردانا اس سے زیادہ جرم ہے جو کہ صدیقہ بنتِ صلیق کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ مصر میں کب اور کس وقت عورت کو سر براہ بنایا گیا۔ جس پر آپ نے اخبارِ غصہ فرمایا؟ اور بنایا جاتا تو بھی مصر اسلامی عمارت میں شامل نہیں تھا۔ وہاں کے باشندوں کی ہلاکت سے آپ کو کیا دلچسپی ہو سکتی تھی اور کیوں ان کافروں پر ترس کھا رہے تھے؟ میرا خیال ہے کہ واقعات کا تانا بانا ترتیب دیتے وقت دروغ گو را حافطہ نباشد کے اصول کو فراموش نہیں کیا گیا جیسی تو اتنی فاحش غلطی سرزد ہوتی چلی گئی اور آنے والے متبعین سنت انہی سازشوں اور کڈالوں کی ہر ہچری کو وحی الہی تسلیم کرتے رہے۔ پھر دیکھئے کہ مشاہدے کی گواہی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مصر اور شام پر بیزنطینی ایمپائر کے آخری تاجدار ہرکولیس سنہ ۶۴۱ء میں فرما کر آئے تھے جس کے آخری دورِ حکومت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنہ ۶۳۲ء میں اس جہاں سے رخصت ہو گئے اور دوسرے الفاظ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں مصر پر عورت کو سر براہ بننے کا موقع ہی نہیں ملا۔ ایسے میں راویانِ حدیث کو بتانا چاہیئے کہ کب اور کس وقت اور کس نام سے اہل مصر نے عورت کو منصبِ سربراہی تفویض کیا اور پیغامِ رساں کا نام کیا تھا جو بن پوچھے خلوتِ کدوِ نبوت میں داخل ہوا۔ تاکہ حدیث کی واقعات سے کچھ نہ کچھ تطبیق کی صورت نکل سکے۔ آمید ہے کہ زیر بحث روایت پر فنی علی اور جان لیوا تنقیدوں کے بعد یہی سہی رفق

بھی جاتی رہی ہوگی اور جن حضرات نے جذبات کے تابع ہو کر زوہد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک گہری سازش کو وحی الہی سے تعبیر کر کے منکرین پر کفر کے فتوے دیئے۔ ان کا پہلا فرض یہ ہے کہ رسوائے عالم نام نہاد عربی فخرے کو حدیث نبوی ثابت کر دکھلائیں۔ وحی الہی کا معاملہ تو بعد کا مرحلہ ہے۔

اپنے کھوئے ہوئے گڑھے میں گرنا

اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جو دوسروں کے لئے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔ مصر کے بارے میں سب کچھ جانتے ہوئے ایک لفظ سے دھوکا کھایا یا دھوکہ دینے اور طعنہ زنی کا پروگرام بنایا لیکن سبحانہ و تعالیٰ نے اس کا اس طرح پول کھولا کہ دجلہ دفریکے سہارے بنا دی گئی عمارت دھڑم سے زمین پر آگری۔ چونکہ حدیث میں مصر سے پیغام رساں کے آنے کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ لہذا اس کا جواب تو وہی دے گا کہ جس کے ذہن کی یہ اختراع ہے۔ جب کہ ایران کے تخت پر عورت کا بیٹھنا ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اور اسی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی تھی۔

جہاں تک ایک خوشخبری دینے والے کا تعلق ہے کہ وہ آپ کے پاس پردہ کرائے بغیر اندر داخل ہوا تھا۔ تو اس کا بھی حدیث میں کوئی ذکر نہیں۔ ”اتاہ“ سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ وہ سیدھا حجرے میں داخل ہو گیا۔ بلکہ معمول کے مطابق اُس نے اجازت لی ہوگی۔ ویسے ہی حضرت عائشہ کا حجرہ چھوٹا سا تھا جو مسجد کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ مسجد اور حجرے کے درمیان صرف ایک پردہ حائل تھا۔ آخری مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو امامت کراتے ہوئے اسی پردہ کو ہٹا کر دیکھا تھا۔ آج کل کے یوانوں جیسا معاملہ نہ تھا۔ قرآن پاک میں ایسے بہت سے واقعات بیان ہوئے کہ جن میں بہت سی عبارتیں

معدوف ہیں۔

اس کی مثال سورۃ نمل میں بلقیس کے واقعہ میں اس طرح ہے کہ بُدھ کو حکم ملتا ہے کہ میرا یہ خط لے جاؤ اور ان کی طرف پھینک دینا۔ پھر ان سے ہٹ کر دیکھنا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ بلقیس نے کہا۔ اے سردارو! میری طرف عزت والا خط بھیجا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں یہ تو بتاتا ہے کہ بُدھ کو ایک حکم ملا۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ بُدھ بلقیس کے پاس کیسے آیا اور کس طرح اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کو اس تک پہنچایا۔ بلکہ بُدھ کو ملنے والے حکم کے بعد بلقیس نے جو اپنے سرداروں سے بات کی اس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح بلقیس نے جو تحائف حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجے تھے۔ قرآن ان کے بارے میں بھی خاموش ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب بلقیس کے تحائف کو لوٹا کر کہتے ہیں کہ ہم تم پر ایسے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوں گے کہ جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکے گا اور بلقیس اور اس کی رعایا کو ان کے شہر سے ذیل و رسوا کر کے نکال دیں گے۔ اس کے بعد فوراً حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنے سرداروں سے خطاب ہوتا ہے کہ بلقیس اور اس کے ساتھیوں کے مسلمان ہو کر ہمارے پاس آنے سے پہلے اس کا عرش کون لا سکتا ہے؟ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تحائف قبول نہ کرنے پر بلقیس اور اس کے سرداروں کے درمیان کیا گھنگو ہوئی۔ اور انہوں نے حضرت سلیمان کے پاس جانے کا کس طرح پروگرام بنایا اور اس پر عمل کیسے ہوا؟ قرآن میں یہ سب کچھ واضح طور پر موجود نہیں۔ یہ عربی زبان کی خوبصورتی ہے۔ لہذا خوشخبری دینے والے کے بائے میں اگر کچھ عبارت معدوف ہے تو وہ مقلد نہ کہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ تو اس وجہ سے اعتراض کج بحثی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طیش میں اگر کچھ فرما گئے بمقصد یہ کہ عورت کی سربراہی کو ہلاکت کا موجب آپ نے اس وقت ٹھہرایا جب کہ عائشہ صدیقہؓ کی گود میں سر رکھے ہوئے تھے اور عائشہ صدیقہؓ کو وحی الہی کا نشا معلوم ہو چکا تھا کہ عورت غمانیدہ حیثیت اختیار نہیں کر سکتی لیکن اس کے

باوصف نہایہ کہ آپ نے جنگ جمل میں جو کردار انجام دیا۔ وہ وحی الہی کی مخالفت کے باعث عسکرِ عائشہؓ کی تباہی پر ہی منج ہوا یعنی انکارِ وحی کی وجہ سے آپ کو اہلِ جنم کا پیشوا بننا پڑا۔

اس اعتراض میں بھی جھوٹ کا سہارا لیا گیا ہے۔ عورت کی سربراہی کی خبر سن کر آپ نے مردوں کی ہلاکت کے بارے میں جو فرمایا۔ اس وقت آپ کا سر مبارک حضرت عائشہؓ کی گود میں نہ تھا اور نہ ہی طیش میں آنا حدیث میں مذکور ہے۔ بلکہ شکرانے کا سجدہ کرنے کے بعد کی یہ بات ہے۔

رہی بات یہ کہ حضرت عائشہؓ کو اس کی خبر سنی کہ جو کچھ آپ نے فرمایا لیکن اس کے باوجود انہوں نے جنگ جمل میں حصہ لیا۔ اس میں حیرت کی کوئی بات ہے۔ سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اہبات المؤمنین کو حکم دیا ہے۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ۚ "تم اپنے گھروں میں رہنا"

کیا قرآن کا حکم ان کے سامنے نہ تھا؟ اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ نے ان کو روکنے کے لئے کیا خطہ لکھا تھا؟ حج سے واپسی پر حضرت عائشہؓ کے علاوہ سب اہبات المؤمنین مدینہ واپس کیوں لوٹ آئیں؟

امام ابن ابی شیبہؒ نے عبید بن سعد سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے بصرہ جانے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ مقدمہ تھا۔

یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ جب سورۃ احزاب کی یہ آیت پڑھیں

۱۔ عورت اور سہلا مارت : ص ۲۴

۲۔ سورۃ الاحزاب : آیت ۳۳

۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ : جلد ۱۰ ص ۲۸۱

تو جنگِ جمل میں حصّہ لینے پر اتنا رقتیں کہ ان کی اڑھنی آنسوؤں سے بھیگ جاتی۔ ویسے بھی حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کے باوجود جنگِ جمل میں حصّہ لیا تو اس میں پریشان اور حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ حضرت عائشہؓ مکہ سے امارت و خلافت کے حصول کا قصد کر کے بصرہ نہیں پہنچی تھیں۔ ان کی جدّ و جہد صرف حضرت عثمان غنیؓ کے قصاص تک محدود تھی۔ لیکن اس کے باوجود ان کو یہ احساس رہتا تھا کہ جنگِ جمل میں ان کا شریک ہونا قرآنی تعلیم کے مطابق نہ تھا۔

حضرت عائشہؓ کے بارے میں آخری جملہ لکھنے والا شخص اہل سنت میں سے نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ اہل سنت کا ایمان ہے کہ حضرت عائشہؓ جنت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہوں گی۔ جیسا کہ حضرت عثمان بن یاسرؓ نے کوفہ کی مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر اعلان کیا تھا۔

محمدؐ تین اور ائمہ رجال کا طریقہ کار

محمدؐ تین کا معمول ہے کہ جب کسی روایت کے راوی کو ضعیف کہہ دیتے ہیں تو پھر اس کی روایت کی طرف التفات نہیں کرتے۔ لیکن اہل بصیرت تنقید نگار نے فنی، علمی اور جان لیوا تنقیدوں میں جان بوجھ کر دجالوں اور کذابوں کا طریقہ اپنایا ہے۔ یعنی عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت کو جھٹلانے کی خاطر کوئی ایسا حربہ نہیں چھوڑا جسے انہوں نے استعمال نہ کیا ہو۔ حالانکہ جن ائمہ رجال کی کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں انہوں نے جس راوی پر بحث کی تو جرح کے ساتھ اس کی تعدیل کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔ اگر کسی راوی کے ضعیف یا ثقہ ہونے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کی ثقاہت یا ضعف میں سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی بلکہ بڑی دیانتداری کے ساتھ اس کے بارے میں پوری معلومات ہتیا کر دی ہیں۔ جب کہ اہل بصیرت تنقید نگار اور ”روشن خیال“ حضرات کا عمل اس کے خلاف رہا ہے۔

بحار بن عبد العزیز کے بارے میں بھی ائمہ رجال ان کی عدالت و ثقافت پر متفق نہیں، اگرچہ ان کے

حق میں جو اقوال منقول ہیں۔ ان کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ ادران سے مروی روایت پر جو اعتراضات وارد ہوتے تھے۔ ان کا بھی کافی شافی جواب دے دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود بکار بن عبدالعزیز دالی روایت کو بخاری مسلم کی روایات جیسا مقام حاصل نہیں ہوگا۔ لہذا ان کی روایت کو بھی اصل کی بجائے تائیدی روایت کے طور پر قبول کیا جائے گا۔

تنقید سے محفوظ اسناد

معلوم ہوتا ہے کہ اہل بصیرت تنقید نگار فنی، علمی اور جان لیوا تنقیدوں کی وجہ تھک گئے تھے، کہ مسند احمد کی تین روایات کے راویوں کو معاف کر دیا یا دہل و فریب کی ایسی انتہاء ہو چکی تھی کہ یہاں درگزر سے کام لیا۔ لیکن ان کا ذکر ضروری اس لئے ہے کہ واضح ہو جائے کہ محدثین کس طرح ایک روایت کو شک و شبہ سے بلند کرنے کے لئے مختلف طرق سے نقل کرتے ہیں۔ تینوں روایات میں عیینہ اپنے باپ عبدالرحمن کے حوالے سے اپنے دادا ابو بکرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ مسند احمد میں عیینہ کے باپ کا نام نہیں دیا گیا ہے۔ لیکن مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے۔ مسند احمد میں عیینہ کے نیچے ایک روایت میں محمد بن بکر، دوسری میں یزید بن ہارون اور تیسری میں یحییٰ راوی ہیں۔ جب کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابو داؤد ہیں۔ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ بصرہ میں پیدا ہونے والے پہلے بچے تھے۔ ادران کی پیدائش پر ایک اوٹ ذبح کیا گیا تھا۔ ابن سعدؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے :-

كان ثقة وله أحاديث
وہ ثقہ تھے ادران کے لئے احادیث ہیں
وروايته
اور روایت ہے

حافظ ابن جریر عسقلانی نے نقل کیا ہے کہ ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے اور البعلی نے کہا کہ وہ بصری تابعی ثقہ تھے۔

دوسرے جن راویوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی ائمہ رجال نے کلام نہیں کیا۔ یعنی سارے ثقہ اور معتبر ہیں جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ مسند احمد میں عورت کی نفی کرنے والی کسی روایت کے کسی راوی کو اگر ضعیف کہا گیا ہے تو مضبوط سند والی روایات سے اس کا ازالہ بھی کر دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو بکرؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔

لَنْ يَفْلَحَ قَوْمٌ اسندوا مِمِّمْ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنا

الى امرأة معاملہ عورت کے سپرد کر دیا۔

اس حدیث کے راویوں میں حضرت ابو بکرؓ سے روایت کرنے والا ایک بھی راوی ایسا نہیں کہ جس کے بارے میں اہل بصیرت تنقید نگار نے کوئی تنقید کی ہو۔ انہوں نے زیادہ تر عوف الاعرابی اور حسن بصری کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ چنانچہ ”حسن بصری کا سیاسی مذہب“ کے تحت لکھتے ہیں کہ سابقہ سطروں میں ہم نے عوف اعرابی اور حسن بصری کے نظریاتی کردار کا تجزیہ کیا اور ان شخصیتوں کو قابل احترام سمجھتے ہوئے بھی اس قابل نہیں جانا کہ ان کی ہر بات قابل قبول ہے۔ اب ہم کہتے ہیں اور واشکاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ زیر بحث حدیث کے ذمہ دار جناب ابو بکرؓ نفع بن الحارث نہیں۔ عوف اعرابی یا پھر خود جناب حسن بصری صاحب ہی ہیں۔

۱۔ تنہیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۴۸۔ تقریب التہذیب ص ۱۹۹۔

۲۔ مسند احمد جلد ۵ ص ۴۶۴ (حدیث: ۱۹۶۳۳) کنز العمال: جلد ۶ ص ۷۹۔

۳۔ عورت اور مسئلہ مارت: ص ۳۴۔

اب بحث یہ نہیں کرنا انہوں نے عوف الاعرابی اور حسن بصری کا کتنا احترام کیا یا ان کی کتنی توبہ کی۔ بات صرف اتنی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث گھڑنے میں کوئی ہاتھ نہیں دیا۔ واشکات الفاظ میں یہ اعلان کر دیا گیا ہے۔ تو اب بات ابوبکرؓ سے روایت کرنے والے راویوں کی رہ جاتی ہے۔ مسند احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں جن اسناد کے ساتھ مذکورہ روایت مروی ہے۔ ان میں نہ کوئی مدرس ہے کہ اپنے استاد کا واسطہ چھوڑ کر روایت نقل کرنے یا بیان کرنے والا ہے۔ اور نہ ہی کوئی ضعیف ہے۔ لہذا ان اسناد کے ذریعے عورت کی سربراہی کی نفی ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔

مختلف اسناد

اسناد کی بحث کو سمیٹنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کی تمام اسناد کا ذکر کر دیا جائے تاکہ واضح ہو سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کو نقل کرنے والوں کی تعداد کتنی ہے۔

حدیث کے الفاظ ہیں:-

لَنْ يَفْلَحَ قَوْمٌ وَلَوْ اَمْرَهُمْ امْرَاةٌ

لَنْ يَفْلَحَ قَوْمٌ تَمْلِكُهُمْ امْرَاةٌ

لَنْ يَفْلَحَ قَوْمٌ اَسْنَدَ وَاَمْرَهُمْ اِلَى امْرَاةٍ

هَلَكْتَ الرِّجَالُ حِينَ اطَاعَتِ النِّسَاءَ

مَا اَفْلَحَ قَوْمٌ يَلِيْ اَمْرَهُمْ امْرَاةٌ

معنی و مفہوم سب کا ایک ہی بنتا ہے کہ جو قوم اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دے گی۔ وہ فلاح نہیں پائے گی۔

- (۱) حَدَّثَنَا عُمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ قَالَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ
- (۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى ثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ نَا حَمِيدُ الطَّوِيلِ عَنْ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ

امام ترمذیؒ نے اس سند کے ساتھ عودت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کو نقل کر کے اس کو صحیح کہا ہے۔

- (۳) حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ ثَنَا بَكَّارُ بْنُ قَتَيْبَةَ الْقَاضِي بِمِصْرَ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عَيْسَى الْقَاضِي ثَنَا عَوْفٌ بْنُ جَمِيلَةَ عَنْ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ
- اس سند میں دو قاضی ہیں اور امام حاکم نے اس سند سے مروی حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

- (۴) أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ ثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى ثَنَا مَسَدُ ثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ عَنْ حَمِيدٍ عَنْ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ
- اس سند کے ساتھ روایت ہونے والی حدیث کو بھی امام حاکم نے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرط پر صحیح فرمایا ہے۔

- (۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ حَدَّثَنِي أَبِي ثَنَا اسود بن عامر ثَنَا حاد بن سلمة عَنْ

صحیح بخاری: کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی کسری و قیصر ص ۶۳۷۔ کتاب الفتن ص ۵۲۔ ۱۔

جامع الترمذی: کتاب الفتن جلد ۲ ص ۱۶۱۔ سنن النسائی: کتاب الادب الفضاۃ راہی استعمال النساء فی الحکم جلد ۲ ص ۳۰۱۔

(بخاری، ترمذی اور نسائی میں "لن یفلح قوم ولوا امرهم امرأة" کے الفاظ ہیں)

المستدرک: کتاب الفتن والملاحم: جلد ۴ ص ۵۲۲ - ۵۲۵۔

المستدرک و تخمینہ الحافظ الذہبی: کتاب الادب جلد ۴ ص ۲۹۱۔

حمید عن الحسن عن ابی بکرؓ

(۶) حدّثنا عبد اللہ حدّثنی ابی ثناء یزید بن ہارون ثنا مبارک بن فضالہ

عن الحسن عن ابی بکرؓ

(۷) حدّثنا عبد اللہ حدّثنی ابی ثناء عفان ثنا مبارک بن فضالہ عن الحسن

عن ابی بکرؓ

مذکورہ پانچ اسناد کے ساتھ حدیث کا متن ”لن یا لایفلح قوم تملکھم امرأة“ مروی ہے۔

(۸) حدّثنا عبد اللہ حدّثنی ابی ثناء یزید بن ہارون أنا عیینہ عن ابیہ

عن ابی بکرؓ

(۹) حدّثنا عبد اللہ حدّثنی ابی ثناء محمد بن بکر ثنا عیینہ عن ابیہ عن

ابی بکرؓ

(۱۰) حدّثنا عبد اللہ حدّثنی ابی ثناء یحییٰ عن عیینہ حدّثنی عن ابی بکرؓ

(۱۱) حدّثنا ابو داؤد عن عیینہ بن عبد الرحمن عن ابیہ عن ابی بکرؓ

۱ سند احمد - جلد ۵ ص ۴۳ -

۲ سند احمد - جلد ۵ - ص ۴۷ -

۳ سند احمد - جلد ۵ ص ۵۱

۴ سند احمد - جلد ۵ ص ۴۷

۵ سند احمد - جلد ۵ ص ۴۷

۶ سند احمد - جلد ۵ ص ۳۸

۷ مصنف ابن ابی شیبہ: کتاب الجمل - جلد ۱۵ حدیث ۱۹۶۳۳ ص ۲۶۶ -

ان چار سندوں کے ساتھ ”لن یا لایفلاح قوم اسندوا امرہم الى امرأة“ منقول ہے۔

۱۲۔ حدثنا عبد الله حدثني ابي حدثنا احمد بن عبد الملك الحمراني ثنا ابو بكرة

تبكار بن عبد العزيز بن ابي بكرة قال سمعت ابي يحدث عن ابي بكره له

۱۳۔ اخبرنا عبد الله بن الحسين القاضي بمرو ثنا الحارث بن ابي اسامة ثنا محمد

بن عيسى بن الطباع ثنا بكار بن عبد العزيز بن ابي بكرة قال سمعت ابي

يحدث عن ابي بكره

امام حاکم نے اس سند کے ساتھ مروی حدیث کو صحیح الاسناد کہا۔ امام ذہبی نے بھی تنقیص میں صحیح

قرار دیا۔ اور امام حاکم نے سند نمبر ۴ والی حدیث کو شاہد بنایا۔ ان دو سندوں کے ساتھ ”هلكت

الرجال اذا اطاعت النساء“ مکرر ہے۔

۱۴۔ حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا عفان ثنا حماد بن سلمة انا علي بن

زيد عن عبد الرحمن بن ابي بكرة اور دوسری سند میں ہودہ بن خلیفہ بھی ہے۔

یہی وہ دو سندیں ہیں کہ جو نو روایات کے مجموعہ کے ساتھ منکد ہیں۔ ان نو میں سے ایک روایت

کے الفاظ ہیں ”ما افلاح قوم يلي امرهم امرأة“

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایات کے راویوں کی تعداد

اتنی ہے کہ ایک راویوں کے ضعف سے ان کی مضبوطی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۱۔ مسند احمد : جلد ۵ ص ۴۵۔

۲۔ المستدرک : کتاب الادب : جلد ۴ ص ۲۹۱۔

امام حافظ ابی شیبہ المتوفی ۸۰ کی تحقیق

باب مَلِكِ النِّسَاءِ کے تحت امام البیہقی نے جابر بن سمرہ کے حملے سے نقل کیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم نے اپنی رائے کا مالک عورت کو بنایا وہ کبھی نجات نہیں پائے گی۔ طبرانی نے "الاوسط" میں اپنے شیخ ابو عبیدہ عبد الوارث بن ابراہیم سے اس کو روایت کیا ہے۔ امام البیہقی کا قول ہے کہ ابو عبیدہ کو یوں نہیں جانتا لیکن اس کے باقی رجال ثقہ ہیں۔

انہوں نے دوسری روایت عبد اللہ بن الجحن سے یوں نقل کی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ (بصرہ) تشریف لائیں تو ہم حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ عائشہ بصرہ پہنچ چکی ہیں۔ اور آپ کہا کرتے تھے۔ عائشہ۔ عائشہ۔ عائشہ ہی ذی عائشہ۔ لہذا اب ہمارے ساتھ چلیں۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے ایک حدیث سنی تھی۔ وہ مجھے یاد آگئی ہے۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے سب کی ملکہ بقیس کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا! اِنَّهَا اس قوم کو مقدس نہیں بنائے گا کہ جس کی قیادت عورت کرے گی۔ اس کو بھی طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اور اس میں ایک جماعت ہے کہ جسے میں نہیں پہچانتا۔

امام البیہقی نے فرمایا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ ابوبکرؓ کی صحیح (بخاری) میں اس کے علاوہ حدیث ہے اسے یعنی انہوں نے خود دو روایتیں نقل کیں۔ ان کے مقابلے میں صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح دی۔

محدثین کا یہی معمول رہا ہے کہ جو حق بات ہے اس کو اپنایا جائے اور جہاں کہیں کسی روایت

میں بات واضح نہ ہو تو اس کو ٹھکرا دیا جائے۔ اگرچہ مجمع الزوائد کی روایات کو بھی تائید کے طور پر قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ امام حافظ البیہقی نے صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

عورت کی سربراہی کے تاریخی ثبوت کی حقیقت

جناب رحمۃ اللہ طارق نے عورت کی سربراہی کو ثابت کرنے کے لئے چند مسلم اور غیر مسلم حکمران عورتوں کے حوالے بھی دیئے ہیں جس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اگر ماضی میں مسلم و غیر مسلم ممالک کی عورتیں حکمران رہ چکی ہیں اور اب بھی کئی غیر مسلم ملکوں میں حکمرانی کر رہی ہیں۔ تو پاکستان میں ایک مسلم خاتون حکمران کیوں نہیں ہو سکتی۔ ۹۔

اس کی وضاحت پروفیسر محمد اسلم صاحب کے مضمون کے جواب میں کر دی گئی ہے کہ چند تاریخی واقعات کو دلیل بنا کر قرآن و سنت کی تعلیم کو منہ نہیں کیا جاسکتا۔ ویسے بھی جن مسلم خواتین حکمران کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ ان کی حکمرانی کسی حادثہ یا مخصوص حالات کا نتیجہ تھی۔ اور ان کا انجام بھی اسی کے تابع تھا۔

ست الملک

جناب رحمۃ اللہ طارق نے احادیث کے زواہد کے بارے میں کذب و دہل کا جو مظاہرہ کیا ہے۔ اپنے اسی معمول کو تاریخی حوالوں میں بھی اپنا یا ہے۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے۔

خلیفۃ العزیز باللہ کی لڑکی ست الملک ۱۰۲۴م جب مہری تخت و تاج کی ملکہ بنی تو علماء نے اس کے خطبے پڑھے۔ اعیان مملکت نے بغیر کسی ذہنی تحفظ کے بیعت اور اعلان وفاداری کیا۔ اور

ملکہ نے بھی اپنی تمام توانائیاں رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر کے عدل و انصاف کی حسبِ نشانہ ایک مثال قائم (مقریزی - الدر المنثورہ تاریخ ابن اثیر)
رحمت اللہ طابق صاحب نے لکھا ہے۔

غور فرمائیے عورت اگر زیرکی، فزائیگی اور صلاحیت جہاں بانی سے عاری ہوتی تو مسلمانوں کا یہ خمِ غمخیز اس کی غیر مشروط اطاعت پر کیسے متفق ہو سکتا تھا؟ نیز اسلام اگر عورت کی سربراہی کی نفی کرتا تو یہ لوگ عورت کو سربراہ بنا کر اسلام کی نفی کیسے کر سکتے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ عدل و انصاف چونکہ مملکت کے لئے ریٹھ کی ہڈی ہوتی ہے۔ اور اس کا صدور ایک رحم دل انسان ہی سے ممکن ہے۔ لہذا عورت ہی اگر اس منصب پر فائز کر دی جائے تو وہ اپنی رحمت کی نفسیات کو عدل و انصاف کا جُز بنا سکتی ہے۔

محاسبہ

ست الملک کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ اس کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تاریخ ہی کو دیکھا جائے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ خود ملکہ بنی ہمتی یا اُس نے اپنے بھتیجے علی بن حکم کی بیعت کروائی تھی اور وہ کتنی رحم دل اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے والی تھی۔
علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مصر کے بادشاہ حاکم بامر اللہ کو خبر ملی کہ اس کی بہن (ست الملک) کے پاس اجنبی مرد آتے جاتے ہیں۔ لہذا اس نے اپنی بہن کو ڈانٹا۔ لیکن بہن نے ناراض ہو کر کتا مر کے سپہ سالاروں میں سے ابن دواس کو بلا بھیجا اور اس کو اپنے بھائی کے قتل پر ابھارا۔ حالانکہ ابن دواس حاکم سے ڈرتا تھا۔ ابن دواس کے معاملے کو آسان بنانے کے لئے ست الملک نے اس کو بتایا کہ لوگوں کے نزدیک وہ بدعتیدہ ہو گیا ہے (اگر اس کو قتل نہ کیا گیا) تو لوگ اس کو ہلاک کریں گے اور ان کے ساتھ ہم بھی مر جائیں گے۔ ست الملک نے ابن دواس سے وعدہ کیا کہ

اگر وہ اس کام کو کر دے گا تو وہ بہت بڑے عہدے پر فائز کر کے اس کو جاگریں بھی عطا کرے گی۔ پس ابن دواس نے دو آدمیوں کو بھیجا اور انہوں نے خلوت میں حاکم بامر اللہ کو قتل کر ڈالا۔

جب لوگوں کو حاکم بامر اللہ کے قتل کئے جانے کا یقین ہو گیا تو وہ اس کی بہن ست الملک کے پاس جمع ہوئے۔ اس نے علی بن دواس کو بلا کر تخت پر حاکم کے بیٹے علی کو بٹھا دیا۔ جو کہ ابھی نابالغ لڑکا تھا۔ لوگوں نے اس کی بیعت کر لی۔ اور اس نے ”الظاهر لا عزاز دین اللہ“ کا لقب اختیار کیا۔ ست الملک نے دوسرے شہروں میں علی بن حاکم کی بیعت لینے کے لئے خطوط بھیجے۔

ابن دواس اگلے دن جب حاضر ہوا وہ اس کے ساتھ دوسرے سپہ سالار بھی تھے تو ست الملک نے اپنے ایک خادم کو اشارہ کیا۔ جس نے سب سپہ سالاروں کے سامنے ابن دواس کو قتل کر دیا اور وہ خادم یہ بھی کہتا رہا کہ یہ حاکم کے غلن کا بدلہ ہے۔ ابن دواس کے قتل پر کسی نے احتجاج نہ کیا اور چار سال ست الملک امویہ سلطنت کی نگرانی کرتی رہی۔

علامہ ابن اثیر نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ست الملک نے ریاست کا کچھ انتظام ابن دواس کے سپرد کر دیا اور اس سے کہا کہ ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ مملکت کا سارا انتظام تمہارے حوالے کر کے تمہاری جاگیروں میں اضافہ کر دیں اور تمہیں خلعت سے نوازیں۔ پس تم اس کے لئے کوئی دن مقرر کرو۔ ابن دواس نے زمین کو بوسہ دیتے ہوئے ست الملک کے لئے دُعا کی اور یہ خبر لوگوں میں مشہور ہو گئی۔ پھر ست الملک نے ابن دواس کو بلایا اور اس کے ساتھ دوسرے سپہ سالار بھی حاضر ہوئے۔ ست الملک نے محل کے دروازے بند کروا دیئے۔ اور ابن دواس کی طرف ایک خادم بھیجا اور اس کو حکم دیا کہ وہ سپہ سالاروں سے کہے کہ ابن دواس نے تمہارے بادشاہ کو قتل کیا ہے۔ پھر تلوار سے ابن دواس کو قتل کر دے۔ چنانچہ

خادم نے حکم کی تعمیل کر دی تھی۔

جو کچھ علامہ ابن خلدون نے ست الملک کے بارے میں لکھا ہے۔ علامہ ابن اثیر نے اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ حاکم بامر اللہ کے قتل کے منصوبے پر روشنی ڈالی ہے۔ اور حلیہ میں النجوم الزاہرہ کے حوالے سے یہ بھی منقول ہے کہ اس کے اس راز سے جو کوئی بھی واقف تھا ست الملک نے ان سب کو قتل کر دیا۔ سیّدہ زینب نے ست الملک اور ابن دواس کے غنی معاہدے کے بارے میں جو کچھ نقل کیا ہے۔ وہ جناب رحمت اللہ طارق کو نظر نہیں آیا اور حاکم کے بیٹے علی کی جگہ ست الملک کو تخت و تاج کی مالک بھی بنا دیا۔ حالانکہ الدر المنثور کے الفاظ ہیں۔ اس کے بعد ہم اس کے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیں گے۔ تم ہی مدیر الدولہ ہو گے اور میں تمہارے ولیفے میں ایک لاکھ دینار کا اعنافہ کر دوں گی۔ پھر اس نے ان آدمیوں کو ایک ہزار دینار دیئے جو قتل پر مامور ہوئے تھے۔

عمر رضا کمالہ نے ست الملک اور ابن دواس کے ثنی منصوبے پر اس طرح روشنی ڈالی ہے کہ ست الملک نے اپنے بعض خاص خدمت گزاروں کے ذریعے ابن دواس کے پاس پیغام بھیجا کہ ہماری ملاقات ضرور ہونی چاہیئے اگر تم نہیں آ سکتے تو میں آ جاؤں گی۔ چنانچہ رات کے وقت بھیس بدل کر وہ اکیلی اس کے گھر گئی۔ جب وہ اس کے پاس پہنچی تو ابن دواس نے کئی مرتبہ زمین بوسی کی اور اس کی خدمت میں کھڑا ہو گیا۔ لیکن ست الملک نے اس کو گھر کے اندر بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر کہا۔ اے سیف الدولہ! میں ایسے معاملے میں تیرے پاس آئی ہوں۔ جو میرے، تیرے اور مسلمانوں کے بچاؤ کا سبب اور ذریعہ ہو گا۔ اس میں تیرا بہت زیادہ حصہ ہو گا اور میں اس میں تیری مدد چاہتی ہوں۔

۱۔ تاریخ الکامل - جلد ۷ ص ۳۰۷۔

۲۔ الدر المنثور: ص ۲۴۰۔

ابن دؤاس نے کہا۔ میں آپ کا غلام ہوں۔ ست الملک نے رازداری پر اس سے وعدہ لیا۔ اور اس کو قہر دی۔ پھر اس سے کہا۔ کہ تو جانتا ہے کہ میرا بھائی تیرے بارے میں کیا ارادہ رکھتا ہے ؟ وہ جب موقع پائے گا تو تجھے نہیں چھوڑے گا۔ اسی طرح میں اور تم بہت بڑے خطرے میں ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ اٹوہیت کا مدعی ہے۔ اس نے شریعت اور اپنے آباء و اجداد کی ناموس کو تار تار کر دیا ہے اور اس کا جنون زیادہ ہو گیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مسلمان اس پر حملہ کر دیں گے اور اس کے ساتھ ہمیں بھی قتل کریں گے اور یہ حکومت بُری طرح ختم ہو جائے گی۔

سیف الدولہ ابن دؤاس نے کہا۔ آپ نے سچ فرمایا۔ آپ کی کیا رائے ہے ؟ ست الملک نے جواب دیا۔ اس کو قتل کر دیا جائے تاکہ ہم اس سے راحت پائیں۔ جب معاملہ ٹھیک ہو جائے گا تو اس کی جگہ ہم اس کے بیٹے کو بٹھا کر مال خرچ کریں گے۔ تم سپہ سالار، شیخ الدولہ اور مدبر و منتظم ہو۔ جب کہ میں پردے کے پیچھے رہنے والی ایک عورت ہوں۔ میری غرض صرف سلامتی ہے۔ تاکہ تمہارے درمیان ذلت و رسوائی سے بچتے ہوئے چین سے رہوں۔ پھر اس نے ابن دؤاس کو بہت سی جاگیریں عطا کیں۔ مال و خلعت اور سالانہ سواریاں مہیا کرنے کا وعدہ بھی کیا۔

پروگرام کے مطابق دو غلاموں کے ہاتھوں اپنے بھائی حاکم کو قتل کر دیا۔ ابن دؤاس اور دونوں غلام حاکم کی لاش لے کر جب ست الملک کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنی ہی بیٹھک میں دفن کروا کر اس پر راز کا پردہ ڈال دیا۔ ابن دؤاس اور دونوں غلاموں کو بہت سے مال اور کپڑوں سے نوازا۔ اس کے بعد رئیس الرؤساء خلیفہ الملک وزیر کو اطاعت و وفا کی شرط پر قسم دیتے ہوئے راز میں شریک بنالیا۔ لیکن جب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تو ابن دؤاس، وزیر اور ہر اس شخص کو قتل کر دیا جو اس کے خونی پروگرام سے واقف تھا۔

یہ بھی وہ رحم دل اور عدل و انصاف کرنے والی ست الملک کہ جس کا حوالہ دے کر عدت کی سربراہی کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ جن کتابوں کے حوالے دیئے گئے۔ ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ منقول نہیں کہ اُس نے لوگوں سے اپنی بیعت لی تھی یا خود تخت نشین ہوئی تھی بلکہ غنی ڈرامے کے بعد اس نے اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھایا تھا۔

شجرۃ الدر

مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ عدت مصر کے سلطان صالح نجم الدین ابو الفتوح ایوب کی ترکی لوڈی تھی اور سلطان کے لئے اس کے بطن سے سلطان خلیل پیدا ہوا۔ جب کہ رحمت اللطاف صاحب نے اسے بادشاہ نجم الدین کی بیٹی بنا دیا ہے۔ اور صرف ان باتوں کا ذکر کیا جو ان کے مطلب کی تھیں۔

مؤرخین کے مطابق جب ملک صالح نجم الدین فرانسیسی فوج کے خلاف منصوبہ کے قرب میں لڑائی کے دوران میں فوت ہو گیا تو شجرۃ الدر نے اس کی موت کو پوشیدہ رکھا۔ یہاں تک کہ اس کا بیٹا توران شاہ شجرۃ الدر کے بلانے پر پہنچ گیا۔ لیکن ستر دنوں کے بعد ۶۴۸ھ کے آغاز میں توران شاہ کو قتل کر دیا گیا۔

عمر رضا کمالہ نے نقل کیا ہے کہ جب توران شاہ منصوبہ پہنچا تو اس نے شجرۃ الدر کو بلایا اور ڈرایا۔ اس سے اس مال کا مطالبہ کیا جو اس نے چھینا تھا۔ اسی وجہ سے شجرۃ الدر نے اپنے بعض مالیات کو بھیجا جنہوں نے اس کو سات محترم ۶۲۸ھ میں قتل کر دیا ہے۔

بنو ایوب کی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ترک مالیک نے حکومت شجرۃ الدر کے حوالے کر دی اور

عز الدین ایک ترکمانی کو افواج کا سربراہ بنا دیا۔

مقریزی اور سیّدہ زینب نے نقل کیا ہے:-

خلعت علی الممالیک اس نے ترک ممالک کو خلیفہ عطا
البحریۃ وانفقت فیہم کیس اور ان پر مال خرچ کیا۔ لیکن اہل
الاموال ولم یوافق اہل شام نے اس کی سلطنت سے
الشام علی سلطنتہا وطلبوا موافقت نہ کی اور انہوں نے حلب
المملک الناصر صلاح الدین کے امیر ملک ناصر صلاح الدین یوسف
یوسف حلب فصار الی کو بلا لیا۔ چنانچہ وہ دمشق گیا۔ اور
دمشق وملكها فانزعج وہاں کی حکومت سنبھل لی۔ قاہرہ میں
العسکر بالقاهرة فوج بے چین و بے قرار ہو گئی۔“

السلطان الملك المعز عز الدین ایک کے ترجمہ کے تحت مقریزی نے یہ بھی لکھا ہے:-
فلما مات الصالح وقدمته جب سلطان صالح فوت ہو گیا اور ترکی ممالک نے
البحریۃ علیہم فی سلطنة عز الدین کو شجرۃ الدر کی حکومت میں اپنا سپہ سالار
شجرۃ الدر کتب الیہم الخلیفۃ بنالیا۔ وظیفہ معتمد نے بغداد سے ایک
المعتصم من بغداد یدہم ایسا خط لکھا کہ جس میں اس نے عورت کو طحڑان
علی اقامۃ امراة بنانے پر ان کی مذمت کی۔“

۱۔ المدون المشرور: ص ۲۵۵ - المخطوط المقریزی: جلد ۲ ص ۲۳۷۔

۲۔ المخطوط المقریزی: ص ۲۳۸۔

ڈاکٹر فرید ایم شافعی کے الفاظ ہیں:-

The accession of Shagaret-Ad-Durr to the throne aroused the anger of Muslims not only in Egypt but in all Muslim Countries. The Abbassid Caliph sent word to the Mamluks saying: if there is no man among you fit to rule I shall send one to you. As a compromise, Shagaret-Ad-Durr was married to Izz-Ad-Din Aybak, the Commander-in-Chief of the army. He was called Aybak or Father of the soldiers. He became Sultan under the name of The King Al-Muizz. ۱

شجرۃ الدر کے تخت نشین ہونے پر نہ صرف مصر میں بلکہ تمام اسلامی ممالک میں غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ عباسی خلیفہ نے ممالیک کو کہلا بھیجا کہ اگر تمہارے پاس حکومت کرنے کی صلاحیت رکھنے والا کوئی مرد نہیں تو میں تمہاری طرف ایک دانہ کٹے دیتا ہوں۔ سمجھوتے کے طور پر شجرۃ الدر کی شادی افواج کے سربراہ عز الدین ایبک سے کر دی گئی جس کو ایبک یا فوجیوں کا باپ کہا جاتا تھا وہ ملک المعز کے نام سے مصر کا سلطان بن گیا۔

خلیفہ بغداد کا عورت کی حکمرانی کو ختم کرنا

عمر رضا کاٹا نے لکھا ہے :-

وما بلغ الخليفة المستنصر بالله
ابا جعفر وهو ببغداد ان اهل
مصر سلطنوا عليهم امرأة
ارسل يقول لامراء مصر
اعلمونا ان كان ما بقى
عندكم فى مصر من الرجال
من يصلح للسلطنة
فنحن نرسل لكم من
يصلح لها اما سمعتم فى
الحديث عن رسول الله
صلى الله عليه وسلم انه
قال : لا افلح قوم ولوا
امرهم امرأة وانكر
عليهم انكارا عظيما وهدم
وحضهم على الرجوع من
توليتهم مصر فلما بلغ
شجرة الدر ذلك خلعت
نفسها من السلطنة بضاها
من غير اكراه بعد ان

تخلقه مستنصر بالله ابو جعفر
میں جب یہ خبر ملی کہ اہل مصر نے اپنے
اوپر ایک عورت کو حکمران بنالیا ہے تو
اس نے مصر کے امراء کے پاس پیغام
بھیجا۔ اگر تمہارے پاس مصر میں مردوں
میں سے کوئی ایسا باقی نہیں بچا جو
حکمرانی کی صلاحیت رکھتا ہو۔ تو ہمیں
بتا دو تاکہ ہم تمہارے اس کو بھیجیں
جو حکمرانی کر سکتا ہے۔ کیا تم نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی حدیث نہیں سنی کہ آپ نے فرمایا
اُس قوم نے فلاح نہیں پائی جس نے
عورت کے سپرد اپنا معاملہ کر دیا۔
خلیفہ نے زبردست ناپسندیدگی کا
اظہار کیا اور ان کو ڈرایا اور مصر
پر عورت کی حکمرانی کو ختم کرنے کی
تمکین کی۔ جب شجرۃ الدر کو یہ بات پہنچی
تو بلا حشر و اکراہ وہ اپنی مرضی
سے حکومت سے الگ ہو گئی۔ حالانکہ

حکومت بالدیار المصریۃ وہ مصری علاقوں پر تین بیٹے سے چودہ
نحو ثلاثۃ اشهر الا یا ما لہ کم حکومت کر چکی تھی۔

مقریزی اور سیدہ زینب نے واضح کیا ہے کہ عز الدین ایک ترکمانی نے شجرۃ الدر سے شادی کر
لی۔ اود وہ اس کے لئے حکمرانی سے دستبردار ہو گئی۔ اس کی حکومت کی مدت اسی دن تھی۔
اس عورت کی ذہانت و فطانت کا پتہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب اس کے خاوند
عز الدین نے موصل کے امیر کی بیٹی سے شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ تو شجرۃ الدر نے اس کو غفلت میں قتل
کرنے کا پروگرام بنا کر غلام کو ساتھ ملا لیا اور ان کو مال کثیر دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ عز الدین جب چوگان
کھیلنے کے بعد تھکا ہوا حمام میں نہانے کے لئے داخل ہوا۔ تو غلام نے اس کو زمین پر لٹکا کر اس کا
گلا دبا دیا۔

ممالیک میں سے عز الدین مصر کا پہلا حاکم و بادشاہ تھا۔ جس کے بارے میں ابوالفلاح عبدالحی
بن العماد الحنبلی نے لکھا ہے کہ وہ حرام اور غیر مستحسن کاموں سے ٹکنے والا اور پاک دامن انسان تھا کسی
کی حاجت و ضرورت کو نہ نہ کرتا اور نہ ہی شراب پیتا تھا۔ امراء کی بہت زیادہ مدارات کیا کرتا تھا۔
اس نے دریا کے کنارے مدرسہ بنوایا۔ اور اس کے لئے خوب مال وقف کیا۔
شجرۃ الدر کے انجام کے بارے میں ڈاکٹر فرید ایم شافعی نے لکھا ہے :-
عز الدین ایک نے موصل کے امیر کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کے لئے اس کی بیٹی سے

۱۔ اعلام النساء جلد ۲ ص ۲۸۸۔

۲۔ المخطوط المقرنیۃ: جلد ۳ ص ۲۳۸۔ الدر المنثور: ص ۲۵۵۔ اردو دائرۃ المعارف: جلد ۱ ص ۶۵۹۔

۳۔ شذرات الذهب: جلد ۵ ص ۲۶۶ - ۲۶۸۔

شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ جس پر شجرۃ الدرد نے ناراض ہو کر اس کو حمام میں قتل کرنے کا منصوبہ بنالیا۔ ممالیک نے اس کے خلاف بغاوت کر کے اس کو قلعہ میں قید کر دیا۔ پھر عز الدین کی پہلی بیوی کو جسے شجرۃ الدرد نے طلاق دلا دی، اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ شجرۃ الدرد کو لکڑی کی کھڑائیوں اور جوتوں کے ساتھ مار مار کر ختم کر دیا جائے۔ شجرۃ الدرد کی جب اس سزا کی وجہ سے موت واقع ہو گئی، تو اس کی لنگی لاش کو قلعہ کے باہر گڑھے میں پھینک دیا گیا۔

رَضِیَّہٗ سُلْطَانہ

پروفیسر محمد اسلم کے مضمون کے جواب میں رضیہ سلطانہ کی حکمرانی پر تفصیلاً بحث ہو چکی ہے کہ وہ کن حالات میں ملکہ بنی اور قرآن و سنت کی مخالفت کرنے کا نتیجہ کیا نکلا؟ یہاں صرف یہ بات سامنے رہنی چاہیے کہ قرآن و سنت کے قانون کو انسانوں کی کثرت رائے سے نہ ختم کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس میں کوئی ترمیم ہو سکتی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اچھائی اپنانے یا ٹھکرانے کا اختیار دے رکھا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر جبر نہیں کرتا بلکہ ان کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دیتا ہے۔ یامنی میں جہاں جہاں حکمرانی مسلمان عورتوں کو ملی یا انہوں نے حاصل کی تو نتیجہ وہی سامنے آیا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی۔

ملکہ مین فاطمہ

اس ملکہ کے بارے میں جناب رحمۃ اللہ طارق نے لکھا ہے کہ اس نے زیدی مذہب کی

اشاعت کے لئے صنعاء سے لے کر نظار اور معدہ سے لے کر نجران تک کے دور دراز علاقے فتح کر کے اپنی قائمہ صلاحیتوں کا ڈنکا بجا دیا تھا۔ رحمت اللہ طارق صاحب نے اپنے معمول کے مطابق یہاں بھی حوالہ اتنا ہی دیا کہ جتنا ان کے مطلب کا تھا جہاں سے بات ان کے خلاف جاتی ہے۔ اس کے آگے نہیں گئے۔

چنانچہ خیر الدین الزرکلی نے نقل کیا ہے کہ امام الناصر لدین اللہ صلاح الدین نے اس سے شادی کر لی۔ اور وہ معدہ ہی میں رہی۔ مؤرخ الضمیدی نے شہید کے حلوٹ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسی سال الشریفہ فاطمہ بن الحسن نے حسن بن محمد مداعس کو باپ سیدان کے پیچھے قتل کرنے کا حکم دیا۔ جس کی وجہ سے حسن کا بھائی عبد اللہ اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے میدان میں آگیا۔ اور وہ اپنے ساتھ تمام انصہ کو بھی لے آیا۔ پس اُس نے ایک مدت تک معدہ کا محاصرہ کر کے شوال ۵۷۷ھ میں اس پر قبضہ کر لیا۔ الشریفہ فاطمہ کے ملکوں اور اس کے وزراء پر امام الناصر غالب آگیا اور تمام وزراء کو قید کر کے صنعاء کی طرف ان کو بھیج دیا۔ اُسی وقت الشریفہ مذکورہ کی حکومت ختم ہو گئی۔

الضمیدی نے دوسری جگہ کہا ہے کہ امام الناصر نے الشریفہ کو صنعاء منتقل کر دیا۔ پس اس کی وہیں موت واقع ہوئی۔ اور وہیں اس کی قبر ہے۔

قائمہ صلاحیتوں کا ڈنکا بجانے والی کا حشر بھی وہی ہوا جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی دے دی تھی۔

چاندنی بی

جناب رحمت اللہ طارق کا کہنا ہے کہ چاندنی بی حسین نظام شاہ والی احمد نگر کی بیٹی و علی شاہ

اول بیجاپور کی ملکہ تھی۔ ۱۵۴۷ء میں پیدا ہوئی شادی کے بعد علی عادل کی ۱۵۸۰ء میں فوتگی ہوئی اور اس کی وصیت کے مطابق اس کی بیگم چاند بی بی امورِ مملکت کی منتظم ٹھہری۔ بلکہ بعد اور جمعہ کے علاوہ ہر روز قلعہ میں دربار لگایا کرتی تھی۔

رحمت اللہ طاق صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس نامور عورت نے پانچ سال حکومت کر کے اپنی ہمہ صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ جب کہ علماء میں سے کوئی بھی اس کے منصب و مقام کو زیر بحث نہیں لایا اسے

محاسبہ

رحمت اللہ صاحب کا یہ کہنا کہ چاند بی بی کو اس کے خاوند کی وصیت سے امورِ مملکت کی منتظم بنایا گیا۔ اور وہ بدھ اور جمعہ کے علاوہ ہر روز دربار لگایا کرتی تھی۔ درست نہیں۔ کیوں کہ محمد قاسم فرشتہ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ علی عادل شاہ (چاند بی بی کا خاوند) کے گھر میں کوئی بیٹا پیدا نہیں ہوا تھا اس لئے اس نے اپنے بھائی کے بیٹے شہزادہ ابراہیم طہاسپ کو ماہِ شوال ۹۸۷ھ میں اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ اسی بیٹے شہزادہ ابراہیم کی رسمِ منتہنہ عمل میں آئی اور ایک بہت بڑا جینِ مسرت منعقد ہوا اسے مورخ محمد قاسم فرشتہ نے ابراہیم عادل ثانی کے ابتدائی حالات میں مزید وضاحت یوں کی ہے کہ شہزادہ ابراہیم اپنے چچا علی عادل کی وصیت کے مطابق تخت و سلطنت کا وارث ہوا۔ اور سارے ملک میں اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری ہو گیا ہے

سے عہدت اور سکہ المارت۔ ص ۶۲-۶۳

سے تاریخ فرشتہ۔ جلد ۲ ص ۲۰۶ سے ایضاً۔ ص ۲۲۲

یہ بھی منتقل ہے کہ ابراہیم کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں چند درباریوں نے اقتدار حاصل کر کے سلطنت کے تمام امور کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ چونکہ امراء کا تذکرہ اس قابل ہے کہ اس کتاب میں درج کیا جائے۔ لہذا مختصر بیان کیا جاتا ہے کہ مشہور عادل شاہی امیر کامل خان دکنی علی عادل شاہ کے عہد حکومت میں برسر اقتدار آیا۔ اس نے قلعہ مرچ کی تسخیر کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دیں اور تمام ملکی و سیاسی امور کا مختار ہو گیا۔

کامل خان دکنی نے اپنے اعتباری مقررین کو ابراہیم عادل شاہ ثانی کے گرو مقرر کیا۔ قلعے کے تھانیدار کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس نے بادشاہ کی تعلیم و تربیت کا فریضہ علی عادل کی بیوی چاند بی بی کو سونپا۔ بڑھ اور جمعہ کے علاوہ ہر روز وہ ابراہیم کو شاہی محل سے نکال کر دربار میں لاتا اور تمام لوگوں کو بادشاہ کے حضور میں آنے کا موقع دیتا۔ اور بڑی خوش اسلوبی اور دیانتداری کے ساتھ تمام امور سلطنت کو انجام دیتا۔ دواؤ تک تو کامل خان دکنی کا یہی انداز رہا۔ لیکن بعد میں نشہ اقتدار جادو کی طرح سر چڑھ کر بولا۔ وہ اپنی قوت پر نازاں ہو کر عجیب و غریب حرکتیں کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے چاند بی بی سے بھی بے ادبی کی، چاند بی بی۔ کامل خان کی اس حرکت کو برداشت نہ کر سکی۔ اور اس نے غصہ میں اگر حاجی کشور ولد کمال خان کو یہ پیغام بھیجا۔ کامل خان دکنی اب منصب و کالت کے قابل نہیں رہا۔ میری خواہش ہے کہ یہ خدمت اب تم سنبھال لو۔ لہذا جس طرح بھی ممکن ہو۔ کامل خان کو ٹھکانے لگاؤ۔ اس معاملے میں عجلت سے کام لینا۔ اگر فوراً بھی تاخیر ہو گئی تو پھر کامل خان کی قوت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جائے گی۔ اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا۔

چنانچہ چاند بی بی کی خواہش کے مطابق کامل خان کو قتل کر دیا گیا۔ اور حاجی کشور خان نے تمام

امورِ سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لیا اور چاند بی بی کے مشورے کے مطابق بڑی مستقل مزاجی سے اپنے فسرالض انجام دینے لگا۔ لیکن حاجی کشور خان نے ایک سید زادے امیر مصطفیٰ خان کو اپنے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھتے ہوئے جب قتل کروا دیا۔ تو چاند بی بی اس سے ناراض ہو گئی۔ اور اس نے بھی چاند بی بی پر الزام لگا دیا کہ اپنے بھائی مرغنی شاہ کو سلطنت کے تمام رازوں سے آگاہ کرتی رہتی ہے۔ کشور خان نے ابراہیم عادل شاہ ثانی کو چاند بی بی کے خلاف بھڑکایا۔ اور مشورہ دیا کہ اس کو کچھ عرصہ کے لئے قلعہ ستارا میں قید کر دینا چاہیئے۔ جب نظام شاہی جھگڑوں سے چھٹکارا حاصل ہو جائے تو اسے شاہی محل میں واپس بلا لیا جائے۔ کشور خاں کی چال کامیاب ہوئی اور چاند بی بی کو قلعہ ستارا میں نظر بند کر دیا گیا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ چاند بی بی اپنے خاوند علی عادل شاہ کی وفات کے بعد تخت نشین نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی اس کے ہاتھ میں امورِ سلطنت تھے۔ بلکہ بادشاہ کی تعلیم و تربیت کا فریضہ اس کو سونپا گیا تھا۔ لیکن مرغنی نظام کی بہن اور علی عادل کی بیوہ ہونے کے ناطے اس کا امراء میں اثر و رسوخ ضرور تھا۔ جس کی بنا پر اس نے اپنے خاوند کے معتمد علیہ کو اس لئے قتل کروا دیا کہ اس نے اس کی بے ادبی کی تھی۔ اور اگر سلطنت کے امور کی وہ منتظم ہوتی اور ہتھتے میں پانچ دن اس کا دھبہ لگا کرتا تھا تو اس کو ابراہیم عادل کے حکم سے نظر بند کیا جاتا۔

جب اخلاص خان حبشی کو وکیل السلطنت مقرر کیا گیا۔ اور ملکی و مالی امور اس کی نگرانی میں آ گئے، تو اسی دوران میں چاند بی بی شاہی فرمان کے مطابق قلعہ ستارا سے محل واپس آ گئی، اخلاص خان نے حسب دستور بادشاہ کی تعلیم و تربیت کا فریضہ چاند بی بی کے سپرد کیا ہے

چاندنی بی شادی ہونے کے بعد بجا پور میں ہی مقیم رہی تھی اور اپنے بھائی مر قلعی نظام شاہ سے شادی ہوئے مدت ہو گئی تھی۔ لہذا وہ احمد نگر جانے کی خواہشمند تھی۔ ابراہیم عادل شاہ کی بہن ندریکو کی شادی چاندنی بی کے بھتیجے اور مر قلعی نظام کے بیٹے میراں شاہ کے ساتھ جب ہوئی تو چاندنی بی بھی دلہن کے ساتھ احمد نگر آ گئی۔ مورخ محمد قاسم فرشتہ کے مطابق ان دنوں احمد نگر کے بادشاہ مر قلعی نظام شاہ کی دماغی حالت اچھی نہ تھی۔ جب اُسے بتایا گیا کہ اُترا اور رعایا اس کے بیٹے میراں شاہ کو بادشاہ بنانا چاہتے ہیں۔ تو اس نے اپنے بیٹے کے قتل کا پروگرام بنایا۔ بیٹے نے بادشاہ کے داؤ سے بچ کر اپنے باپ کو مر دیا۔ لیکن ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ میراں شاہ بھی قتل ہو گیا۔ اس کے بعد مر قلعی نظام شاہ کے بھائی کے بیٹے اسماعیل نظام شاہ کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ لیکن برہان نظام شاہ جو کہ اس وقت اکبر بادشاہ کی پناہ میں تھا۔ اس نے احمد نگر آ کر بیٹے کو ہٹا کر خود بادشاہت سنبھال لی۔ برہان نظام شاہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے بیٹے ابراہیم نظام شاہ کو بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ وہ بھی عادل شاہ کی طرف سے سرحدی محافظ حمید خان کے خلاف لڑائی میں اپنی ناکھچی اور بے وقوفی کی وجہ سے قتل ہو گیا۔ ابراہیم کے مارے جانے کے بعد چاندنی بی اس کے بیٹے بہادر شاہ کو بادشاہ بنانے کے حق میں تھی۔ جس کی عمر ایک سال سات مہینے تھی۔ جب کہ اُس وقت کے وکیل السلطنت میاں منجوی اور عسکری سرداروں نے باہمی مشورہ سے ۳۰ سالہ میں احمد شاہ کو تخت پر بٹھا دیا۔

ریاست احمد نگر میں ایسی ہی صورت حال تھی کہ مغل بادشاہ اکبر کے بیٹے شہزاد مراد نے احمد نگر کو فتح کرنے کے لئے ریاست پر چڑھائی کر دی۔ چاندنی بی نے قلعے میں بہادر شاہ ن ابراہیم شاہ کے نام کا غائبانہ خطبہ پڑھوا کر قلعہ کے دفاع کا عزم کر لیا اور یہ بجا پور کے عادل شاہ سے امداد کی درخواست

کردی۔ آہنگ خان کو بھی پیغام بھیجا کہ وہ احمد نگر کی حفاظت کے لئے فوراً پہنچ جائے۔

مغلوں نے جب قلعے پر حملہ کر کے ایک دیوار میں شکاف کر دیا تو چاند بی بی گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں پہنچی اور نہ صرف اس شکاف کو پُر کر دیا بلکہ اہل قلعہ کی ہمت افزائی کرتی رہی۔ شہزادہ مراد اور اس کے ساتھی اپنے مقصد کو پانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور فرقتین میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ چاند بی بی مغلوں کے حوالے ہزار کا قلعہ کر دے گی اور باقی حصہ نظام شاہی کے قبضے میں رہے گا۔ چاند بی بی کی اسی بہادری کی وجہ سے اسے چاند سلطان کا لقب دیا گیا۔ اور چاند بی بی کی کوششوں سے بہادر شاہ احمد نگر کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ چاند بی بی نے آہنگ خان کو منصب پیشوائی پر فائز کر دیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے میں آہنگ خان نے چاہا کہ بہادر شاہ کو اپنے قبضے میں لے کر چاند بی بی کو کسی قلعے میں نظر بند کر دے اور خود سیاہ و سفید کا مالک بن جائے۔ چاند بی بی کو جب آہنگ خان کے ارادے کی خبر ملی تو اس نے آہنگ خان کا قلعے میں آنا جانا بند کر دیا۔ لیکن وہ سرکشی پر اُتر آیا اور قلعے کا اس نے محاصرہ کر لیا۔ یہی صورت حال تھی، کہ شہزادہ مراد کا انتقال ہو گیا اور اس کی وفات کے بعد اس کے بھائی دانیال نے احمد نگر کو فتح کرنے کا پروگرام بنالیا۔ آہنگ خان کے ساتھ پندرہ ہزار سواروں کا لشکر تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ چاند بی بی اور بہادر شاہ سے مل کر مغلوں کے خلاف لڑتا۔ لیکن جب اس کو مغلوں کی آمد کی خبر ملی تو اپنے سامان کو آگ لگا کر جُتیر بھاگ گیا۔ دانیال نے جب احمد نگر کا محاصرہ کیا تو اندرونی ہنگامہ خیزی اور اُمراء کی سرکشی کی وجہ سے پہلے جیسے حالات نہ تھے۔ لہذا چاند بی بی کے لئے دفاع کرنا ممکن نہ رہا۔ چنانچہ جب جیتہ خان سے چاند بی بی نے یہ کہا کہ میری رائے میں قلعہ شہزادہ دانیال کے سپرد کر کے اپنی عزت اور جان بچائی جائے۔ اور جُتیر جاکر اللہ کی مدد کا انتظار کیا جائے تو جیتہ خان نے اہل قلعہ کو جمع کر کے باواز بلند کیا۔ چاند بی بی نے اکبری اُمراء سے ساز باز کر کے قلعہ شہزادہ دانیال کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اہل دکن یہ سُنتے ہی حرم سرا میں داخل ہو گئے۔ اور انہوں نے چاند بی بی کو بڑی بے رحمی سے قتل کر ڈالا۔

رحمت اللہ طارق صاحب کی تاریخی غلطی

جناب رحمت اللہ طارق نے اپنی انقلاب آفرین کتاب میں لکھا ہے۔ ۱۷۸۷ء میں چاند بی بی نے اپنے بھائی مرتضیٰ نظام شاہ کو امور سلطنت سپرد کر کے بقیہ عمر یاد الہی میں صرف کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس کے باوصف کہ وہ امور سلطنت سے دست بردار ہو چکی تھی حمید خان نے دغا کی اور بھاری فوج لے کر محل میں داخل ہوا۔ چاند بی بی نے ذاتی طور پر مقابلہ کیا۔ مگر اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لاسکی اور حمید خان نے اس کا سر قلم کر دیا۔ جب عباس خان کو چہرہ چلا کہ حمید خان نے غداری کر کے بے خبری میں اس کی والدہ کو قتل کر دیا ہے تو وہ دیوانہ وار دوڑتا ہوا آیا اور حمید خاں کا تعاقب کر کے پسرانہ محبت کی بھڑاس نکال لی۔

عجیب اتفاق ہے کہ محمد قاسم فرشتہ اسی دور کا مؤرخ اور اسی علاقے کا رہنے والا تھا۔ احمد نگر اور بیجا پور ریاستوں سے اس کا گہرا تعلق تھا۔ اس نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ چاند بی بی کا عباس خان نامی کوئی بیٹا تھا۔ رحمت اللہ طارق صاحب جیسے اہل بصیرت کو اتنی سی بات بھی سمجھ نہ آئی کہ اگر چاند بی بی کا بیٹا ہوتا تو علی عادل شاہ کے بعد اس کا بیعتجا ابراہیم عادل شاہ بیجا پور کے تخت پر نہ بیٹھتا اور چاند بی بی بھی اپنی والدہ کی طرح اپنے بیٹے کے ذریعے حکومت کا شوق پورا کرتی۔ اس لئے دیوانہ وار دوڑنے والے کی کوئی حقیقت نہیں۔

محمد قاسم فرشتہ کا بیان ہے کہ راقم الحروف اسی بادشاہ (مرتضیٰ نظام شاہ) کے عہد حکومت میں جوان ہو کر شاہی گروہ میں داخل ہوا۔ مرتضیٰ نظام جس وقت تخت نشین ہوا۔ وہ زمانہ اس کے شباب کا تھا۔ اس نے چھ سال تک انتظام حکومت اس کی والدہ کے ہاتھ رہا۔ ملکہ نے اپنے بھائیوں مسمی تاج خان اور عین الملک کو نیز ایک خواجہ سرا اعتبار خان نامی کو اُمراء کی بار میں شامل کر لیا۔ اور انہیں ہر طرح کے سیاہ و سفید کا ملک بنادیا۔ ملکہ نے ملا عنایت اللہ کو پیشوائی کے منصب پر سرفراز کیا۔ وہ روزانہ پردے کے

پیچھے بیٹھ کر قاسم بیگ حکیم کے مشورے سے امورِ سلطنت انجام دیا کرتی تھی۔ مرتضیٰ نظام شاہ کی مصروفیات کمیل کو تک محدود تھیں۔ وہ عربوں اور حبشیوں کے گروہ کے ساتھ بے فکری سے وقت گزارتا تھا۔ اور سلطنت کے کاموں میں قطعاً دخل نہ دیتا تھا۔ ملکہ یعنی مرتضیٰ نظام شاہ کی والدہ کا نام خوزہ ہمایوں تھا۔

موزخ فرشتہ نے خوزہ ہمایوں کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے نظام شاہی سلطنت کا تقریباً نصف حصہ اپنے بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کو جاگیر میں دے رکھا تھا۔ جب مرتضیٰ نظام شاہ سے خوزہ ہمایوں کی شکایت کی گئی تو اس نے کہا کہ حکومت کے تمام کارندے دربار کے تمام ملازم اور سارے شاگرد پیشہ ملکہ کے طرفدار ہیں۔ اسی صورت میں اس کے اقتدار سے نجات حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ مصاحبین نے کہا۔ اگر حضور والا اجازت دیں تو ہم فریاد خان، اخلاص خان اور حبشی خان جیسے نامی گرامی امیروں کو اپنے ساتھ ملا کر ملکہ کے اقتدار سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ مرتضیٰ نظام شاہ نے ان لوگوں کو اجازت دے دی۔ لیکن راز افشا ہو گیا۔ اور ملکہ نے پردے کے پیچھے بیٹھ کر دشمنوں کے منصوبے کو وقتی طور پر پکھل دیا۔ لیکن ۱۱۹۹ھ میں منصوبہ کامیاب ہو گیا۔ اور مرتضیٰ نظام شاہ نے حبشی خان کو اپنی والدہ کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ چنانچہ حبشی خان ملکہ کے سر پر پردے کے قریب پہنچا۔ ملکہ کو اس کے ارادے کی خبر ہو گئی تھی۔ لہذا اس نے ترکش، خنجر اور تلوار وغیرہ سے اپنے آپ کو آراستہ کیا اور گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ حبشی خان بھی گھوڑے پر سوار تھا۔ اسی عالم میں وہ ملکہ کے قریب گیا اور کہا۔ بادشاہ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ بھی دوسری عورتوں کی طرح پردے میں بیٹھ جائیں اور حکومت کے کاموں میں بالکل دخل نہ دیں۔ یہ سن کر خوزہ ہمایوں کو بہت غصہ آیا۔ اور اس نے کہا۔ اے غلام تیری یہ ہمت۔ یہ مجال کہ آج تو اس انداز سے

مجھ سے مخاطب ہے۔ حبشی خان نے ملکہ کا بازو پکڑ کر گھوڑے سے اتارنے کی کوشش کی۔ ملکہ نے اپنا خنجر نکال لیا۔ اور حبشی خان پر وار کرنا چاہا۔ حبشی خان نے ملکہ کا ہاتھ پھڑکی قوت کے ساتھ پکڑ کر مڑا اور خنجر ملکہ کے ہاتھ سے گر گیا۔ اگرچہ عین الملک اور تاج خان وہاں موجود تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی بہن کی کوئی مدد نہ کی۔ اور اپنی جان کی غیر منانے ہوئے وہاں سے بھاگ گئے۔ حبشی خان نے بڑے اطمینان کے ساتھ ملکہ کو گرفت کر کے پاکی میں بٹھایا۔ اور مرضی نظام کے پاس لے گیا۔ بادشاہ نے اپنی ماں کو نگہبانوں کے سپرد کر دیا۔ حکمرانی کا شوق ہی ایسا ہے۔ کوئی بھی اپنی مرضی سے اقتدار سے الگ ہونا پسند نہیں کرتا۔ جوان بیٹے کو کھیل کود میں لگا کر امور سلطنت اپنے ہاتھ میں رکھے۔ جب اسلامی تعلیم کو اپنانے کے لئے کہا گیا تو خنجر نکال لیا۔ خونزہ کی یہ بے نصیبی تھی کہ اس کو رحمت اللہ طارق اور رفیع اللہ شہاب جیسے اہل بصیرت ”روشن خیال“ نہ ملے تھے۔

خونزہ ہمایوں جیسی ماں کی بیٹی چاند بی بی کے بارے میں یہ کہنا کہ اس نے اپنے بھائی مر تقی کے سپرد امور سلطنت کر کے یاد الہی میں بقیۂ عمر گزارنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ اپنی عمر کے آخری لمحو تک بھی وہ اپنے بالواسطہ اقتدار کو چھوڑنے پر تیار نہ تھی۔ جب بیجا پور میں تھی تو ابراہیم عادل شاہ کی تعلیم و تربیت پر مامور تھی۔ لیکن امور سلطنت میں مداخلت کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ ابراہیم عادل شاہ کے خود مختار ہونے پر اچھٹکارا چلی آئی۔ اور جب بہادر شاہ کو تخت پر بٹھا کر حکومت کرنے کا موقع ملا تو ہاتھ سے جلنے نہیں دیا۔ یہاں تک کہ قتل کر دی گئی۔

رحمت اللہ طارق صاحب کی اس سے بڑھ کر کیا غلطی ہو سکتی ہے کہ تاریخ میں بتاتی ہے۔ کہ چاند بی بی کے بھائی مر تقی انعام شاہ کے بعد اس کا بیٹا میراں شلہ، اس کا بیٹا اسماعیل، اس کا بھائی

برہان، اس کا بڑا بھتیجا ابراہیم، احمد شاہ اور ابراہیم کا بیٹا بہادر شاہ احمد نگر کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے اور چاندنی بی کے مقتول ہونے کے وقت مرتضیٰ نظام نہیں بلکہ اس کے بھتیجے کا بیٹا بہادر شاہ احمد نگر کے تخت پر چاندنی بی کی کوشش سے بٹھا دیا گیا تھا اگر اس کو اللہ الہی کا کوئی خیال بتاتا تو حکمرانی کا شوق اس کے دل میں پیدا نہ ہوتا اور ایک سال سات مہینے کے بچہ کو تخت پر نہ بٹھاتی۔

واقعات کچھ بھی ہوں لیکن بات پھر وہیں آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی حکمرانی کے بارے میں جو فرمایا۔ ویسا ہی چاندنی بی کے ساتھ ہوا۔

ترکمان خاتون

اس خاتون کے بارے میں جناب رحمت اللہ طارق کا فرمان ہے کہ سلجوقی حکومت ڈیڑھ سو سال تک رہی۔ اس کا رقبہ دیوار چین سے قسطنطنیہ کی فصیل تک اور انتہائے شمال سے لے کر یمن کی آخری سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا۔ شاہانِ روم اس کے باجگذار تھے۔ اپنے دور کی یہ سلطنت ترکمان خاتون، (۱۰۹۳ء) کو ورثے میں ملی تھی۔ یہ ترکوں کے قدیم بادشاہ افراسیاب کی نسل سے تھی۔ ملک شاہ سلجوقی سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ جب ۳۸ سال کی عمر پا کر ۱۰۹۱ء میں فوت ہوا تو ترکمان خاتون نے اس کی موت کو مخفی رکھا اور لاش کو لے کر اپنے نواسے کے ہمراہ بغداد روانہ ہوئی۔ اور وقت کے پرتو کو ل کے مطابق خلیفہ بغداد سے اپنے بیٹے محمود کی سلطنت کی توثیق کرانا چاہی لیکن چونکہ کم سن تھا۔ بنا بریں اس کے لئے بیعت کا مسئلہ الجھن کا باعث بن گیا۔ لہذا طے یہ ہوا کہ منبر سلطنت محمود کی ہوگی۔ نمبر ۲۔ خطبہ خلیفہ کا، کیونکہ ان دنوں ہر مسلم سلطنت کے لئے ضروری ہوتا تھا کہ وہ آداب و خود مختار ہو کبھی خطبہ خلیفہ کا پڑھائے گی۔ ہندوستان کے سلاطین کے دور میں بھی پہلے بغداد اور بعد میں قسطنطنیہ سے بادشاہ کے لئے خلعت اور عصا بھیج دیئے جاتے تھے اور اس کے عوض سلاطین ہند خطبہ بنام خلیفہ پڑھا کرتے

تھے۔ یہاں اسی پہلو کو مل کے مطابق ہی ترکمان خاتون نے اپنے بیٹے کی سلطنت کی توثیق کرائی۔ بنا بریں تیسری شرط تحریر ہوئی کہ نمبر ۳ حکمرانی کے مکمل اختیارات، مناصب کے عزل اور نصب کی مجاز صرف ترکمان خاتون ہوں گی۔

جناب رحمۃ اللہ طارق نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس طرح خلیفہ عباسی کے علماء مجتہدین اور فقہاء نے ترکمان کو منصب امارت پر فائز کر کے شرع حنیف سے قابل امتزاض نہیں سمجھا۔ اب اگر کہا جائے کہ وہ درباری علماء تھے تو ہمارا مطالبہ ہے کہ ان علماء کی نشان دہی کر دی جائے جو اس فیصلہ کے خلاف تھے۔ اور درباری نہ تھے۔

محاسبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں نے پہلی نبوت کے کلام میں سے جو پایا ہے اس میں سے ہے۔

اذا لم تستحی فاصنع ما شئت
جب توبہ حیا ہو جائے تو پھر جو چاہے کر
یہی معاملہ جناب رحمۃ اللہ طارق صاحب کا ہے کہ انہوں نے جھوٹ لکھتے اور دھوکہ و فریب کا جال پھیلاتے ہوئے ایسی ڈھٹائی اور دلیری کا مظاہرہ کیا ہے کہ گوئیں کہ کی روح ضرور ان کو داد دیتی ہوگی۔

جب ترکمان خاتون کو اپنے خاوند ملک شاہ سلجوقی کی سلطنت ورثے میں مل گئی تھی تو اس کی

۱۔ عورت اور مسئلہ امارت : ص ۶۴۔

۲۔ ابو داؤد : ص ۶۶۱۔

موت کو مخفی رکھ کر اپنے بیٹے محمود کی سلطنت کی توثیق کروانے کی کیا ضرورت تھی؟ خلیفہ وقت نے اس کی حکمرانی کو تسلیم کرنے کی بجائے اس کے بیٹے کی سلطنت کی توثیق کیوں کی؟ شرط نمبر ۳ کے بارے میں جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے۔ اس کی حقیقت کو پانے کے لئے چند تاریخی حوالے پیش کئے جاتے ہیں، تاکہ معلوم ہو سکے کہ اہل بصیرت روشن خیال یہ بزرگ جبل و فریب میں کیسے ماہر ہیں؟۔

عمر رضا کا لہ کے الفاظ ہیں۔

انہ لما توفی السُّلطان
ملك شاه فی منتصفت شوال
۴۸۵ھ کتمت خبر موتہ لکی
لا یتولی اکبر اولاد ابن
زبیدۃ بنت یاقوتی المملک
من بعدہ و سارت الی بغداد
ومعها جشۃ زوجہا و
هناک بذلت الاموال للامراء
سراً و حملتهم علی تولیۃ
ابنہا محمود سریر المملک لہ
علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے:-

”اس نے امراء کو راضی کر لیا۔ اور اُن فارضتہم و استخلفتم

لولدھا محمود و عمرہ سے اپنے بیٹے عمود کے لئے صلح لیا کہ
 اربع سنین و شہور لے اس کی عمر چار سال اور چند ماہ تھی ؟
 یہی مفہوم علامہ ابن خلدون اور سیّدہ زینب سے منقول ہے لے
 مؤرخین نے الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ نقل کیا ہے ۔

و ارسلت الی الخلیفۃ المقتدی ” ترکان خاتون نے خلیفہ مقتدی سے اپنے
 فی الخطبۃ لولدھا ایضاً بیٹے کے نام کا خطبہ پڑھنے کی اجازت
 فاجابھا و شرط ان یکون چاہی خلیفہ نے یہ شرط عائد کرتے ہوئے
 اسم السلطنۃ و الخطبۃ اجازت دے دی کہ سلطنت اس کے بیٹے
 لہ و یکون المدبر لزعامۃ کی ہوگی۔ اور خطبہ بھی اس کے بیٹے کے نام کا
 الجیوش و رعایۃ البلد پڑھا جائے گا۔ فوج اور عام رعایا کا نظم و
 هو الامیر انزل ویصدر عن نگران امیر انز ہوگا۔ اور تاج الملک
 رأی تاج الملک و یکون عینہ مال اور عقال کے نصب و عزل
 ترتیب العمال و جباۃ کا مختار ہوگا۔ تاج الملک ہی ترکان خاتون
 الاموال الی تاج الملک ایضاً کے سامنے امور سلطنت کی نگرانی کرتا تھا۔
 و کان تاج الملک هو الذی لیکن جب خلیفہ کا حکم آیا تو ترکان
 یدبر الامر بین یدی خاتون نے اس کو قبول کرنے سے انکار

لے تاریخ الکامل: جلد ۸ ص ۱۶۴-۱۶۵۔

لے تاریخ ابن خلدون: جلد ۵ ص ۱۳۰-۱۳۱۔ الدر المنثور ص ۱۰۷۔

خاتون فلما جاءت رسالۃ الخلیفۃ الی خاتون بذاک امتنعت من قبولہ فقیل لہا ان ولدک صغیر ولا یجیز الشرع ولایتہ وکان المخاطب لہا فی ذلک الغزالی فاذا عنت لہ واجابت الیہ فخطب لولدہا ولقب ناصر الدنیا والدین لہ

کر دیا۔ اس سے کہا گیا کہ تمہارا بیٹا نابالغ ہے۔ اور اس کے لئے شرع میں حکمرانی کی اجازت نہیں۔ اور یہ بات کہنے والے امام غزالیؒ تھے۔ چنانچہ ان کی حق بات کو خاتون نے تسلیم کرتے ہوئے خلیفہ کی بات کو مان لیا۔ پھر اس کے بیٹے کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور اس کا لقب دین و دنیا کا ناصر رکھا گیا؟

حافظ ابن کثیرؒ سے منقول ہے :-

وارسلت امہ الی الخلیفۃ تسألہ ان تكون ولایات العمال الیہ فامتنع الخلیفۃ ووافقہ الغزالی علی ذالک

” اس کی ماں نے خلیفہ کو لکھا کہ عمال پر حکمرانی کی اس کو اجازت دی جائے خلیفہ نے انکار کر دیا۔ اور امام غزالیؒ نے خلیفہ کی موافقت کی؟“

یہاں یہ بھی خیال رہے کہ خلیفہ ترکمان خاتون کا داماد بھی تھا۔ سیّدہ زینب کے مطابق ترکمان خاتون اپنی خوبصورت بیٹی کو لے کر خلیفہ کے گھر آکر آیا جایا کرتی تھی۔ خلیفہ نے اس کی بیٹی کی خوبصورتی کی وجہ سے اس سے شادی کرنے کا پروگرام بنایا اور وزیر فخر الدولہ کو پروگرام دے کر سلطان ملک شاہ

۱۔ تاریخ الکامل جلد ۵ ص ۱۶۵۔ ابن خلدون۔ جلد ۵ ص ۱۳۔ الدر المنثور؛ ص ۱۰۷۔

۲۔ البدایۃ والنہایۃ؛ جلد ۱۳ ص ۱۳۹۔

کے پاس بھیجا۔ سلطان کو جب خلیفہ کا پیغام پہنچا تو اس نے کہا کہ یہ میرے لئے باعثِ شرف و افتخار ہوگا۔ لیکن یہ معاملہ اس کی ماں ترکمان خاتون کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے اس کے پاس جاؤ۔ جب ترکمان خاتون کو خلیفہ کا پیغام سنایا گیا۔ تو اس نے کہا کہ غرض، خانیہ اور ماوراء النہر کے بادشاہ اور ان کے بیٹے میری بیٹی سے شادی کرنے کے خواہشمند ہیں۔ اور انہوں نے چار لاکھ دینار خرچ بھی کر دیئے ہیں۔ اگر خلیفہ اتنا مال مہر میں دیں تو وہ میری بیٹی کے زیادہ حقدار ہیں۔ خلیفہ کی ماں کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے ترکمان خاتون کو لکھا کہ خلیفہ سے شادی کرنے سے تمہاری بیٹی کو جو شرف و فخر حاصل ہوگا وہ کسی اور سے نصیب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ سب اس کے غلام اور خدمت گزار ہیں۔ لہذا خلیفہ سے مال طلب نہیں کیا جانا چاہیئے۔ لیکن ترکمان خاتون نے اپنی بیٹی کی شادی اس شرط پر خلیفہ سے کرنے پر رضامندی کا اظہار کر دیا کہ پچاس ہزار دینار مہر متقل ہوگا۔ اور میری بیٹی کے علاوہ خلیفہ کی کوئی لوندی یا اور بیوی نہ ہوگی۔ اور ہر رات خلیفہ اسی کے پاس رہا کرے گا۔ چنانچہ ان شرائط پر سلطان ملک شاہ نے اپنی بیٹی کا خلیفہ مقتدی سے بیاہ کر دیا۔

اس کے باوجود ترکمان خاتون نے خلیفہ مقتدی بامر اللہ سے اپنے خاوند کی وفات کے بعد حکومت کا انتظام جب اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت چاہی۔ تو خلیفہ نے انکار کر دیا۔ اور امام غزالی جیسے جلیل القدر عالم نے خلیفہ کے حکم کے مطابق عمل کرنے کا ترکمان خاتون کو مخلصانہ مشورہ دیا۔ جو شرع کا نام آجانے پر قبول کر لیا گیا۔

معلوم نہیں کہ رحمت طارق صاحب نے ترکمان خاتون کو مکمل اختیارات اور مناصب کے

۱۔ الدر المنثور: ص ۱۰۶۔

۲۔ تاریخ الکامل جلد ۸ ص ۶۵، البلیۃ والنبایۃ جلد ۱ ص ۱۳۹، ابن خلکان جلد ۵ ص ۱۳، الدر المنثور ص ۱۰۴، ۱۰۸۔

عزل و نصب کا مجاز کس تاریخی حوالے سے بنا دیا۔ ان کی یہ بھی خواہش تھی کہ اس عالم کا نام بتایا جائے کہ جو ترکمان خاتون کو حکمرانی اختیارات دینے کے خلاف تھا۔ لیجئے امام غزالی کا نام پیش کیا جاتا ہے۔ عورت کی حکمرانی تو ایک طرف۔ انہوں نے ترکمان خاتون کو یہ بھی بتایا کہ تمہارا بیٹا نابالغ ہونے کی بنا پر باختیار حکمران بھی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ترکمان خاتون کو تسلیم کرنا پڑا۔

رحمت اللہ طارق صاحب نے خود اعتراف کیا ہے کہ ترکمان خاتون کو درشے میں ملنے والی حکومت کا رقبہ دیوار چین سے قسطنطنیہ کی فصیل تک اور انتہائے شمال سے لے کر مین کی آخری سرحدوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اور شاہانِ معدوم اس کے باج گزار تھے۔

اتنی عظیم الشان حکومت کا حال ترکمان خاتون کی وفات کے وقت جو تھا۔ اس کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے۔

لم یکن بقی بیدھا سوسی آس کے ہاتھ میں اصیہان کے قبضے
قصبۃ اصیہان ومعھا عشرۃ کے علاوہ کچھ نہ تھا اور اس کے ساتھ
آلاف فارس اقراک لہ دس ہزار ترکی سوار تھے ؟

حافظ ابن کثیر نے ترکمان خاتون کے اس بیٹے محمود کے بارے میں خلیفہ کے حکم کے نفاذ کے بعد لکھا ہے کہ سلطان ملک شاہ کی فرج کا اکثر حصہ اس کے دو سرے بیٹے برکیارق کے ساتھ مل گیا یہ جوان بیٹا خاتون زبیدہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اور اپنے باپ سلطان ملک شاہ کے بعد حکمرانی کا حق اسی کو پہنچتا تھا۔ لیکن ترکمان خاتون نے اپنا ذاتی اثر و رسوخ استعمال کر کے خلیفہ سے اپنے بیٹے کا خطبہ پڑھنے کی اجازت لے لی تھی (چنانچہ فرج نے اس کی بیعت کر لی اور ری میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا

گیا۔ ترکمان خاتون کے ساتھ اس کا بیٹا اور فوج کا تصور اساحتہ اور لٹیکہ باقی رہ گئے۔ ترکمان خاتون نے ملک شاہ کے بیٹے برکیارتق کے خلافت لڑنے کے لئے اپنی فوج پر تین کروڑ دینار خرچ کئے۔ ذوالحجہ میں دونوں فوجوں کے درمیان لڑائی ہوئی۔ جس میں ترکمان خاتون کو شکست ہوئی۔ اور اس کا بیٹا اس کے ساتھ تھا۔ اور صحیح بخاری میں ہے۔

لن یصلح قوم ولوا امرهم وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے
امراة له اپنا معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ترکمان خاتون کی شکست پر حافظ ابن کثیر المتونی ۷۷۷ھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی حدیث کا حوالہ دیا جو آج ”روشن خیال“ حضرات کے نزدیک قابل قبول نہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کی سربراہی کی نفی ہر دور میں ہوتی رہی ہے۔ کیونکہ اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں۔ اگر ایسا کوئی تصور ہوتا تو امام غزالی ترکمان خاتون کو ضرور مشورہ دیتے کہ چھوٹا بچہ حکمران نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تم غدہ ہی تخت پر بیٹھ جاؤ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ترکمان کو بھی معلوم تھا کہ وہ حکمران نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے اس نے اپنے نابالغ بیٹے کی حکمرانی کی اجازت لے کر خود حکومت کرنے کا شوق پورا کیا۔ جس کا نتیجہ امام ابن کثیرؒ کے الفاظ میں نقل کر دیا گیا ہے۔

ملکہ سبا کی سربراہی

پروفیسر محمد اسلم صاحب کے مضمون کے جواب میں ملکہ سبا کی سربراہی پر مختصر بحث ہو چکی ہے۔ لیکن یہاں صرف اتنا عرض کر دینا مناسب ہو گا کہ قرآن میں ملکہ سبا کی حکومت کے ذکر سے عورت

کی سربراہی ثابت نہیں بلکہ اس کی نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حالات و واقعات میں اس کا ذکر کر کے اُمتِ محمدیہ پر واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شرک کی کوئی بھی صورت پسند نہیں۔ جیسے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ ان کے قریب ایک عورت اور اس کی قوم شرک میں مبتلا ہے تو فوراً اُس کو حاضر ہونے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہو کر مسلمان ہو گئی تو قرآن حکیم میں ان الفاظ کے ساتھ اس واقعہ کو ختم کر دیا گیا ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ اُس نے کہا اے میرے رب! بے شک میں
وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمَانَ نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اللہ رب العالمین کے لئے فرمانبردار ہو گئی۔

اگر اس کی زبانہ شرک والی حکومت کو تسلیم کر لیا جائے تو لازماً اس کے عمل شرک کو بھی تسلیم کرنا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ قرآن کا یہ مقصد نہیں بلکہ بتانا یہ مقصد ہے کہ شرک کرنے والا چھوٹا ہو یا بڑا، ہر حال میں مسلمان صاحب اقتدار و اختیار پر واجب ہے کہ شرک کو ختم کر کے مشرک کو راہِ راست پر لائے۔ اگر عورت کی سربراہی کا کوئی تصور قرآن میں موجود ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور مسلمان عورتوں کو گھروں میں رہنے اور پردہ کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کسی نبوت پانے والی عورت کا بھی ضرور ذکر کیا جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت فاطمہؓ میراث کی بجائے اپنی خلافت کی بات کرتیں۔ اور ائمہ شیعہ میں ان کا نام سب اماموں سے اوپر ہوتا۔

اگر عورت کی سربراہی کا کوئی تصور اسلام میں ہوتا تو اس کو مردوں کی طرح مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے کا پابند بناتا اور اس کی امامت میں مردوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا۔ حیض و نفاس سے اسے

پاک رکھا جاتا۔ جب ایک عورت جو بڑی عالمہ اور فاضلہ ہو۔ اپنے تمام تر علم و فضل کے باوجود جمعہ کا خطبہ نہیں دے سکتی۔ خود اپنا نکاح نہیں پڑھا سکتی۔ تو وہ اسلامی ملک کی سربراہ کیسے ہو سکتی ہے؟

ملکہ سبا کا ذکر قرآن پاک میں ضرور ہوتا ہے۔ لیکن ائمہ تفسیر میں سے کسی نے اس سے یہ استدلال نہیں کیا کہ عورت اسلامی ملک کی سربراہ ہو سکتی ہے۔ بلکہ انہوں نے واضح کر دیا ہے کہ اس واقعہ سے اسلامی ملک میں عورت کی سربراہی ثابت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ علامہ آؤسی کے حوالے سے عرض کیا جا چکا ہے۔

وادی نمل کی ہشیار ملکہ

حدیث و معجزات کا انکار کرنے والے اس وقت بڑی مشکل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جب قرآن حکیم میں کسی معجزے کا ذکر ہوتا ہے۔ حالانکہ بات بڑی سیدھی سادھی یہ ہے کہ رب العالمین ہی کل کائنات کا خالق و مالک ہے اور جو چاہتا ہے۔ جہاں چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے۔ کرتا ہے۔ اس کو کسی سہارے یا مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔ جس نے طرح طرح کی مخلوق بنائی اور ان کو ان کی بولیاں سکھائیں۔ وہ اس پر قادر ہے کہ اپنے نبیوں میں سے جس کو چاہے ان سب کی بولیوں کو سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائے۔

قرآن و سنت کی حقانیت پر یقین رکھنے والوں کا ایمان ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے یا اس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت تک پہنچایا ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

جناب پرور کے مفہوم القرآن کی ایک جھلک

سورۃ نمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْتُ أَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَدْعُونَهُ بِاسْمِهِ وَلَكِنْ يَدْعُونَهُ بِأَسْمَاءٍ أُخْرَىٰ ۖ فَلَيْسَ بِهِ جَنَاحٌ وَلَٰكِنْ يَدْعُونَ بِأَسْمَاءٍ أُخْرَىٰ ۖ فَاعْبُدْهُ وَلَا تُجَادِلْهُ فَيَكْذِبَ عَلَيْكَ ذُنُوبُهُ ۚ إِنَّهُ قَدْ جَاءَ لَكُم مِّنْ رَبِّهِ الْفَصْلُ ۚ

”اُنہوں نے کہا۔ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی مَنْطِقَ الطَّيْرِ بولیاں سکھائی گئی ہیں۔“

عربی زبان کے مطابق یہ لفظی ترجمہ ہے لیکن جناب پرہیز صاحب نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ہمارے پاس بڑا مستعد گھوڑوں کا لشکر ہے جس کے قواعد و ضوابط کے ہم خوب واقف ہیں۔ تفسیر یا مفہوم بیان کرنے سے پہلے مُترجم کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے لفظی ترجمہ کرے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے مروی تفسیر کی روشنی میں مفہوم بیان کرے۔ پرہیز صاحب نے مفہوم القرآن میں اپنی مرضی کا مفہوم بیان کرنے کے لئے لفظی ترجمہ کو ترک کر دیا ہے۔ کیونکہ عربی زبان سے معمولی سی واقفیت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ پرہیز صاحب کا مفہوم درست نہیں۔ اس لئے کہ مَنْطِقَ الطَّيْرِ کا معنی مستعد گھوڑوں کا لشکر نہیں ہو سکتا۔ لیکن پرہیز صاحب کی مشکل یہ تھی۔ اگر وہ اُمت محمدیہ کے عام عقیدہ کے مطابق ترجمہ ”پرندوں کی بولیاں“ کر دیتے تو اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ثابت ہو جاتا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ معجزانہ طور پر یہ بھی عطا فرمایا تھا کہ وہ سب جانوروں کی بولیاں سمجھتے تھے لیکن یہ ان کی سوچ کے خلاف تھا۔ لہذا اپنی غلط سوچ کو صحیح ثابت کرنے میں اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام میں اُردو ترجمہ کرتے ہوئے تحریف کر دی اور قرآنی مقصد کو مسخ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:-

وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِبِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزِنُونَ ۚ

”اور سلیمان علیہ السلام کے لئے جنوں انسانوں، پرندوں سے لشکر جمع کئے گئے۔ پس ان کو الگ الگ کھڑا کر دیا گیا۔“

۱۔ مفہوم القرآن - سورہ نمل: ص ۸۶۳۔

۲۔ ایضاً آیت ۸۔

جب کہ جناب پرویز صاحب کا مفہوم ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے لشکروں میں شہروں کے
مہذب باشندے، جنگلوں اور پہاڑوں کے دیوبیکل وحشی اور قبیلہ طیر کے شامہوار سب شامل تھے۔ انہیں
یکپسوں میں نوک رکھا جاتا تھا۔ تاکہ مناسب تربیت اور ٹریننگ سے اُن سے مفید کام لے جائیں
یہاں انہوں نے ”جن“ کا معنی جنگلوں اور پہاڑوں کے دیوبیکل وحشی کر کے طیس کو قبیلہ بنا دیا۔
چونکہ وہ جنوں کی مخلوق کے منکر ہیں۔ اس لئے ”النس“ سے مہذب باشندے اور ”جن“ سے وحشی ہونا
بیان کر دیا۔

قرآن حکیم میں ایک سورت کا نام ”الجن“ ہے۔ اس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
وَأَنشَأْنَا مِنَ الْعَصَلِ حُوتًا وَمِنَ الْجَنِّ نَافِلًا
دُونَ ذَلِكَ لَعَلَّ

غیر صالغ بھی ہیں۔

پرویز صاحب نے یہاں معنی و مفہوم صحیح لکھا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب جنگلوں
اور پہاڑوں کے دیوبیکل وحشیوں میں بھی صالغ لوگ ہیں تو پھر ان میں تفریق کی کیا ضرورت ہے۔ انسان
مہذب ہے اور جن وحشی تو انسانوں میں جو فاسق و فاجر اور ظالم و کافر تھے جو لوگوں کی عزتوں پر ہاتھ ڈالتے
اور مال لوٹتے تھے۔ دینی اور دنیاوی اخلاق سے ان کا دور کا واسطہ نہ تھا۔ تو کیا ان کو مہذب کہا جائیگا۔
اور وحشیوں میں سے جو صالغ تھے۔ ان کو غیر مہذب سمجھا جائے گا؟

اس قسم کی بے شمار مثالیں مفہوم القرآن میں موجود ہیں۔ لیکن یہاں مفہوم القرآن پر بحث مقصود
نہیں بلکہ حدیث و معجزات کا انکار کرنے والوں کی سوچ کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

۱۔ مفہوم القرآن۔ سورہ نمل۔ آیت ۱۷۔

۲۔ سورہ الجن؛ آیت ۱۱۔

بات اصل مقصد کی طرف یوں آتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا آتَوُا عَلَىٰ وَادِ النَّعْلِ
قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّعْلُ
ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ
سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ
لَا يَشْعُرُونَ ۚ

”جب وہ چیونٹیوں کی ایک وادی میں گئے
تو ایک چیونٹی نے کہا۔ اے چیونٹیو! اپنے گھروں
میں داخل ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ بے خبری
میں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تمہیں
لا یسْعُرُونَ ۚ

روند ڈالے

پرویز صاحب کا کہنا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ سببا کی مملکت اس کے خلاف سرکشی کا ارادہ رکھتی ہے۔ چنانچہ وہ بطور حفیظ ماتقدم اس کی طرف لشکر لے کر روانہ ہوا۔ راستے میں وادی نمل پڑتی تھی۔ مگر سببا کی طرح اس مملکت کی سربازہ بھی ایک عورت تھی۔ جب اس نے لشکر کی آمد کی خبر سنی تو اپنی رعایا کو حکم دیا کہ اپنے اپنے گھروں میں جا کر پناہ گزین ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لشکر جبار اتنا معلوم کئے بغیر کہ تم اس کے دشمن کی قوم سے کسی قسم کا تعلق رکھتے ہو یا نہیں تمہیں یوں ہی کہیں ڈالے۔ فوجیں یہی کچھ کیا کرتی ہیں۔ ان کے راستے سے ہٹ جانا ہی قرین مصلحت ہوتا ہے۔

پرویز صاحب نے چیونٹیوں کی وادی کو انسانوں کی وادی بنا کر ان کی بادشاہت ایک عورت کو سونپ دی اور وہ اتنی عقلمند تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے کوئی رابطہ قائم کرنے کی بجائے اپنی رعایا کو لے کر گھروں میں پناہ گزین ہو گئی۔ جیسا کہ شکر گشتی کرنے والوں سے گھروں

۱۔ سورۃ النمل : آیت ۱۸۔

۲۔ منہجہ القرآن : سورۃ النمل : آیت ۱۸

میں چھپنے والے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی بادشاہ میں اتنی بھی سوجھ بوجھ نہ تھی کہ ان کے ہمسائے میں بسنے والے ایک قوم کے کیا حالات تھے۔ ان کو ملکہ سبأ کی سرکشی کی خبر تو ہو گئی۔ لیکن ملکہ غلہ کے بارے میں بے خبر رہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:-

فَتَبَسَّ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا چیموٹی کی بات سن کر وہ مسکرائے اور ہنس
وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِي اَنْتَ پڑے اور کہنا۔ اے میرے رب! مجھے توفیق
اَشْكُرُ نِعْمَتَكَ الَّتِي اَنْعَمْتَ عطا فرما کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا
عَلَيْكَ وَعَالَى الْوَالِدَيْنِ وَاَنْتَ کروں جس سے تو نے مجھے اور میرے
اَعْمَلُ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَنْتَ والد کو نوازنا۔ اور ایسا عمل صالح کروں کہ جس
اَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي سے تو راضی ہو جائے۔ اور مجھے اپنی رحمت
عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ لَ کے ساتھ اپنے صالح بندوں میں داخل فرما ۛ

پروردگار صاحب کے مفہوم القرآن کے الفاظ ہیں۔ سلیمان علیہ السلام نے یہ سنا تو مسکرایا کہ بھاری سچے ہیں۔ انہوں نے یہی دیکھا اور سنا ہے کہ جب شاہی لشکر کہیں سے گزرتا ہے تو اندھا دھند تباہی مچائے چلا جاتا ہے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ کسی بادشاہ کا لشکر نہیں۔ خدا کے رسول کی سپاہ ہے۔ جس کا مقصد بے گناہوں کو ستانا نہیں، ان کی حفاظت کرنا ہے۔ پھر اس نے خدا سے دعا مانگی کہ اے با رب اللہ مجھے تو نے اس قدر عظیم مملکت عطا کی ہے۔ تو اس کے ساتھ ایسا ضبط اور اپنے آپ پر کنٹرول کی توفیق عنایت فرما کہ میں تیری اس نعمت عظمیٰ کو جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر نازل فرمائی ہے اس طرح صرف کروں کہ یہ نوع

انسان کے لئے تباہی کا موجب بننے کے بجائے ان کے معاملات کو سنوارنے کا ذریعہ بنے۔ اور میرا ہر قدم تیرے قوانین سے ہم آہنگ ہو، اس طرح میں تیرے قانونِ ربوبیت و مرحمت کی بنا پر تیرے ان بندوں کے زمرے میں شامل ہو جاؤں۔ جن کی صلاحیتیں نشوونما پالیتی ہیں۔ اور جن کے ہاتھوں انسانیت کے معاملات سنوتے ہیں۔

پرویز صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عورت حکمران کی آواز سنی تو مسکرا پڑے۔ اب دیکھئے اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ حکمران عورت کی آواز انہوں نے کیسے سنی؟ دُور سے سنی یا قریب آکر؟ اگر قریب سے سنی تو اس کی رعایا کو محفوظ جگہوں میں پہنچنے کا دقت کیسے دل گیا؟ اگر شکر کے پہنچنے سے پہلے سنی تو اس کا ذریعہ کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص حقیقت کو منہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو وہ خود بھی ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے شکرانے کے الفاظ سے عیاں ہوتا ہے کہ غلڈ کی آواز سنا کوئی عام معمول کی بات نہ تھی بلکہ یہ ایسی نعمت تھی کہ جس پر ان کے منہ سے وہ الفاظ نکلے کہ جنہیں قرآن حکیم کا حصہ بنا دیا گیا۔ وہ نعمت یہ تھی کہ عام یا خاص انسان کو اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی بولیاں سمجھنے کی صلاحیت عطا نہیں فرمائی۔ یہ معجزہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے جھٹے میں آیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے سنا کہ ایک چوڑی دوسری چوڑیوں کو اپنے مساکن میں گھس جانے کی تلقین کر رہی ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام سکوٹے اور بیٹے پھرا انہوں نے اس معجزہ کا شکر ادا کیا۔

قرآن پاک کے بشیرِ حق کے بارے میں مفہوم القرآن میں ایسی تشریحات پائی جاتی ہیں کہ جس سے وہ منہ القرآن یا تشریحات القرآن بن جاتا ہے۔ پرویز محمد اسلم کے مضمین کے جواب میں ملکہ سبا کے

بارے میں قرآنی آیات کا غلطی ترجمہ نقل کر دیا گیا اُسے دیکھ کر یا علمائے حق کے کسی اور اُردو ترجمے کو سامنے رکھ کر جناب پرویز صاحب کے مفہوم القرآن کو دیکھیں کہ انہوں نے کیا گل کھلائے ہیں ؟
ہُد ہُد کے بارے میں اُمّ لغت کا کہنا ہے ۔

الْعُدُّ هَذُ طائر معروف له "ہُد ہُد ایک معروف پرندہ ہے ۔"
طائر ذو خطوط واللوان کشیقہ "ہُد ہُد دھاری دار اور بہت رنگوں والا پرندہ ہے۔"
لیکن پرویز صاحب نے اُسے گھوڑ سوار ہر کاروں کا سردار بنا دیا ہے

قرآن حکیم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انہوں نے سرداروں سے کہا کہ ملکہ سبا کے مطیع و فرمانبردار ہونے سے پہلے کون اس کا تخت لائے گا ؟ لیکن مفہوم القرآن میں اس کا معنی "پایہ تخت" کیا گیا ہے ۔ عَصْرِيْتُ مِنَ الْجَنِّ کو وحشی قبائل کا ایک قوی بیگل سردار بتایا گیا ہے جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ اُس نے عرض کیا تھا کہ میں تخت کو پکبھپکنے سے پہلے حاضر کروں گا۔ پرویز صاحب نے باقاعدہ ہم بنا کر اس کے پڑدکردی اور اس سے نہایت حسن و خوبی سے سر کروایا۔ اس کے تخت میں تبدیلی کرنے والی بات کو انہوں نے ایوانِ حکومت پر شدت کا حلقہ بیان کیا ہے۔ یعنی انہوں نے ان معجزات کا انکار کیا ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے ۔

پرندوں اور جنوں اور جوا کو ان کے تابع کر دیا گیا ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے معاون بھی عطا

۱۔ لسان العرب جلد ۳ ص ۴۳۴۔ المصباح المنیر، ص ۴۷

۲۔ المنجد: ص ۸۵۴۔ الرائد: ص ۱۵۵۔

۳۔ مفہوم القرآن: سورة النمل: ص ۸۶۵۔

فرمائے تھے۔ جو ایسے کام ایک لمحہ میں کرنے والے تھے کہ جن کے لئے عام وسائل کے ذریعے عرصہ راز کی ضرورت تھی۔

ہیونہ کی آواز سننا بھی ان کا معجزہ تھا۔ لیکن معجزات کا انکار کرنے والوں نے وادی نعل کو باقاعدہ ایک سلطنت بنا کر اس میں ایک ہشیا رعمورت حکمران بھی بنادی۔ جناب رحمت اللہ طارق بھی انہی میں سے ایک ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے وہی بات لکھی ہے جو مفہوم القرآن میں درج ہے۔ اُور وہ قرآن و حدیث پر ایمان رکھنے والوں کے نزدیک لغو اور فضول ہے۔

ملکہ تدمر زنبوبیا

اس بلکہ کے بارے میں جناب رحمت اللہ طارق نے لکھا ہے کہ تدمر (شام) کی ملکہ زنبوبیا نے تسلیم تاسلیم اس خوبی اور بہارت سے حکمرانی کی کہ عربی کلاسیکی ادب کا حصہ بن کر رہ گئی۔ اُس نے شام کو رومن ایمپائر کے چنگل سے نجات دلانے کے بعد متعدد جنگیں لڑیں۔ اور بالآخر بریسی حکمرانی کو دیس نکالا دے کر شام اور فلسطین کو آزاد کرالیا۔ اس کی بابت عرب مورخین لکھتے ہیں کہ اس کے نام کے سکتے ڈھالے گئے۔ مملکت تدمر نے اس کے عہد میں خوش حالی اور بلند نام پایا۔ پھر ایسا ہڑا کہ رومیوں نے دیس نکالا کا انتقام لینے کے لئے لشکر جہاز لا کر اچانک حملہ کر دیا۔ اور زنبوبیا کو نہ صرف شکست سے دوچار ہونا پڑا بلکہ اسے گرفتار کر کے روم بھی لے جایا گیا۔ جہاں تسلیم میں اس نے وفات پائی۔

۱۔ عورت اور مسئلہ امارت - ص ۷۱۔

محاسبہ

پہلی بات یہاں یہ ہے کہ اسلام سے پہلے یا کسی غیر مسلم عدوت کی حکمرانی کسی بھی صورت میں کسی مسلمان عدوت کو اسلامی ملک کا سربراہ بنانے میں دلیل نہیں ہو سکتی۔ ہم نے تو قرآن و سنت کی تعلیم کو دیکھنا ہے اور ہمیں اُسی کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ رحمت اللہ طاری نے اپنے حوالے میں خود ہی واضح کر دیا ہے کہ عورت کی حکمرانی فلاح کا سبب نہیں بن سکتی۔ وقتی طور پر زبویا نے بدیسی حکمرانی کو دس نکالادے کر شام اور فلسطین کو آزاد کر دیا۔ لیکن بدیسی حکمرانی نے جب اپنی منتشر قوت جمع کر کے اس پر حملہ کیا تو وہ قید ہو کر روم پہنچ گئی اور وہیں اس کی موت واقع ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا نتیجہ اسی کے مطابق سامنے آیا۔

جناب رفیع اللہ شہاب کی روشن خیالی

یہ روشن خیال بزرگ ایسے ہیں کہ ہر نئے حکمران کی مدح سراہی میں پیش پیش رہنا ان کا محبوب شغل ہے۔ چنانچہ پاکستان کی نئی وزیر عظم کے انتخاب کی حمایت کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے:-
پاکستان کا قیام اسلام کے نام پر عمل میں آیا تھا۔ اس لئے یہاں ہونے والی حکومتیں اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں کوئی نہ کوئی قدم اٹھاتی رہی ہیں۔ تاہم ان میں سے کوئی حکومت بھی اسلامی حکومت کے معیار پر پوری نہیں اُترتی تھی۔ لیکن ہمارے علماء نے ان کے خلاف اسلام کے حوالے سے کوئی آواز نہ اٹھائی۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے سود جیسے حرام کو بھی جائز قرار دے دیا۔ تو یہ حضرات خاموش رہے۔ لیکن محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کے وزیر اعظم منتخب ہونے پر انہوں

نے ایک کمزور حدیث کا سہارا لے کر ان کی حکومت کو خلافت اسلام ثابت کرنا شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے صحیح بخاری کی حدیث پر رحمت اللہ طارق کی طرف سے وارد ہونے والے اعتراضات کی روشنی میں اپنی روشن خیالی کا مظاہرہ کیا ہے۔

علمائے پاکستان کا کردار

شکر ہے کہ انہوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا۔ رہی بات یہ کہ علمائے کرام نے ان حکومتوں کے خلاف کوئی آواز بلند نہ کی جو اسلامی معیار پر پوری نہ اترتی تھی۔ تو یہ درست نہیں کیونکہ ہر دور میں علمائے حق حکومت سے مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ پاکستان بناتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ جو وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کو پورا کیا جائے بلکہ تمام مکاتیب فکر کے علماء کرام نے جنوری ۱۹۷۱ء میں متفقہ طور پر اسلامی حکومت کا باقاعدہ بنیادی ڈھانچہ بنا کر اس وقت کی حکومت کو پیش کیا۔ جس میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی تھی کہ سربراہ مملکت مسلمان مرد ہوگا۔ جس عظیم الشان اجلاس میں یہ اہم ترین کام ہوا۔ اُس میں حسب ذیل علمائے کرام نے شرکت کی تھی۔

۱۔ مولانا سید سلیمان ندوی - (صدر)

۲۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی -

۳۔ مولانا مفتی محمد شفیع -

۴۔ مولانا مفتی جعفر حسین مجتہد -

۵۔ پروفیسر عبدالخالق -

۱۔ روزنامہ امروز: ۹ دسمبر ۱۹۸۸ء

- ۶۔ مولانا محمد ظفر احمد انصاری۔
- ۷۔ مولانا شمس حق افغانی۔
- ۸۔ مولانا احتشام الحق تھانوی۔
- ۹۔ مولانا بدر عالم۔
- ۱۰۔ مولانا محمد یوسف بنوری۔
- ۱۱۔ مولانا عبد الحمید قادری۔
- ۱۲۔ مولانا محمد ادریس۔
- ۱۳۔ مولانا غیس محمد۔
- ۱۴۔ حاجی خادم اسلام محمد امین۔
- ۱۵۔ قاضی عبد الصمد۔
- ۱۶۔ مولانا مفتی محمد حسن۔
- ۱۷۔ پیر صاحب محمد امین الحنات۔
- ۱۸۔ مولانا اظہر علی۔
- ۱۹۔ مولانا ابوجعفر محمد صالح۔
- ۲۰۔ مولانا راعب احسن۔
- ۲۱۔ مولانا محمد حبیب الرحمن۔
- ۲۲۔ مولانا محمد علی جانندھری۔
- ۲۳۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی۔
- ۲۴۔ مولانا مفتی حافظ کفایت حسین مجتہد۔

۲۵۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی۔

۲۶۔ مولانا حبیب اللہ۔

۲۷۔ مولانا احمد علی۔

۲۸۔ مولانا محمد صدق۔

۲۹۔ مولانا شمس الحق فسرید پوری۔

۳۰۔ مولانا مفتی محمد صاحب داد۔

۳۱۔ پیر صاحب محمد ہاشم مجددی

اُن جلیل القدر علمائے کرام کے بعد علمائے حق نے ان کے مشن میں کبھی بھی کمزوری آنے نہیں دی۔ لیکن ہر حکومت نے ٹال مٹول کی پالیسی کو اپناتے ہوئے اپنا وقت گزار دیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۷ء میں نظامِ مصطفیٰ کے نام پر چلنے والی تحریک نے ثابت کر دیا کہ علمائے کرام پاکستان میں نفاذِ اسلام کے مشن کو جاری رکھنے کا عزم رکھتے ہیں اور وہ عزم آج بھی اپنی جگہ قائم ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ وقت ضرور آئے گا کہ جب پاکستان میں اسلامی قانون کا دور دورہ ہوگا۔

جہاں تک سود کی بات ہے تو پاکستان بننے کے بعد سے لے کر آج تک علمائے کرام اس کے خلاف آواز بلند کرتے آئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ کرتے رہیں گے۔ اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

اگر فرض کر لیا جائے کہ کسی وقت علمائے کرام سود کے خلاف آواز اٹھانے میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے ہیں تو بھی عورت کی حکمرانی جائز نہیں ہو سکتی کیوں کہ دو غلطیوں سے ایک اچھائی وجود

میں نہیں آتی۔ اور جس حدیث کو انہوں نے کمزور اور ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں اللہ کے فضل و کرم سے مفصلاً بحث ہو چکی ہے۔

ان کی اپنی تحقیق کا یہ حال ہے کہ حضرت حسن بصری کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نام کے کوئی ۱۵۹ راوی تھے۔ جن کی اکثریت غیر ثقہ تھی۔ اس روایت میں جان بوجھ کر ان کے والد کا نام نہیں دیا گیا۔ جو ان کے غیر ثقہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ وہ بصری تھے یعنی بصرہ کے رہنے والے تھے۔ جن کے بارے میں محدثین نے لکھا ہے کہ وہ مجہول راوی تھے۔

جناب رافع اللہ شہاب کے علم حدیث میں ادراک کا یہ حال ہے کہ ان کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ امام بخاریؒ جب کسی روایت میں الحسن کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد معروف تابعی الحسن بن ابی المن البصری ہوتے ہیں۔ جن کے بارے میں طبقات ابن سعد کے الفاظ ہیں کہ وہ جامع۔ عالم۔ رفیع۔ ثقہ۔ حجة۔ مامون۔ عابد۔ ناسک۔ بہت علم والے۔ فصیح و جمیل اور وسیم تھے۔ بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ کو انہوں نے پایا۔ ان کے فضائل کا بیان اچھی طرح پہلے ہو چکا ہے۔

رافع اللہ شہاب صاحب نے بھی اپنے اُستاد رحمۃ اللہ طارق کی روش کو اپناتے ہوئے تفسیر مؤید الرحمن کا حوالہ دیتے وقت عبارت ہی تبدیل کر دی۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ اس عورت یعنی ملکہ سبائے ایک قومی اسمی قائم کر رکھی تھی۔ جس کے اراکین کی تعداد ۳۱۲ تھی۔ وہ ان کے مشورے سے کاروبار چلاتی تھی۔ یوں انہوں نے موجودہ مروجہ نظام اسمی سے مماثلت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ عبدالرزاق نے معمر بن قسادم سے روایت کی ہے کہ بلقیس شاہی خاندان سے ملکہ تھی اور اس کی مشورت والے تین سو بارہ وزراء تھے۔ اور ہر وزیر کے تحت دس ہزار کا شکر جہاز تھا۔

ظاہر ہے کہ مروجہ نظام اسمی میں تمام وزراء اہل مہربان اسمی کے تحت فوج نہیں ہوتی۔ بلکہ

دفاع کی وزارت ہی فوجی معاملات کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

بڑی عجیب بات ہے کہ جناب رفیع اللہ شہاب نے مواہب الرحمن کا حوالہ تو دے دیا لیکن صاحب تفسیر نے عورت کی سربراہی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے۔ اس کو نظر انداز کر دیا۔ چنانچہ مولانا سید امیر علیؒ نے وہی حدیث جسے رفیع اللہ شہاب صاحب نے کمزور قرار دیا ہے۔ اسی کو نقل کر کے واضح کیا ہے۔ پس حدیث میں تصریح ہے کہ جنہوں نے اپنے کاموں کا متولی کسی عورت کو کیا وہ فلاح نہ پاویں گے۔

یہی صراحت مولانا احمد حسن محدث دہلویؒ۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ۔ علامہ علی بن محمد بن ابراہیم البغدادیؒ۔ علامہ سید محمود الآلوسی البغدادیؒ اور مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ نے بھی کی ہے۔

حضرت علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۶۱ھ کا قرآن

مسلمانوں کے خلیفہ کے لئے جو شرائط ضروری ہیں۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے۔ واضح ہو کہ خلیفہ کے اندر عاقل، بالغ، آزاد، مرد، شجاع، صاحب رائے، سننے والا اور دیکھنے والا اور گویا ہونا شرط ہے اور اس کا ایسا شخص ہونا بھی شرط ہے کہ لوگ اس کی اور اس کے نسب کی شرافت کو تسلیم کرتے ہوں۔ اور اس کی فرمانبرداری سے عار

۱۔ تفسیر مواہب الرحمن: پک۔ ص ۲۳۰۔

۲۔ احسن التفاسیر، جلد ۵ ص ۵۶۔ التفسیر المظہری: جلد ۷ ص ۱۱۰۔ تفسیر الخازن جلد ۱ ص ۴۰۸۔

روح المعانی: پک ص ۱۷۱۔ تفسیر ماجدی۔ پک ص ۷۶۔

نہ کرتے ہوں اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہو کہ وہ سیاست میں حق کا اتباع کرے گا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن پر عقل و دلائل کرتی ہے اور ملکوں اور دینوں کے اختلاف کے باوجود تمام بنی آدم کا خلیفہ کے اندر ان تمام باتوں کی شرط ہونے پر اتفاق ہے۔ اس لئے کہ سب لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ خلیفہ کے مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر ان امور کے تمام نہیں ہو سکتی۔ اور ان امور میں سے جب کبھی کوئی امر رہ گیا۔ تو انہوں نے اس کو غیر مناسب خیال کیا اور اس کا خلیفہ ہونا ان کے دلوں کو ناگوار گزارا اور غصہ کی حالت میں اظہار سکوت کیا۔ چنانچہ جب اہل فارس نے ایک عورت کو اپنے اوپر ملکہ بنالیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لن یفلح قوم ولوا علیہم
امراة ۛ

”جس قوم نے عورت کو اپنے اوپر حاکم بنایا اس کو ہرگز فلاح نہ ہوگی۔“

اگر اس حدیث میں کوئی ضعف ہو تا تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اس کی نشاندہی فرماتے اور خلیفہ کے مرد ہونے والی شرط کا ذکر نہ کرتے۔

امام حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۴۴ھ کا فرمان

امام ابن کثیر نے **رَافِئِ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً** کے بارے میں لکھا ہے۔

یجب ان یكون ذکرا حرا	”واجب ہے کہ وہ آزاد، بالغ، عاقل
بالغا عاقلا مسلما عدلا	مسلمان، عادل، مجتہد، سلیم الاعضا
مجتهدا سلیم الاعضا	اور جنگ کے بارے میں باخبر

خبیر بالحراب لے مرد ہو۔

الْبَرْجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ کی تفسیر میں امام ابن کثیر نے واضح کیا ہے کہ مرد عورت پر قیم یعنی اس کا رئیس، بکیر اور حاکم ہے۔ جب ٹیڑھی ہو جائے تو اس کو مُؤْتَب بنائے۔ کیونکہ مردوں کو عورتوں پر بر فضیلت حاصل ہے۔ اور مرد عورت سے بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت مردوں کے ساتھ خاص رہی ہے۔ اور اسی طرح ملک الاعظم یعنی ملک کا سربراہ بھی مرد ہو گا۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دیا۔ وہ کبھی بھی فلاح نہیں پائے گی لے

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القُرطبی المتوفی ۴۰۶ھ فرمان

امام القُرطبی نے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الدَّرَجِ خَلِیْفَتَہ کی تفسیر میں خلیفہ کے لئے جو شرائط نقل کی ہیں، ان میں سے ساتویں یہ ہے کہ وہ سلیم الاعضاء مرد ہو اور آٹھویں کے الفاظ ہیں۔

و اجمعوا علی ان المرأة لا
يجوز ان تكون اماما وان
اختلفوا فی جواز كونها قاضية
فيما تجوز شهادتها فيہ لے
الْبَرْجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ کی تفسیر میں امام القُرطبی نے واضح کیا ہے۔

لے تفسیر ابن کثیر، جلد ۱ ص ۷۲۔

لے ایضاً: جلد ۱ ص ۴۹۱۔

لے تفسیر الجامع لاحکام القرآن: جلد ۱ ص ۲۷۰۔

فان فيهم الحكام والامراء "بے شک ان ہی میں سے یعنی مردوں ہی میں سے
ومن يغزو وليس ذلك في حكام وامراء اور وہ ہوں گے جو جہاد کریں گے
النساء اور عورتوں میں یہ عہدے نہیں ہوں گے۔"

امام القرطبیؒ نے سورۃ نمل کی آیت اِنِّیْ وَجَدْتُ اِمْرَاةً تَمْلِكُ مَعَهُ کی تفسیر میں صحیح بخاری
کی روایت "لن یصلح قوم ولوا امرهم امرأة" نقل کر کے قاضی ابوبکر ابن عربی کا یہ قول نقل
کیا ہے۔

هذا نص في ان المرأة لا "یہ نص صریح ہے کہ بے شک عورت
تكون خليفة ولاخلان خلیفہ نہیں ہو سکتی اور اس میں کوئی
فيه اختلاف نہیں"

عربی میں نص اس کلام کو کہتے ہیں کہ جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو۔
امام القرطبیؒ نے مزید وضاحت یوں کی ہے:-

ونقل عن محمد بن "اور محمد بن جریر الطبری سے منقول ہے
جریر الطبری انه يجوز کہ عورت کا قاضی ہونا جائز ہے۔ اور
ان تكون المرأة قاضية یہ ان سے صحیح طور پر ثابِت نہیں اور شاید یہ
ولم یصح ذلك عنه و اسی طرح ان سے منقول ہو کہ جس
لعله نقل عنه كما طرح ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ

۱۔ تفسیر الجامع لاحکام القرآن - جلد ۵ ص ۱۶۸۔

۲۔ ایضا - جلد ۱۳ - ص ۱۸۳۔

نقل عن ابی حنیفۃ عورت ان معاملات میں قاضی بن
انہا تقضی فیما تشہد فیہ سکتی ہے کہ جن میں اس کی شہادت
ولیس بان تکون قاضیۃ مقبول ہے اور وہ کُلّی طور پر قاضی نہیں
علی الاطلاق لہ۔ بن سکتی ۛ

عکس سب کے واقعہ ہی میں امام القرطبیؒ نے یہ بھی نقل کیا ہے۔

وقال ابو بکرۃ : ذکر ت اور ابو بکرؓ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
بلقیس عند النبی صلی اللہ کے پاس بلقیس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے
علیہ وسلم فقال لا یفعل فرمایا۔ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس
قوم ولوا امرہم امرۃ لہ نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دیا ۛ

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ مرد عورتوں پر قوام ہیں

ہی کی تفسیر میں علامہ بیضاوی المتوفی ۷۹۱ھ کا قول ہے۔

ولذلك خصوا بالنسوة و اُسی لئے مردوں کو نبوت و امامت اور
الامامۃ والولایۃ لہ ولایت سے خاص کیا گیا ہے ۛ

امام جبار اللہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ۵۲۸ھ اور علامہ آلوسی المتوفی ۱۲۷۰ھ کا استدلال ہے۔

ۛ تفسیر الجامع لاحکام القرآن: جلد ۱۳ ص ۱۸۳۔

ۛ ایضاً جلد ۱۳ ص ۲۱۱۔

ۛ تفسیر انوار التنزیل: جلد ۱ ص ۲۱۴۔

فہم الامامۃ الکبریٰ والصغریٰ ”مردوں ہی میں امامت کبریٰ اور صغریٰ ہوگی“

یعنی نمازیں امامت کرنے اور ملک کا سربراہ بننے کا حق مردوں کو ہوگا۔

امام محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی المتوفی ۱۶۵۰ھ کا کہنا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت

اس لئے ہے کہ انہی میں سے خلفاء، سلاطین، حکام، اُمراء اور مجاہد ہوئے سہ

امام علاؤ الدین علی بن محمد ابراہیم البغدادی اور امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النصفی

کا فرمان ہے۔ یہ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام اور خلفاء اور ائمہ مردوں میں سے ہوئے ہیں اور نبوت و

خلافت اور امامت مردوں میں رہی ہے سہ

جلیل القدر ائمہ تفسیر نے واضح کر دیا ہے کہ عورت کی سربراہی کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔

اور علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی متفقانہ صراحت و وضاحت کے بعد کسی شک و شبہ کی

گنجائش نہیں رہتی۔

عورت علی الاطلاق قاضی نہیں بن سکتی

”روشن خیال حضرات نے ہدایۃ المجتہد کے حوالے سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ

امام ابن جریر طبریؒ اور امام مالکؒ دونوں علی الاطلاق عورت کے سربراہ اور قاضی ہونے کے قائل

تھے سہ

۱۔ تفسیر الکشاف، جلد ۵ ص ۵۰۵۔ تفسیر روح المعانی، ج ۲ ص ۲۱۔

۲۔ تفسیر فتح القدیر، جلد ۶ ص ۴۶۰۔

۳۔ تفسیر الخازن مع تفسیر النصفی، جلد ۴ ص ۳۷۴۔

۴۔ عورت اور مسئلہ امارت، ص ۷۶۔ پاکستان ٹائمز ۹ فروری ۱۹۸۹ء

یوں انہوں نے خود ہی تسلیم کر لیا کہ مجبور اس کے خلاف ہے۔ انہوں نے امام ابن جریر اور امام مالک کے بارے میں جو دعویٰ کیا ہے وہ بھی درست نہیں۔

علامہ ابن رشدؒ کا فیصلہ

علامہ ابن رشدؒ نے ائمہ کرام کے اقوال ”کتاب الاقضية“ میں ”فی معرفۃ من یجوز قضاءہ“ جس کا قاضی ہونا جائز ہے۔ اس کی پہچان کا باب کے تحت نقل کر کے واضح کر دیا ہے کہ ساری بحث قاضی اور قضا کے بارے میں ہے۔ اسلامی ملک میں عورت کی سربراہی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ انہوں نے قاضی بننے کے لئے جو صفات شرط ہیں ان کے بارے میں لکھا ہے

فان یکون حرا مسلما بالغاً ”کہ وہ آزاد، مسلمان، بالغ، مرد عاقل
ذکر عاقل عدل لے اور عادل ہو۔“

پھر انہوں نے قاضی کے مرد ہونے کی شرط میں جو اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کا ذکر یوں کیا ہے۔

فقال الجمهور ہی شرط فی ”جمهور کا کہنا ہے کہ قاضی ہونے کی
صحۃ الحكم وقال ابو حنیفۃ صحت کے لئے یہ شرط ہے اور امام
یحوز ان تكون المرأة قاضیا ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ عورت کا مالی معاملہ
فی الاموال میں قاضی ہونا جائز ہے۔

قال الطبرسی یجوز ان امام طبرسیؒ کا قول ہے کہ عورت ہر معاملے

تكون المرأة حاکما علی میں علی الاطلاق قاضی ہو سکتی
الاطلاق فی کل شیء ۱۷ ہے ۱۷

یہاں قاضی کے لئے حاکم کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنی ”روشن خیال“ حضرات نے سراہا
ملکت کر دیا ہے، حالانکہ قاضی کے لئے حکم اور حاکم دونوں ہی لفظ معروف ہیں۔ علامہ ابن عابدین نے
”قوله فی غیر حد و قود“ کی شرح میں لکھا ہے۔

لأنها لا تصلح شهادة فلا اس لئے کہ حدود اور قصاص میں نہ عورت
تصلح حاکمة ۱۸ شاہد ہو سکتی ہے اور نہ ہی حاکم ۱۸

حاشیہ میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ عورت حدود اور قصاص کے علاوہ باقی معاملوں میں
قاضی ہو سکتی ہے۔ اور جو کوئی اس کے سپرد معاملہ کرے گا تو وہ گنہگار ہو گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کیا وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔
علامہ ابن رشد کی پوری بحث کو پڑھ لیا جائے تو کسی قسم کا کوئی اشکال نہیں رہتا۔ چنانچہ
ائمہ کرام کے اقوال پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے۔

فمن رقة قضاء المرأة پس جس نے عورت کے قاضی ہونے کا انکار
شبهة بقضاء الامة الکبری کیا تو اس نے امامت کبری کے مشابہ سمجھتے
ومن اجاز حکمها فمن اجاز حکم کو مالی معاملہ
الاموال فتشبهها بجواز میں جائز سمجھا تو اس نے مالی معاملات

۱۷ بدایۃ المجتہد: جلد ۳ ص ۲۴۴۔

۱۸ فتاویٰ الشامی: جلد ۳ ص ۳۷۰۔

شہادتہا فی الاموال ومن
 راسی حکمہا نافذ اف کل
 شیئ قال ان الاصل هو ان
 کل من یاتی منہ الفصل
 بین الناس فحکمہ جائز
 الا ما خصصہ الاجماع
 من الامامۃ الکبریٰ لہ

میں اس کی گواہی کے جواز سے تشبیہ پائی
 اور جس نے اس کے حکم کو ہر معاملے میں جاری
 کیا تو اس نے کہا کہ اس کی اصل یہ ہے کہ
 جو شخص بھی لوگوں کے درمیان فیصلہ کر سکتا ہے
 اس کا حکم ہر معاملہ میں جائز ہے سوائے امامت
 کبریٰ کے کہ اس کو اجماع نے اس اصول سے مستثنیٰ کر
 دیا ہے (یعنی عورت کی امامت کبریٰ جائز نہیں)

علامہ ابن رشد کی بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ امامت کبریٰ کے بارے میں نہیں بلکہ
 عورت کے قاضی ہونے میں جو اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کو اجاگر کیا گیا ہے اور انہوں نے اپنا
 فیصلہ بحث کے آغاز ہی میں دے دیا ہے کہ قاضی کے لئے مسلمان مرد ہونا شرط ہے۔

علامہ بدرالدین العینی کی تحقیق

جناب رفیع اللہ شہاب نے پاکستان ٹائمز میں عورت کے جج ہونے پر چھپنے والے اپنے
 مضمون میں علامہ بدرالدین العینی کے حوالے کیے ہیں کہ کوئی مسلم قاضی عورت اگر حدود و قصاص میں
 کوئی فیصلہ کرے اور کوئی دوسرا مرد قاضی اس کی تائید کر دے تو اس کا فیصلہ جاری ہوگا۔ انہوں
 نے یہ بھی لکھا ہے کہ قاضی شریعت حدود اور ہر قسم کے جھگڑوں میں عورت کی گواہی قبول کیا کرتے
 تھے۔

رفیع اللہ شہاب صاحب نے بھی یہاں ڈنڈی ماردی۔ کیونکہ علامہ ابن عابدینؒ نے نقل کیا ہے۔
 ان شریحا مکان یجوز شہادۃ " بے شک قاضی شریع مرد کے ساتھ
 النساء مع رجل فی الحدود عورتوں کی گواہی حدود اور قصاص میں جائز
 والقصاص لہ۔ قرار دیتے تھے "۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی مطلقاً گواہی کے مقبول ہونے کے وہ
 قائل نہ تھے۔ بلکہ مردوں کے ساتھ حسب ضرورت عورتوں کی گواہی کو بھی قبول کر لیا کرتے تھے۔ اس لئے
 کہ علامہ شمس الدین السرخی نے قاضی شریع کا قول نقل کیا ہے۔

لا تجوز شہادۃ النساء فی الحدود " حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں "۔

اس کے بعد انہوں نے امام زہریؒ کے قول کا بھی ذکر یوں کیا ہے۔

مضت السنۃ من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے
 بعد دونوں خلیفوں کے عہد مبارک میں بعد و نزلت
 والخلفیتین من بعده ۷ یہی سنت رہی ہے۔

پھر انہوں نے اپنا فیصلہ ان الفاظ میں دیا ہے۔

ان لا تجوز شہادۃ النساء فی الحدود وبہ ناخذہ " کہ عورتوں کی گواہی حدود میں جائز نہیں
 اور اسی پر ہمارا عمل ہے "۔

۱۔ فتاویٰ الثامی: جلد ۱ ص ۳۷۱۔

۲۔ المبسوط: جلد ۲ ص ۱۱۳۔ البدایہ: جلد ۲ ص ۱۲۲۔

۳۔ المبسوط: جلد ۱ ص ۱۱۳۔ ۱۱۴۔

۴۔ ایضاً۔ ص ۱۱۳۔

دیئے بھی ریفع اللہ شہاب صاحب نے عورت کے مُطلقاً حج ہونے کی نفی قبول کر لی۔ جب انہوں نے یہ حوالہ دیا کہ عورت کے فیصلے کی تائید اگر دوسرا قاضی کر دے تو اس کا فیصلہ نافذ ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے قاضی کی تائید کے بغیر فیصلہ نافذ نہیں ہو سکتا۔

چونکہ حوالہ صحیح بخاری کے شارح علامہ بدر الدین کا تھا۔ لہذا مناسب ہے جس شرح کا ذکر کیا گیا ہے اُسے بھی دیکھ لیا جائے تاکہ بات اور واضح ہو جائے۔

جو قوم اپنا معاملہ کسی عورت کے سپرد کرے گی وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کی شرح میں منقول ہے۔

قال الخطابي في الحديث ان خطابی کا کہنا ہے کہ حدیث صحیحہ واضح ہوتا ہے کہ

المرأة لا تلي الامارة ولا القضاء عورت ملک کی سربراہ اور قاضی نہیں ہو سکتی

یہی عبارت حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی نقل کی ہے۔

اس سے بڑھ کر صراحت اور کیا ہو سکتی ہے کہ جن کے حوالے کو صحیح بخاری کے شارح ہونے کا ذکر کرنے کے بعد پیش کیا۔ ان کا بھی کہنا ہے۔

ولحجج به من منع قضاء جو عورت کے قاضی ہونے کے قائل

المرأة وهو قول الجمهور نہیں۔ انہوں نے اسی حدیث کو دلیل

بنایا ہے اور یہ جمہور کا قول ہے اور

ان تقتضى فيما تقبل طبری نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے

لے عمدة القاری۔ جلد ۱ ص ۵۹۔

لے فتح الباری۔ جلد ۹ ص ۱۲۸۔

شہادت فیہ و کہا ہے کہ اس کئے جائز ہے کہ جس میں اس کی
اطلاق بعض امالیکہ شہادہ مقبول ہے اس میں فیصلہ کرے اور مالیکہ
الجواز سے میں سے بعض مطلقاً جواز کے قائل ہیں ۛ

علامہ بدر الدین نے بالکل ہی واضح کر دیا کہ مہمور ائمہ و علمائے کرام کے نزدیک عورت فاضی
نہیں ہو سکتی۔ امام طبری کے بارے میں جناب رحمت اللہ طارق اور جناب رفیع اللہ شہانجے برائے المجتہد
کے حوالے سے جو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے اس کا بھی ازالہ ہو گیا کہ امام طبری بھی اسی کے قائل
تھے کہ جن معاملات میں عورت کی گواہی قابل قبول ہے انہی میں عورت فیصلہ بھی کر سکتی ہے۔ اور مالیکہ
میں سے بھی بعض مطلقاً جواز کے حق میں تھے۔

مشہور محقق السید سابق نے بھی قاضی کے لئے فقہاء کی عائد کردہ شرائط کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ
اجتہاد کے درجہ کو پہنچنے والا۔ احکام کے بارے میں آیات و احادیث اور سلف کے ان اقوال کا جاننے والا
ہونا چاہیئے کہ جن میں انہوں نے اتفاق اور اختلاف کیا۔ وہ لغت اور قیاس کا علم رکھنے والا۔ مکلف مرد
عادل، سننے، دیکھنے اور بولنے والا ہونا چاہیئے۔

انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک ”کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس
نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دیا“ کا حوالہ دے کر واضح کیا ہے کہ عورت قاضی نہیں ہو سکتی ۛ
علامہ العینی نے عورت کے قاضی ہونے کے بارے میں جو فرمایا ہے وہی عبارت حافظ
ابن حجر عسقلانی نے ابن تین کے حوالے سے نقل کی ہے ۛ

۱۔ عمدۃ القاری۔ جلد ۲۲ ص ۲۰۴۔ ۛ نقد السنۃ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۶۔ ۳۹۷۔

۲۔ فتح الباری۔ جلد ۱۳ ص ۵۶۔

ملا قاری علی حنفی المتوفی ۱۰۱۰ھ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی بخاری کی روایت کی شرح میں لکھتے ہیں۔

فی شرح السنۃ لا تصلح
المرأة ان تكون اماما
ولا قاضیا لانهما محتاجان
الی الخروج للقیام بامور
المسلمین والمرأة عورة
لا تصلح لذلك لہ

”شرح السنہ میں ہے کہ عورت کے لئے
صحیح نہیں کہ وہ سربراہ مملکت یا قاضی ہو۔
کیونکہ یہ دونوں منصب ایسے ہیں کہ مسلمانوں
کے امور کو قائم رکھنے کے لئے باہر نکلا پڑتا
ہے جب کہ عورت پردہ ہے۔ لہذا ان
منصبوں پر فائز ہونا اس کے لئے درست نہیں۔“

ائمہ ثلاثہ کا فیصلہ

فقہ حنفی کی اہم ترین کتاب ”الہدایۃ“ کے شارح امام ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ ”الہدایۃ“
کی عبارت ”ویجوز قضاء المرأة فی کل شیء الا فی الحدود والقصاص“ (حدود و قصاص
کے علاوہ عورت کا ہر شئی میں فیصلہ جائز ہے) کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قال الائمۃ الثلاثۃ لا
يجوز لان المرأة ناقص
العقل لیست اهلا للخصومة

”ایمیں ائمہ کرام کا فرمان ہے کہ عورت
قاضی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ عورت
ناقص العقل ہے۔ جھگڑوں کی محفلوں میں

لہ مرقاة شرح مشکوٰۃ : جلد ۷۔ ص ۲۱۵۔

مع الرجال فی محافل
الخصوم قال صلی اللہ علیہ
وسلم لن یفلح قوم ولّوا
امرہم امرأة (رواہ البخاری) ^۱
مردوں کے ساتھ جھگڑنے کی اہل نہیں صلی اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قوم اپنا معاملہ
عورت کے سپرد کرے گی وہ کبھی فلاح نہیں
پائیگی۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ^۲
امام عبداللہ اب الشترانی نے عورت کے قاضی ہونے کے بارے میں ائمہ کرام کے اقوال پر روشنی
ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

ومن ذلك قول الأئمة الثلاثة
أنه لا یصح تولیة المرأة
القضاء مع قول ابی حنیفة
أنه یصح ان تكون قاضیة
فی كل شئ تقبل فیہ
شهادة النساء وعنده ان
شهادة النساء فی كل
شئ الا الحدود والجراح
فانہما لا تقبل عنده
ومع قول محمد بن جریر
یصح ان تكون المرأة
اس میں سے ائمہ ثلاثہ کا قول ہے کہ
عورت کو قاضی بنانا درست نہیں امام
ابو حنیفہؒ کا کہنا ہے کہ وہ ہر اس معاملے
میں قاضی ہو سکتی ہے کہ جس میں عورتوں
کی شہادت قبول کی جاتی ہے۔ اور
ان کے نزدیک حدود اور قصاص کے
علاوہ عورتوں کی گواہی ہر معاملے میں
مقبول ہے۔ حدود و قصاص
میں عورت کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی۔
محمد بن جریر کا قول ہے کہ
ہر معاملے میں عورت کا قاضی ہونا

قاضیۃ فی کل شیء لے درست ہے ۛ

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن دمشقی نے ائمہ کرام کا نام لے کر وضاحت کی ہے۔

قال مالك والشافعي واحمد "امام مالک، امام الشافعی اور امام احمد بن حنبل

لا یصح وقال ابو حنیفۃ کا کہنا کہ عورت کا قاضی ہونا صحیح نہیں اور

یصح ان تكون قاضیۃ ف امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ جن معاملات

کل شیء تقبل فیہ شہادۃ میں عورتوں کی گواہی مقبول ہے، ان میں

النساء لے عورت قاضی ہو سکتی ہے ۛ

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت مطلقاً قاضی نہیں ہو سکتی۔ امام مالک کے بارے میں جو منقول ہے کہ وہ عورت کے قاضی ہونے کے حق میں تھے، اُس کی بھی نفی ہو گئی ہے۔

امام ابن ہمام کی وضاحت

امام ابن ہمام نے جہاں یہ واضح کر دیا کہ ائمہ ثلاثہ کا اتفاق تھا کہ عورت قاضی نہیں ہو سکتی وہاں انہوں نے یہ بھی وضاحت کر دی ہے۔

اما الذکورۃ فلیست بشرط "حدود و قصاص کے علاوہ قاضی

الا للقتضاء فی الحدود والدعاء کے لئے مرد ہونا شرط نہیں ان دونوں

فتقضى المرأة فی کل شیء کے سوا عورت ہر شے میں فیصلہ

لے المیزان الکبریٰ: جلد ۲ ص ۱۸۹۔

لے رحمۃ الامۃ فی اختلاف الامۃ۔ حاشیہ المیزان الکبریٰ: جلد ۲ ص ۱۹۰۔

الا فیہما لے
 کر سکتی ہے۔
 جس سے فقہائے احناف کے مسلک کی تصریح ہو جاتی ہے۔

جناب رفیع اللہ شہاب کا کذبِ عظیم

عورت کے حج ہونے کی حمایت کرتے ہوئے انہوں نے اپنے مضمون میں مکرو فریب کا جال پھیلاتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نقطہ نظر سے اسلامی ملک میں عورت قاضی ہو سکتی ہے۔ لیکن بعد میں حنفی مکتبہ فکر کے فقہاء نے عورت کے قاضی بنائے جانے کو صرف ان معاملوں تک محدود کر دیا کہ جن میں اس کی شہادت مقبول ہے اور ایسا ہی نقطہ نظر جمہور سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔
 رفیع اللہ شہاب صاحب نے جو کچھ لکھا ہے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔ بدائع الصنائع اور احناف کی دوسری کتب میں اس کا کوئی ذکر موجود نہیں بلکہ امام ابو حنیفہؒ رحمۃ اللہ علیہ اور فقہائے احناف پر زبردست بہتان و الزام ہے۔ فقہی معاملوں میں اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن اس طرح کی بہتان تراشی کا کوئی جواز نہیں۔

امام علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ

امام الکاسانی نے قاضی اور قضا کے بارے میں جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ رفیع اللہ شہاب صاحب کی روشن خیالی کی حقیقت معلوم ہو سکے۔ چنانچہ امام الکاسانی کے الفاظ ہیں۔

لے فتح القدیر شرح البلیۃ : جلد ۶ ص ۳۵۷۔

لے بدائع الصنائع : جلد ۷ ص ۳۔

و اما بیان من یصح
للقضاء فنقول الصلاحیة
للقضاء لها شرائط منها
العقل ومنها البلوغ ومنها
الاسلام ومنها الحریة ومنها
البصر ومنها النطق ومنها
السلامة عن حد القذف
لما قلنا فی الشهادة فلا
يجوز تقليد المجنون والصبي
والكافر والعبد والاعمى
والاخرس والمحدود في
القذف لان القضاء من
باب الولاية بل هو اعظم
الولايات ومولاء ليست لهم
اهلية ادنى الولاية وهم
الشهادة فلان لا يكون اهلية
اعلاها اولی واما الذکوة فلیست
من شرط جواز تقليد فی
المعملة لان المرأة من

جہاں تک اس بیان کا تعلق ہے کہ کون تاقی
بننے کے لئے صحیح ہے تو ہم کہتے ہیں کہ قضاء
کے لئے چند شرائط ہیں ان میں سے
عقل، بلوغت، اسلام، حریت،
بینائی، قوت گویائی اور حد قذف
سے سلامتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے
شہادت کے بارے میں کہا
ہے۔ پس مجنون، بچے، کافر،
غلام، اندھے، گونگے اور حد قذف
لگے کی تقلید جائز نہیں۔ اس لئے کہ
قضا ولایت کا ایک باب ہے، بلکہ
ولایتوں میں سے سب سے زیادہ عظیم
ہے۔ اور یہ لوگ ایسے ہیں کہ ادنی ولایت
کی بھی اہلیت نہیں رکھتے۔ اور وہ
شہادت ہے، جب ادنی کی اہلیت
ان کو حاصل نہیں تو سب اُونچی کی کیے
ہو سکتی ہے، اور جہاں تک مرد ہونے
کا تعلق ہے تو تمام معاملوں میں تقلید کے
جواز کے لئے شرط نہیں اس لئے کہ جملہ معاملات

اهل الشهادات في الجملة میں عورت اہل شہادات میں سے
 الا انها لا تقضى بالحدود ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ حدود و
 والقصاص لانه لا شهادة قصاص میں قاضی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اس
 لها في ذلك و اهلية القضا کی ان میں شہادت مقبول نہیں اور قضا کی اہلیت
 تدور مع اهلية الشهادة شہادت کی اہلیت کے ساتھ گھومتی ہے۔
 امام علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی کی عبارت میں ایسا کوئی ذکر نہیں کہ جس کا تاثر دینے
 کی رفیع اللہ شہاب صاحب نے گھناؤنی کوشش کی ہے۔

جناب رحمت اللہ طارق کی چابکدستی

”فقہ حنفی کے فیصلے“ کے عنوان کے تحت رحمت اللہ طارق صاحب نے لکھا ہے :-
 یہ بات کہ سٹیٹ میں اونچا منصب سربراہی کا ہے یا عدلیہ کا؟ فقہ حنفی کے عظیم شارح علامہ
 ابوبکر کاسانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ سٹیٹ کے تمام مناصب سے اعلیٰ اور
 سب سے اونچا منصب عدلیہ کا ہے۔ اس وضاحت کی روشنی میں فقہ حنفی کی رو سے رسمی
 سربراہی خلافت اور امامت سے اونچا منصب صرف عہدہ قضا (عدلیہ) کا منصب ہے۔ جس
 پر فائز ہونے والا مملکت کا اعلیٰ عہدیدار متعین ہوگا۔
 یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس منصب پر کون فائز ہو سکتا ہے۔ کاسانی کہتے ہیں۔ ذیل
 کی شرائط پر پورا اُترنے والا کوئی بھی فرد عورت ہو خواہ مرد فائز ہو سکتا ہے۔

۱۔ عقل - ۲۔ بلوغت - ۳۔ اسلام - ۴۔ حریت - ۵۔ قوتِ گویائی اور کسی عورت پر بدچلنی کی تہمت کے باعث سزا یافتہ ہونا۔ (یہاں مبنائی کا انہوں نے ذکر نہیں کیا۔)

کاسانی کا مفہوم یہ ہے کہ مذکور شرائط ہر صنفِ بشر کے لئے یکساں معیار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ۱۔ پاگل - ۲۔ بچہ - ۳۔ غلام - ۴۔ گونگا۔

غیر مسلم اور تہمت بدچلنی میں سزا یافتہ سیٹ کے اس منصبِ جلیلہ کے اہل نہیں ہو سکتے۔ گویا کاسانی عہدِ اسلامی میں طاقت کا سرِ شیمہ عہدہٴ قضاء کو ٹھہراتے ہیں کہ اس دور میں ہیئتِ حاکمہ اور ہیئتِ مقتنہ دو الگ الگ حکمے نہیں تھے اور امیدواریں چھو شرائط کا پایا جانا لازمی تھا۔ لیکن آپ نے چونکہ عورت و مرد کے امتیاز کو بالائے طاق رکھ کر بات کو عمومی لہجہ میں واضح کیا تھا۔ لہذا متشککین کے دل میں خدشات ابھر رہے تھے کہ کیا اتنے اونچے منصب پر عورت بھی فائز ہو سکتی ہے؟ تو اس کی وضاحت میں کاسانی علیہ الرحمہ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا۔

”مملکت کے اس اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے لئے مرد ہونا شرط نہیں ہے۔ عورت کے نافذ کردہ احکام و فرہین کی حیثیت بھی قانونی ہوگی اے

رحمت اللہ طارق صاحب نے دجل و فریب کے سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے یہاں بھی ایک پورا جملہ اپنی طرف سے علامہ کاسانی کے کھاتے میں ڈال دیا۔

بدائع الصنائع میں سے علامہ کاسانی کی پوری عبارت نقل کر دی گئی ہے۔ اس کو سامنے رکھ کر رحمت اللہ طارق صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کو دیکھا جائے تو ان کی چابکدستی کا پتہ لگ جائے گا۔ چنانچہ ان کا یہ کہنا ”کہ کاسانی کہتے ہیں کہ ذیل کی شرائط پر پورا اترنے والا کوئی بھی فرد عورت ہو

خواہ مردہ فائز ہو سکتا ہے۔ یہ جملہ روشن خیال کی ”روشن خیالی“ کا منظر ہے۔ علامہ کا سانی کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

”بعض فیصلے عورت نہیں کر سکتی۔“ ان کا کہنا ہے کہ اتنا کہہ لینے کے باوصف کا سانی ایک فقیہ تھے۔ وہ گروہ فقہاء کی افتاد سے اس حد تک مختلف نہ ہو سکتے تھے کہ عورت کے فیصلہ جات کو اس حد تک آزادانہ تسلیم کر لیتے کہ فقہاء کے لگے بندھے ضابطوں کی نفی ہو جاتی۔ کیونکہ عورت کے علی الاطلاق سربراہی یا عہدہ قضا پر فائز ہونے سے حدود و تعزیرات بھی متاثر ہو سکتے تھے۔ جب کہ ان امور کے بارے میں فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ عورت کے فیصلے نافذ نہ ہو سکیں گے، ان کی بابت اس کی گواہی بھی قبول نہ ہو سکے گی۔

محاسبہ

جہاں تک علامہ کا سانی کی عبارت کو کیسچ کر اپنے مطلب کا بنایا جا سکتا تھا۔ بنانے کے بعد ان کی اس واضح عبارت کو بالکل ہی گول کر دیا۔ جو رحمت اللہ طارق جیسے ہم خیال حضرات کے خلاف جاتی تھی۔ یعنی عورت حدود اور قصاص میں قاضی نہیں ہو سکتی۔ اور جہاں انہوں نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ ”مملکت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے لئے مرد ہونا شرط نہیں“ یہاں بھی چابکدستی دکھائی ہے۔ کیونکہ علامہ کا سانی کے الفاظ کا یہ ترجمہ مفہوم نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جملہ معاملات میں قاضی کے لئے مرد ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ عورت بھی جملہ اہل شہادات میں سے ہے۔ لیکن وہ حدود و قصاص میں قاضی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان میں عورت کی گواہی مقبول نہیں۔ علامہ کا سانی کا مقصود وہ نہیں جو کہ رحمت اللہ طارق صاحب نے زبردستی اپنا بنا لیا ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے حدود و تعزیرات کے بارے میں اقرار کر لیا ہے کہ فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ عورت کے فیصلے

نافذ نہ ہو سکیں گے بلکہ ان کی بابت اس کی گواہی بھی قبول نہ ہو سکے گی۔

نتھو بھنگی

رحمت اللہ طارق صاحب نے فقہائے کرام سے یہ سوال کیا ہے کہ نتھو بھنگی کسی پردس آنے کی چوری کا الزام لگا کر بے گناہ چور کا ہاتھ تو کٹوا سکتا ہے کہ اس کی گواہی معتبر ہے لیکن فاطمہ جناح مرحومہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اصول شہادت کی انضیات کا علم رکھتے ہوئے اور کسی قاتل کی اچھی طرح شناخت کرنے کے باوصف بھی اگر یہ کہہ دیں کہ یہ شخص قاتل ہے۔ خاص کر ایسے حالات میں کہ عینی شاہد دوسرا کوئی نہ ہو تو کیا اس قاتل کو کچھ نہ کہا جائے گا کہ حدود و قصاص کے بارے میں فاطمہ جناح کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ یعنی فتنہ خفی کی دُور سے ایک مسلمان کا خون ضائع ہو جائے تو بلا سے مگر اتنی اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون کا چونکہ نتھو بھنگی کی گواہی جتنا اعتبار بھی نہیں ہے۔ لہذا ان خاص صورتوں کے بارے میں سربراہ عورت کے فیصلے بھی نافذ نہ ہو سکیں گے۔ کیا خوب دین فطرت و کاش دین میں اپنی گروہی "انا" کو اتھاٹی بنانے والے اسلام کے جمہوری مزاج کو بگاڑنے کی سعی لامل نہ فرماتے۔

رحمت اللہ طارق صاحب کی اس عبارت میں شکوہ ہے کہ نتھو بھنگی کے مقابلے میں معتبرہ فاطمہ جناح مرحومہ کی گواہی حدود و قصاص میں معتبر کیوں نہیں؟ ان کے سوال کا جواب دینے سے پہلے ایک سوال ان سے بھی ہے۔ کیا جمہوریت میں نتھو بھنگی اور معتبرہ فاطمہ جناح مرحومہ کے دوٹ میں کوئی فرق ہے؟ ایک لاکھ معتبرہ فاطمہ جناح جیسی اعلیٰ تعلیم یافتہ ایک طرف ہوں اور نتھو بھنگی جیسے ایک لاکھ ایک طرف ہوں تو جمہوریت کا فیصلہ کس کے حق میں ہوگا؟ ظاہر ہے کہ نتھو بھنگی کی پارٹی کی حکومت قائم ہو جائے گی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جمہوری مزاج رکھنے والوں کو کیا زیب دیتا ہے کہ اُمت کے ائمہ اور

چور اُسے کہتے ہیں جو لوگوں کا مال چراتا ہے اور چوری ایسا فعل ہے کہ اسلام میں چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ رحمت اللہ طارق صاحب نے نئی اصطلاح ”بے گناہ چور“ استعمال کر کے الجھاؤ پیدا کر دیا ہے کہ چوروں میں گنہگار اور بے گناہ بھی ہوتے ہیں۔ اگر ان کی مراد یہ ہے کہ ایک بے گناہ شخص کو تھو بھنگی دس آنے کی چوری کے الزام میں قاضی کے پاس لے جا کر اس کا ہاتھ کاٹوا دیتا ہے۔ تو صحیح اسلامی معاشرے میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ دس آنے کی چوری پر اسلام میں ہاتھ کاٹنے کا کوئی تصور نہیں کہ سے کم قیمت والی جس چیز کی چوری پر ہاتھ کاٹا گیا۔ وہ ڈھال تھی۔ جس کی قیمت اس وقت دس درہم یا ایک دینار تھی۔

نقص و بھنگی نے چوری کی گواہی اگر مسلمان کے خلاف دی ہے تو اس کی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ گواہ کے لئے مسلمان آزاد اور عادل ہونا شرط ہے۔ یہ مجہوریت کا کرشمہ ہے کہ عدالت میں جا کر نقص و بھنگی حالات و واقعات کے مطابق جھوٹی گواہی دے تو عدالت کو قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہوگا۔ جب تک کہ اس کا جھوٹا ہونا ثابت نہ ہو جائے۔

نفع و ہنگامی کا مفروضہ قائم کرنے سے پہلے اگر قرآن و سنت اور کتب فقہ کا مطالعہ کر لیا جوتا تو ایسا مفروضہ قائم کرنے کی ضرورت نہ پیش آتی۔

خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا۔

قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ
كَهْدَرٍ كَرْمِيثٍ اَوْ طَيِّبٍ بَرَابَرٍ نِهْسِ مَرْكَةٍ اِجْرَجِ
وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ

لہذا ایک لاکھ تھو بھنگی ایک طرف ہوں۔ اور ایک مومن بندہ ایک طرف تو اسلام کے نزدیک وہ ایک مومن بندہ تھو بھنگی کی پارٹی کے تابع نہیں ہوگا۔

رہی بات کہ مختصرہ فاطمہ جناح مرحومہ کی حدود و قصاص میں گواہی قبول کیوں نہیں؟ تو یہ سلسلہ آج شروع نہیں ہوا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد مبارک سے چلا آ رہا ہے جیسا کہ امام ابوہریرؓ کی عیادت ہے۔

مضت الستة من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد
دونوں خلیفوں (ابوبکر اور عمرؓ) کے عہد مبارک
والخلفیتین من بعده لہ سے یہ سنت چلی آ رہی ہے۔

عورت کی حدود و قصاص میں گواہی کے مقبول نہ ہونے سے پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں۔ اس لئے کہ شریعت محمدیہ میں باپ کی بیٹے اور بیٹے کی باپ، خاوند کی بیوی اور بیوی کی خاوند، آقا کی غلام اور غلام کی آقا کے حق میں گواہی قبول نہیں ہوتی تھے یہ عمومی بات بنے مخصوص حالات سے نپٹنا قاضی کا کام ہے۔

اسلامی تعلیم کو سمجھ کر اپنایا جائے تو انشاء اللہ اس میں خیر ہوگی۔ تھو بھنگی والی جمہوریت کو رائج کیا جائے تو عدم فلاح کا سامنا ہوگا۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا فیصلہ

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نہ صرف صحیح بخاری کے عظیم شارح ہیں بلکہ انہوں نے علم الرجال پر

الہدیۃ: جلد ۲ ص ۹۲۲
الہدیۃ: جلد ۲ ص ۱۲۸۔ ہائے الصنائع: جلد ۶ ص ۳۷۹۔

کتابیں لکھ کر علم الحدیث میں نکھار پیدا کیا ہے۔ ان سے منقول ہے۔

اتفقوا على اشتراط الذكورية
في القاضى الا عن الحنفية
واستثنوا الحدود واطلق
ابن جرير وحجة الجمهور
الحديث الصحيح ما افلح قوم
ولو امرهم امرأة له

”امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ ائمہ کا اس پر
اتفاق ہے کہ قاضی کے لئے مرد ہونا شرط
ہے۔ احناف صمد کو مستثنیٰ کیا ہے اور ابن جریر نے
مطلقاً رکھا ہے اور جمهور کی حجت وہ صحیح حدیث
ہے کہ جس کے مطابق آپنے فرمایا جس قوم نے اپنا مسئلہ
عورت کے سپرد کیا وہ فلاح نہیں پائے گی“

علامہ احمد عبد الرحمن البنا الساعاتیؒ

علامہ احمد عبد الرحمن البنا الساعاتی، مسند احمد کے شارح ہیں اور ان کی لکھی ہوئی شرح فتح الربانی کے نام سے ۲۴ جلدوں میں قاہرہ سے چھپ چکی ہے۔ انہوں نے باب باندھا ہے۔
الفصل الرابع في امارة النساء
”چوتھی فصل عورتوں کی حکمرانی کے بارے میں“
پھر انہوں نے عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی چار روایات نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ
عورت حکمران نہیں ہو سکتی جب حکمران نہیں ہو سکتی تو قاضی کیسے بن سکتی ہے۔ ۶۔

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ

علامہ ابو العباس بھی صحیح بخاری کے شارح ہیں۔ ان کا بیان ہے۔

۱۔ فتح الباری جلد ۱۳ ص ۱۴۶-۱۴۷۔

۲۔ فتح الربانی : جلد ۲۳ ص ۳۵-۳۶۔

مذهب الجمهور ان المرأة لا تلى الامارة ولا القضاء و اجاز الطبرى وهى رواية عن مالك وعلاء ابى حنيفة تلى الحكم فيما تجوز شهادة النساء له

”جمهور کا مذہب ہے کہ عورت حکمران اور قاضی نہیں ہو سکتی۔ امام طبرى نے اسے جائز رکھا اور یہ امام مالک سے روایت ہے اور امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ عورت اس میں حکم ہو سکتی ہے کہ جس میں عورتوں کی گواہی جائز ہے“

امام قسطلانیؒ نے بھی جمهور کا مذہب یہی بیان کیا ہے کہ عورت قاضی اور حکمران نہیں ہو سکتی۔

امام شمس الدین ابو عبد اللہ الکرمانی المتوفى ۷۸۶ھ

امام الکرمانی بھی صحیح بخاری کے شارح ہیں، ان کا کہنا ہے۔

ان النساء لا یلین للامارة ولا للقضاء و للتزویج سے ”بے شک عورتیں حکمرانی، قضاہ اور تزویج کی والی نہیں ہو سکتیں“

صحیح بخاری کے دوسرے شارحین کی طرح امام الکرمانی نے عورت کی سربراہی، اس کے قاضی ہونے اور کسی کی شادی کرنے یا اس کا فی ہونے کی نفی کر دی۔

امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی

جناب ریفع اللہ شہاب امام الشوکانیؒ کے اکثر حوالے دیتے رہتے ہیں۔ کیوں کہ امام الشوکانیؒ

لے ارشاد الساری۔ جلد ۶ ص ۴۶۰۔

سے الکرمانی؛ جلد ۱۶ ص ۲۳۳۔

مفتی الانبار کے شارح ہیں اور ان کی نیل الاوطار بڑی ہی مفید شرح ہے۔ چنانچہ اسی میں انہوں نے باب باندھا ہے۔

باب المنع من ولاية المرأة عورت، بچے اور جو اچھا قاضی نہیں بن سکتا۔
والصبي ومن لا يحسن القضاء ان کو عہدہ دینے کی ممانعت کا باب۔
پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارک کو نقل کیا کہ جس میں عورت کی سربراہی کی نفی کی گئی ہے۔

فيه دليل على ان المرأة کہ اس میں دلیل ہے کہ عورت حکمرانوں میں سے
ليست من اهل الولايات نہیں ہے یعنی حکمرانی میں اس کا کوئی حصہ نہیں اور کسی قوم
يحل لقوم توليتها کے لئے حلال نہیں کہ اس کو حکمران بنایا جائے۔

علامہ عبد الرحمن مبارک پوری

جامع الترمذی کے شارح علامہ عبد الرحمن مبارک پوری نے بھی عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کی شرح میں خطاب کا قول نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ عورت سربراہ اور قاضی نہیں ہو سکتی۔
في الحديث ان المرأة لا تولى الحديث میں راہنمائی ہے کہ عورت حکمران
الامارة والقضاء اور قاضی نہیں ہو سکتی۔

۱۔ نیل الاوطار - جلد ۸ ص ۲۴۳

۲۔ ایضاً

۳۔ تحفۃ الاحوذی - جلد ۳ ص ۲۴۶۔

امام عبدالوہاب بن احمد بن علی الشحرانی

امام الشحرانی نے بھی امام الشوکانی کی طرح وہی باب باندھ کر عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

وفی هذا دلیل علی اشتراط
کون القاضی رجلاً
اور اس میں دلیل ہے کہ قاضی کا مرد ہونا
شرط ہے

امام ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامتہ، المتوفی ۶۲۰ھ

ائمہ خاندین سے جلیل القدر امام ابن قدامتہ نے امام ابوالقاسم احمد الخفقی کی مختصر کی شرح میں امام ابوالقاسم کا قاضی کے بارے میں قول نقل کیا ہے۔

ولا یولی قاض حتی یکون!!
بالغا عاقلاً مسلماً حراً عادلاً
”قاضی وہی بن سکتا ہے جو بالغ، عاقل،
مسلم، آزاد، عادل، عالم، فقیہ اور پرہیزگار
ہو“
عالماً فقیہاً ورعاً۔

پھر اس کی شرح میں واضح کیا ہے۔

ان یکون بالغاً عاقلاً حراً
ذکراً حکماً عن ابن جریر انه
”کہ وہ بالغ، عاقل، آزاد مرد ہو، امام
ابن جریر سے مروی ہے کہ قاضی کے لئے
لا تشترط الذکورۃ لان المرأۃ
مرد ہونا شرط نہیں۔ اس لئے کہ عورت

يجوز ان تكون مفتية يجوز کے لئے مفتی ہونا جب جائز ہے تو قاضی ہونا
ان تكون قاضية وقال ابو حنيفة بھی جائز ہے اور امام ابو حنیفہ کا کہنا ہے کہ محدود
يجوز ان تكون قاضية کے علاوہ دوسرے معاملات میں عورت
في غير الحدود لانه يجوز قاضی ہو سکتی ہے کیوں کہ ان میں وہ گواہ ہو
ان تكون شاهدة فيه۔ سکتی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اپنا مذہب بیان کیا ہے :-

ولنا قول النبي صلى الله عليه وسلم لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
عليه وسلم ما افلح قوم ولوا کا ارشاد مبارک ہے کہ جس قوم نے اپنا معاملہ
امرهم امرأة ولان القاضي عورت کے سپرد کیا وہ کبھی فلاح نہیں پائے
يخضره محافل الخصوم والرجال گئی۔ اس لئے کہ قاضی کو مردوں اور عورتوں کے
ويحتاج فيه الى كمال الرأي والوں کی مغفلوں میں جانا پڑتا ہے اور ان میں
وتمام العقل والفتنة و کامل رائے، پوری عقل اور فطانت کی
المرأة ناقصة العقل قليلة ضرورت ہوتی ہے اور عورت ناقص العقل
الرأي ليست اهلا للحضور اور قلیل الرائے ہے وہ مردوں کی مغفلوں میں
في محافل الرجال ولا تقبل حاضر ہونے کی اہل نہیں اور نہ ہی اس کی
شهادتها ولو كان معها شہادت قبول کی جاتی ہے اگرچہ ایک ہزار
الف امرأة مثلها مالم يكن عورتیں جمع ہو جائیں تو بھی ان کی شہادت
معهن رجل وقد نبه تعالى اس وقت تک مقبول نہ ہوگی جب ان کے ساتھ
على ضلأهن ونسبناهن مرد نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے گمراہ ہونے اور

بقولہ تعالیٰ (ان تضل احداھا فتذکر احداھا الاخریٰ)
 فتذکر احداھا الاخریٰ
 ولا تصالح للامامة العظمیٰ
 ولا لتولية البلدان ولهذا
 لم یولی النبی صلی اللہ علیہ
 وسلم ولا احد من خلفائه
 ولا من بعدهم امرأۃ قضاء
 ولا ولاية بلد فیما بلغنا ولو
 جازہ ذلك لم یخل منه
 جمیع الزمان غالباً
 بھولنے کے بارے میں یوں آگاہ فرمایا ہے
 اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری
 اس کو یاد کرے۔ امامت عظمیٰ پر مامور ہونا اور
 شہروں میں حاکم بنایا جانا ان کے لئے درست
 نہیں اس لئے کہ ہماری معلومات کے مطابق
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء
 میں سے کسی ایک نے عورت کو کسی شہر کی قاضی یا
 حاکم نہیں بنایا اور نہ ہی آپ کے بعد ایسا ہوا۔
 اگر اس کی اجازت ہوتی تو سارا عرصہ عورت
 کے حاکم اور قاضی ہونے کے بغیر غالباً نہ گزرتا۔

امام ابن قدامہؒ کی اس عبارت سے عیاں ہوتا ہے کہ خیر القرون میں عورت کے حاکم یا والی ہونے
 کی کوئی مثال نہیں ملتی براسی لئے انہوں نے واضح کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی
 روشنی میں اسلامی ملک میں عورت کے سربراہ ہونے کی توہور کی بات ہے وہ کسی ایک شہر پر بھی حکمران
 نہیں ہو سکتی اور نہ ہی قاضی بن سکتی ہے۔

الاحکام السلطانیۃ

امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب المادودی المتوفی ۴۵۰ھ کی کتاب ہے جس کے دیباچہ میں

انہوں نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے ایک رہبر کو نبوت عطا فرما کر مبعوث فرمایا اور اسی کو مخلوق کے لئے مرکز قرار دیا۔ اسے حکومت بھی عطا فرمائی۔ تاکہ وہ اس کے دین کے احکام نافذ کرے اور سب لوگ اس کی بات مانیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امامت وہ بنیاد ہے کہ جس پر ملت کے قواعد قائم ہیں۔ اور جس سے امت کے مصالح منظم ہیں۔ اسی سے عام قوانین بنے اور خاص احکام صادر ہوئے۔ اسی بنا پر ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو شاہی احکام پر مقدم کیا جائے۔

امامت

کتاب کے آغاز میں انہوں نے واضح کر دیا کہ نبوت کی جانشینی کے لئے امامت ہے تاکہ دین کی حفاظت ہو اور دنیا کا انتظام برقرار رہے۔

امامت کی اہلیت کے لئے انہوں نے حسب ذیل سات شرائط کی نشاندہی کی ہے۔

- ۱۔ عدالت اپنی تمام جامع شرطوں کے ساتھ۔
- ۲۔ علم یعنی امام ایسا عالم ہو جو عام ہدایت اور غیر معمولی واقعات کے وقت اجتہاد کر سکے۔
- ۳۔ حواس کی سلامتی۔
- ۴۔ اعضاء کی صحت تاکہ حرکت میں مانع نہ ہو اور بیٹھے اٹھنے میں حارج نہ ہوں۔
- ۵۔ عقل و فراست جو رعیت کی نگہبانی اور مصالح ملکی میں معاون ہو۔
- ۶۔ شجاعت و دلیری جس سے ملک کی حفاظت اور دشمن سے جہاد کیا جائے۔

۱۔ الاحکام السلطانیہ۔ ص ۳۔

۲۔ " ص ۵۔

۷۔ نسب یعنی امام قریش میں سے ہو کیوں کہ اس بارے میں نص موجود ہے۔ اور اس پر اُمت کا اجماع ہونا چاہیئے۔

جناب ریفیع اللہ شہاب نے پاکستان ٹائمز میں شائع ہونے والے اپنے مضمون میں الاحکام المسلمات کی بڑی تعریف کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مسلمان حکمران اور قاضی کے لئے امام وردی نے سات شرائط بیان کی ہیں جن میں حکمران کے مرد یا عورت ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء میں حکمران کے مرد یا عورت ہونے میں اختلاف رہا ہے۔ امام ابن حبریر طبرئی اور امام مالک حکمران کے مرد یا عورت ہونے میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے اور ان کا کہنا ہے کہ عورت مردوں کی طرح اسلامی مملکت کی سربراہ اور قاضی ہو سکتی ہے۔

محاسبہ

ائمہ و فقہاء اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت اسلامی ملک کی حکمران نہیں ہو سکتی۔ اس کے قاضی ہونے کے بارے میں امام ابن حبریر طبرئی اور امام مالک کا قائل ہونا منقول ہے جب کہ جمہور ان سے متفق نہ تھے۔ اس پر مغضل بحث ہو چکی ہے لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ امام ماموردیؒ نے عورت کے حکمران اور قاضی ہونے کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟ اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ ریفیع اللہ شہاب صاحب نے امامت کے لئے متعین شرائط میں مرد ہونے کی شرط نہ پا کر سمجھ لیا ہے کہ امام ماموردیؒ بھی اسی کے قائل تھے۔ یہ ان کی کم فہمی ہے یا زبردست دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ امام ماموردیؒ بھی عورت کو ملک کا سربراہ یا قاضی بنانے کے حق میں نہ تھے۔ اگر ریفیع اللہ شہاب صاحب

لے پاکستان ٹائمز ۹ فروری ۱۹۸۹ء

تے الاحکام السلطانیہ کا مطالعہ دہائی تک محدود نہ رکھا ہوتا کہ جہاں سے ان کی روشن خیالی کو کوئی سہارا میسر آسکتا تھا تو یقیناً اس سے اجتناب کرتے جو انہوں نے پاکستان ٹائمز میں لکھ دیا ہے۔

وزارت

امام لدھی نے اپنی کتاب کے دوسرے باب میں وزارت کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔
وزارت تفویض اور وزارت تنفیذ۔

وزارت تفویض سے مراد امام ماوردیؒ کی یہ ہے کہ امام کسی شخص کو وزیر بنا کر امور سلطنت کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دے جنہیں وہ اپنی رائے اور صوابہ پید سے انجام دے۔

ایسے وزیر کے تقرر کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ نسب کے علاوہ اس کے لئے وہی شرائط معتبر ہیں جو امامت کے لئے ضروری ہیں کیونکہ یہ عہدہ نہایت ذمہ داری کا ہے اور اس میں اپنی عقل، اجتہاد اور رائے سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مجتہدین کی صفات اس میں موجود ہوں۔ بلکہ اس عہدہ کے لئے امامت کے شرائط کے علاوہ چند اور بھی ضروری ہیں یعنی وزیر کو جنگی اور مالی معاملات سے بخوبی آگاہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ بعض مرتبہ یہ کام اس کو خود کرنے پڑتے ہیں۔ اور بعض دفعہ وہ دوسروں سے ان کاموں کو انجام دلاتا ہے۔ لہذا جب تک وہ خود ان معاملات سے باخبر نہ ہوگا تو وہ مناسب آدمی کا تقرر نہ کر سکے گا اور نہ ان کی عدم موجودگی میں خود ان کاموں کو انجام دے سکے گا۔ یہ شرط وزارت کی بنیاد ہے جس سے سیاست ملک قائم ہوتی ہے لہ

وزارت تنفیذ کی وضاحت کرتے ہوئے امام ماوردیؒ نے لکھا ہے جس طرح اس وزارت

کا اقتدار و اختیار کم ہے۔ اسی طرح اس کے لئے شرائط بھی کم ہیں۔ کیونکہ اس منصب کی کارگزاری امام کی رائے اور تدبیر پر موقوف ہے۔ یہ وزیر امام اور اس کی رعایا اور اس کے والیوں کے درمیان محض ایک ذریعہ یا واسطہ ہوتا ہے۔ اس کا کام صرف یہ ہے کہ امام جو ہدایتیں اور احکام دے انہیں وہ نافذ و جاری کر دے اور دوسرے عہدیداروں کے تقرر، فوجوں کی تیاری، واقعاتِ حاضرہ اور اچانک نمودار ہونے والے حادثات سے امام کو مطلع کرتا رہے۔ امام سے ان کے متعلق احکام حاصل کر کے جاری کر دے۔ اس کا کام ہدایت کی تعمیل ہے، ہدایت نہیں۔

اس وزیر کے صرف دو فرائض ہیں۔ ایک یہ کہ اہم اخبار خلیفہ تک پہنچا دے۔ دوسرا یہ کہ جو خلیفہ حکم دے اسے رعایا تک پہنچا دے۔

اس عہدے کے لئے سات صفات کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

۱۔ امانت :- تاکہ جو بات اس سے کہی جائے اس میں خیانت نہ کرے اور جس خیر خواہی کی اس سے توقع کی گئی ہے اس میں دھوکہ نہ دے۔

۲۔ صدقِ لہجہ :- تاکہ ہر قسم کے احکام میں اس پر پورا بھروسہ کیا جائے۔

۳۔ لالچی نہ ہو :- اگر لالچی ہوگا تو رشوت لے کر جانبداری کرے گا یا احکام کی تعمیل میں دیر کرے گا۔

۴۔ عوام اور اس کے درمیان لُبغض و عداوت نہ ہو۔ کیوں کہ عداوت انصاف و عدل دونوں سے روکتی ہے۔

۵۔ وہ مرد ہو :- تاکہ وہ ہر بات خلیفہ تک پہنچائے اور ان سے جو احکام ملیں انہیں رعایا تک پہنچا دے۔ اس لئے کہ وہ خلیفہ کی طرف سے اور ان کی طرف سے گواہ ہوتا ہے۔

۶۔ ذکاوت و ذہانت :- تاکہ وہ خلیفہ کے احکام کو اچھی طرح سمجھ لے اور اس پر ان کی

غرض دغايت پوری طرح واضح ہو جائے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو بڑی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔
۴۔ نفسی خواہشات کا بندہ نہ ہو۔ کیونکہ ایسی خواہشات اس کو حق سے باطل
کی طرف لے جائیں گی۔ اور اس کے لئے سچ اور جھوٹ میں تمیز مشکل ہو جائے گی۔ اس لئے کہ
محبت عقل کو معطل کر دیتی ہے۔ اور صحیح راہ سے ہٹا دیتی ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

حبك الشيء يعنى ويصوّر کسی شے کی محبت تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے
اگر یہ وزیر خلیفہ کی رائے میں شریک ہوتا ہے تو وہ آٹھویں صفت کا بھی محتاج ہوگا۔ جو تدبیر اور
تجربہ ہے تاکہ صحیح رائے اور تدبیر قائم ہو سکے۔ اس لئے کہ تجربہ نتیجے اور انجام سے مطلع کرتا ہے۔

ولا يجوز ان تقوم بذلك "اس منصب پر کوئی عورت فائز نہیں
امراة وان كان خبرها ہو سکتی۔ اگرچہ اس کی خبر مقبول ہے
مقبولا لما تضمنه معنى مگر بعض اور امور اس عہدے کے ساتھ
الولايات المصروفة عن ایسے ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہونے کا رسول اللہ
النساء لقول النبي صلى الله عليه وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حق
ما افلح قوم اسندوا امهم نہیں دیا گیا ہے جس قوم نے اپنا معاملہ عورت
الى امرأة لے کے سپرد کر دیا وہ فلاح نہیں پائے گی؟

رفیع اللہ شہاب صاحب نے جس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے پر بڑا زور لگایا ہے۔ (عام سلطانہ
کے مصنف ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوروی نے بھی اسی سے استدلال کرتے ہوئے عورت کو

خليفة کی وزیر تنفیذ بننے سے روک دیا۔ امام ماردی کے نزدیک جب عورت وزیر تنفیذ نہیں ہو سکتی تو وہ وزیر تفویض یا خلیفہ کیے ہو سکتی ہے۔ ۹۔

امام ماردی نے کیا ہی خوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کا ذکر کیا ہے کہ کسی شئی کی محبت تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے بعینہ ”عاشق خیال“ حضرات کو عورت کی حکمرانی نے اندھا اور بہرہ کر دیا ہے جس کتاب کا حوالہ دیتے ہیں۔ وہی ان کے خلاف جاتے ہیں۔ اور ان کے دجل و فریب کی عمارت پر بند خاک بن جاتی ہے۔

عورت کے قاضی ہونے کی نفی

قاضی کی تقرری پر بحث کرتے ہوئے امام ماردی نے واضح کیا ہے۔ عہدہ قضاء پر اسی شخص کا تقرر جائز ہے جس میں اس کی تمام شرائط موجود ہوں تاکہ ان کو قاضی بنانا اور اس کے احکام کو نافذ کرنا صحیح ہو۔ امام رحمۃ اللہ علیہ نے سات شرطوں میں سے پہلی شرط یہ رکھی ہے۔ ان یکون رجلاً۔ یہ کہ وہ مرد ہو۔ اور ان کا کہنا ہے کہ اس شرط میں بالغ اور مرد ہونا۔ دو صفتیں جمع ہیں اس لئے کہ نابالغ پر کوئی حکم واجب نہیں ہو سکتا اور نہ اپنے قول سے کوئی حکم اپنے اوپر واجب کر سکتا ہے چہ جائیکہ کسی دوسرے پر حکم کا نفاذ کرے اور عورتوں کا مرتبہ حکومت کے مراتب سے کم ہے اگرچہ بعض احکام ان کے قول سے متعلق ہیں۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جن امور میں ان کی شہادت درست ہے۔ قضاء بھی درست ہے۔ لہذا جن میں شہادت درست نہیں ان میں قضاء بھی درست نہیں۔

امام ابن حبیبر اس مسئلہ میں بالکل منفرد ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تمام احکام میں عورت کی قضاء جائز ہے۔

ولا اعتبار بقول یردہ الایمان اور اس قول کا کوئی اعتبار نہیں جس کو اجماع

مع قول الله تعالى الرَّجَالُ
قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ
فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى
بَعْضٍ يَعْنِي فِي الْعَقْلِ وَالرَّأْيِ
فَلَمْ يَجْزِ أَنْ يَقُمْنَ عَلَى
الرِّجَالِ
اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ساتھ رد
کرتا ہے۔ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ
اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کو بعض پر
فضیلت دے رکھی ہے۔ یعنی عقل
اور دانائی میں۔ لہذا یہ جائز نہ ہوگا کہ عورتیں
مردوں کی حاکم بنیں ۱

امام جصاص المتوفی ۳۷۰ھ نے بھی یہی تفسیر کی ہے کہ عقل و دانائی میں مرد کو عورت پر اللہ تعالیٰ
نے فضیلت دی ہے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ مرد ہی عورت کی تدبیر و تادیب کا ذمہ دار ہے۔ یہ آیت دلائل
کرتی ہے کہ عورت کو اپنے گھر میں رکھنا اور اس کو باہر نکلنے سے روکنا مرد کا حق ہے۔ عورت کا فرض ہے کہ
مرد کی اطاعت کرے۔ اور اس کا حکم ماننے جب تک کوئی معصیت کا حکم نہ دے سکے
امام جصاصؒ نے یہ بھی لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر بشر کا بشر کو سجدہ کرنا درست
ہو تا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ مرد کو سجدہ کرے ۲

امام ابو الحسن ماوردیؒ نے نہ صرف یہ ثابت کر دیا کہ عورت قاضی بھی نہیں ہو سکتی۔ اور عورتوں کا مرتبہ
حکومت کے مراتب سے کم ہے بلکہ انہوں نے امام ابن جریرؒ کے اس قول کا بھی رد کر دیا کہ جس پر رفع اللہ
شہاب صاحب اور رحمت اللہ طارق صاحب نے اپنے دلائل کی بنیاد رکھی تھی۔ ساری اسلامی تاریخ

۱ الاحکام السلطانیہ۔ ص ۶۵۔

۲ تفسیر احکام القرآن للخصاص۔ جلد ۲ ص ۱۸۸۔

۳ احکام القرآن جلد ۱ ص ۶۴ (للرجال علیہم درجۃ)

میں سے جو مطلب کے قائل تھے۔ ان کو امام مامردیؒ، امام قرطبیؒ اور علامہ آلوسیؒ نے ٹھکرا کر واضح کر دیا ہے کہ عورت نہ حکمران ہو سکتی ہے اور نہ ہی قاضی بن سکتی ہے بلکہ اس کو کسی شہر کا حاکم بھی نہیں بنایا جاسکتا۔

شیعہ کتب میں عہدہ قضا

شیعہ کتب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کے ہاں بھی عورت کی سربراہی اور اس کے قاضی ہونے کا کوئی تصور نہیں۔ چنانچہ حضرت امام عبداللہ جعفر الصادق سے مروی ہے۔

اتقوا الحكومة فان الحكومة "حکومت سے بچو۔ اس لئے کہ حکومت

انما هي للامام العالم بالقضاء امام کے لئے ہے جو قضاء کا عالم اور نبی یا وہی

العاقل في المسلمين لنبي کے لئے لوگوں کے درمیان عدل کرنے

او وصي نبي له والا ہے

معلی بن جنیس سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر الصادق کی خدمت میں عرض کیا اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا کیا معنی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا "بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ

الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا تم جن کی امانتیں ہیں ان کو لوٹا دو اور جب تم

حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ قَالِ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے فیصلہ

كرو۔ امام جعفرؒ نے فرمایا کہ امام پر فرض ہے کہ جو اس کے پاس ہے، اس امام کو

على الامام ان يدفع ما

عندہ الی الامام الذی بعدہ
وامرت الائمۃ ان یمکمو
بالعدل و امر الناس ان
یتبعوہم لہ

دے دے جو اس کے بعد امام ہوگا اور
ائمہ کو حکم دیا گیا ہے کہ عدل کے فیصلے
کریں۔ اور لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ
ان کی اتباع کریں۔“

امام جعفر صادق کا یہی فرمان ہے :-

ایاکم ان یماکم بعضکم
بعضا الی اہل الجور ولکن
افظروا الی رجل منکم یعلم
شیئاً من قضایا فاجعلوا
بینکم فانی قد جعلتہ قاضیا
فتحاکموا الیہ لہ

”بعض تمہارا بعض کو فیصلے کے لئے
اہل جور کے پاس نہ لے جائے۔ بلکہ
اپنے درمیان میں سے کسی اس مرد کو
تلاش کرو جو قضاء کے بارے میں کچھ علم
رکھتا ہو۔ پس اس کو اپنے درمیان قاضی بنا
لو۔ اور اسی سے فیصلہ کراؤ۔“

معلوم ہوا کہ فقہ جعفریہ میں بھی گنجائش نہیں کہ کوئی عورت امام یا قاضی ہو سکے۔ کیونکہ یہ دونوں منصب
مرد امام کے لئے مختص ہیں۔ اگر عورت امام یا قاضی ہو سکتی ہوتی تو حضرت فاطمہؑ سب سے پہلے اس
عہدے پر فائز ہوتیں۔

امام نسائی کا فیصلہ

”کتاب اداب القضاۃ“ میں امام عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی المتوفی ۲۴۳ھ نے باب باندھا ہے۔

۱۔ من لا یحضرہ الفقیہ: جلد ۳ ص ۳۔ تہذیب الاحکام، جلد ۱، ص ۲۲۳۔

۲۔ الفروع من الکافی جلد ۳ ص ۴۱۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۳ ص ۳۔ تہذیب الاحکام جلد ۱ ص ۲۱۹۔

النہی عن استعمال النساء فی الحکم عورتوں کو قاضی بنانے کی ممانعت

پھر انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی روایت نقل کی ہے کہ مجھے اس شئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فائدہ دیا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی۔ جب کسریٰ ہلاک ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا۔

من استخلفوا قالوا ابنتہ قال انہوں نے کس کو بادشاہ بنایا؟ صحابہؓ نے عرض کیا

لن یفلح قوم ولوا امرہم اس کی بیٹی کو۔ آپؐ نے فرمایا جس قوم نے اپنا معاملہ

امراۃ لہ عورت کے سپرد کیا وہ ہرگز فلاح نہیں پائے گی ؟

سنن النسائی کے شارح الأستاذ حضرت علامہ محمد عطاء اللہ حنیفؒ نے حاشیے میں وضاحت کی ہے۔

فیہ دلیل علی عدم جواز تولیۃ اُس میں دلیل ہے کہ مسلمانوں کے درمیان

المرأۃ شیئاً من الاحکام العامۃ احکام عامہ میں سے عورت کو کوئی عہدہ

بین المسامین لہ دینے کا کوئی جواز نہیں ؟

امام شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزہ ابن شہاب الدین الرملی المتوفی ستۃ

جناب رحمت اللہ طارق نے کوئی ایسا تنکہ نہیں چھوڑا کہ جس سے ان کو کسی سہارے کی امید ہو سکتی تھی۔
لہذا نظریہ ضرورت کی رو سے سربراہی کا مطلق جواز کے تحت فرماتے ہیں۔

عورت کے عہدہ التی اور سربراہی منصب کے خلاف کافی بحث و تمحیص کے بعد احناف کے شیخ الاسلام علامہ خیر الدین رملی فرماتے ہیں عورت کا سربراہ بنایا جانا اگر ناگزیر بن جائے تو پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

۱ سنن نسائی: جلد ۲ ص ۳۰۱۔

۲ حاشیہ سنن النسائی: جلد ۲ ص ۳۰۱۔

نظریہ ضرورت کی نوسے دہ سربراہ مملکت بھی بن سکتی ہے اور اس کے فیصلے بھی نافذ ہو سکیں گے۔

محاسبہ

رحمت اللہ طارق صاحب نے جو آخری سہارا تلاش کیا ہے۔ اس کی بھی حقیقت پہلے سہاروں اور دجل و فریب سے مختلف نہیں۔ امام بٹل نے نظریہ ضرورت بھی کتاب القاضی میں ہی پیش کیا ہے۔ اور پوری عبارت اس طرح ہے۔

لئلا يتعطل مصالح الناس	تاکہ لوگوں کے مصالح معطل نہ ہو جائیں اگر
ولو ابتلى الناس بولاية	لوگ عورت یا غلام یا اندھے کے ان معاملوں
امراة اوقت او اعمى فيما	میں قاضی بنائے جانے کی آزمائش میں ڈالے
يضبطه نفذ قضاءه	جائیں کہ جن میں ان کا حکم چلتا ہو تو ضرورت
للضرورة كما افتي به	کے تحت اس کے فیصلے کو جاری کیا جائیگا
الوالد رحمة الله تعالى	والد نے یہی فتویٰ دیا ہے اور ابن السلام
والحق به ابن السلام	عبد السلام نے عورت کے ساتھ
عبد السلام الصبي بالمرأة	اس کی مثل اور بچے کو بھی ملا دیا ہے۔ کافر
ونحوها لا كافر له	قاضی نہیں ہو سکتا۔

پوری عبارت سے عیاں ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت صرف عورت کو ہی قاضی بنائے جانے

۱۔ عورت اور سدا امارت: ص ۷۵۔

۲۔ نہایۃ المحتاج فی شرح المنہاج: جلد ۷ ص ۲۲۰۔

کا ذکر نہیں بلکہ ایسے غلام کو بھی شمار کیا گیا ہے کہ جس کا باپ بھی غلام ہو۔ اور ساتھ اندھے کو بھی دکھا گیا ہے۔ شیخ عبد السلام نے بچے کو بھی ساتھ ملا دیا۔ بحث نظریہ ضرورت کی نہیں بلکہ قرآن و سنت اور فقہ کی روشنی میں امام اور قاضی کے بارے میں ہے۔ ہنگامی حالات میں تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اسلام کی بنیادی تعلیم کی بات ہو رہی ہے۔ علامہ ربیعؒ کے الفاظ اور رحمت اللہ طارق صاحب کے ترجمہ و مفہوم میں زمین و آسمان جیسا فرق ہے۔ ”نفذ القضاء“ ایسا جملہ ہے کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اسی جملہ سے پتہ چلتا ہے کہ بات قضاء کی ہو رہی ہے۔

مزید وضاحت کے لئے امام ربیعؒ کی وہ عبارت بھی نقل کی جاتی ہے جو ”شروط القاضی“ کے تحت منقول ہے۔ ان کی شروط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے۔

(ذکر) فلا تولى امرأة	”مرد ہونا اپنی عورت اپنی کمزوری کی وجہ سے“
لنقصها ولا حياج القاضی	قاضی نہیں بن سکتی کیونکہ قاضی کو مردوں سے
لمخالطة الرجال وهي مأمورة	اختلاط کی حاجت ہوتی ہے اور عورت کو
بالتخدر والحذی فی ذلک	پروہ کا حکم دیا گیا ہے اور محنت بھی عورت
کامرأة ولخبر البخاری	کی طرح ہے۔ اس لئے کہ بخاری وغیرہ کی
وغیره لن یفلح قوم ولوا	ہدایت ہے کہ جس قوم نے عورت کے پیروا پنا
امرهم امرأة له	معاملہ کیا وہ کبھی فلاح نہیں پاسے گی۔“

علامہ المناویؒ نے شرح الجامع الصغیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی تشریح میں اس سے ملتی جلتی رائے کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے۔

فلا يصح ان تولي الامامة
ولا القضاء
پس عورت کے لئے درست نہیں کہ وہ
امامت اور قضا کی والی بنے،

امام ربیعؒ نے بھی اسی روایت سے استدلال کیا جو دشمن خیال حضرات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ساری امت کے علماء و فقہاء جمہور کی صورت میں ایک طرف اور چند دشمن خیال ایک طرف۔ لیکن کوشش یہ ہے کہ جمہور کے فیصلے کو قبول نہیں کرنا جمہوریت کے دعویدار جمہور کو جھٹلاتے ہیں۔ اور جمہوریت کا دم بھی بھرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر دجل و کذب کیا ہو سکتا ہے؟ جس امام اور کتاب کا حوالہ دیا۔ اسی امام اور کتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت قاضی نہیں ہو سکتی۔ لیکن انہوں نے اس امام اور کتاب کا نام لے کر دھوکہ دیا ہے۔

ایشیخ محمد علیشؒ نے بھی ”صفات القاضی“ کا ذکر کرتے ہوئے قاضی کے مرد ہونے کی شرط امام بخاریؒ کی روایت کردہ حدیث کا حوالہ دے کر عائد کی ہے۔

عمل کی شرط کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ قاضی بالغ، عاقل، مسلم، مرد، آزاد، غیر فاسق اور جو انفرادی کی صفات سے عاری نہ ہو۔ ایشیخ محمد علیشؒ نے علامہ ابن رشد کا حوالہ بھی دیا ہے کہ ان کے نزدیک قاضی کے عہدے کے لئے چھ صفات شرط ہیں۔ یہ کہ وہ بالغ، آزاد، مسلم، مرد، عاقل اور عادل ہو۔ ہمارے مذہب کے مطابق ان چھ مشروط صفات کے بغیر کسی کا قاضی بنایا جانا درست نہیں۔

فقہائے مالکیہ پر بہتان

جس طرح فقہائے احناف پر ربیع اللہ شہاب صاحب نے بہتان لگا دیا کہ امام ابو حنیفہؒ تو

۱ فیض القدیر: جلد ۵ ص ۳۰۳۔

۲ شرح منہج الجلیل علی مختصر العلامة خلیل: جلد ۴ ص

عورت کے قاضی ہونے کا نظریہ رکھتے تھے۔ لیکن بعد میں چند فقہاء نے اس کے قاضی ہونے کو ان معاملات تک محدود کر دیا کہ جن میں اس کی گواہی مقبول ہے۔ اسی طرح امام مالکؒ کے بارے میں حرمت اللہ طارق صاحب نے بھی لکھ دیا کہ ”المدونہ“ میں عورت کی سربراہی کو کسی شرط سے وابستہ نہ رکھنے کا اگرچہ فتویٰ دیا لیکن محمد بن سعید انصاری عوف ابن زرقون ^{۱۹۰} اپنے دور میں اس کی توجیہ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ جن امور میں عورت کی گواہی کا اعتبار ہوگا۔ ان ہی امور کا قلمدان غیر مشروط سربراہی کی تعریف میں آکے گا۔ اس تاویل کا مضحکہ اڑاتے ہوئے امام عبدالعزیز بن عبدالسلام ۱۲۶۲ م نے جو باتفاق اہل تاریخ درجہ اجتہاد پر فائز تھے، فرمایا۔ لا حاجۃ لہذا التاویل اس بگس توجیہ کے پیش کرنے کی چندال ضرورت نہیں۔ کیونکہ ابن القاسم سے پہلے امام ابن جریرؒ بھی بے قید و بے شرط عورت کے والی (حاکم) اور حجت جٹس بننے کا فیصلہ دے چکے ہیں۔ یہ بات انہوں نے مواہب اللیل فی شرح مختصر غلیل جلد ۶ ص ۸۹۷ کے حوالے سے لکھی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محاسبہ

جناب رحمۃ اللہ طارق صاحب کو اگر معلوم ہوتا کہ ”المدونہ“ میں امام مالکؒ کا یہ فتویٰ موجود ہے کہ عورت اسلامی ملک کی سربراہ ہو سکتی ہے۔ اور اس کے لئے کوئی خاص شرط نہیں، تو وہ اس عبارت کو ”المدونہ“ کے حوالے سے بلا واسطہ ضرور نقل کر کے اپنے موقف کو مضبوط بناتے۔ لیکن دجل و فریب کا جال اس لئے پھیلا نا پڑا کہ ایسی کوئی عبارت ”المدونہ“ میں بسے ہی نہیں۔ امام مالکؒ تو عورت کی گواہی محدود و قصاص اور نکاح و طلاق میں قبول نہیں کرتے تھے۔ تو اس کو وہ اسلامی ملک کا

۱۹۰ عورت اور مسئلہ امارت - ص ۸۷۔

سربراہ کس طرح بنا سکتے تھے۔

”المدونۃ“ ان روایات کا مجموعہ ہے جو کہ امام سخون بن سعید التنوخی نے امام عبدالرحمن بن القاسم سے نقل کی ہیں۔ چنانچہ امام سخون بن سعید عبدالرحمن بن القاسم سے پوچھتے ہیں۔

ارایت شہادۃ رجل وامرأتین ”کیا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی
تجوز علی شہادۃ رجل فی قصاص میں ایک مرد کی شہادت پر جائز
القصاص قال لا تجوز لان ہوگی۔ ابن القاسم نے کہا جائز نہ ہوگی۔ اس
مالکا قال لا تجوز شہادۃ لئے کہ امام مالکؒ اسے جائز نہیں سمجھتے
النساء فی الحدود ولا تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ حدود۔ قصاص
فی القصاص ولا فی الطلاق طلاق اور نکاح میں عورتوں کی گواہی
ولا فی النکاح لہ

یہ بحث پہلے ”کتاب الاقضية“ میں منقول ہے۔ پھر امام مالکؒ کا یہی فتویٰ ”شہادۃ النساء فی جراح العمد والحدود والطلاق والنکاح ولا لنسب والولاء والموارث“ کے تحت بھی نقل کیا گیا ہے۔

ابن شہاب سے یہ بھی مذکور ہے۔

مضت السنۃ من رسول اللہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے
صلی اللہ علیہ وسلم والخلفیین بعد دونوں خلیفوں کے عہد مبارک میں یہ

۱۔ المدونۃ - جلد ۴ ص ۷۳۔

۲۔ ایضاً - ص ۸۳-۸۴۔

من بعده انه لا تجوز سنت رہی ہے کہ عورتوں کی گواہی نکاح۔
 شهادة النساء في النكاح طلاق اور حدود میں جائز نہیں ہوگی۔
 والطلاق والحدود الا ان عقیل نے رعایت بیان کرتے ہوئے
 عقیلاً لم يذكر الخلفيتين خلیفوں کا ذکر نہیں کیا۔

اس کے ساتھ ابن مسیب، ربیعہ، مکحول، ابراہیم، سفیان ثوری اور حسن کے اقوال بھی منقول ہیں کہ عورت کی گواہی حدود، طلاق اور نکاح میں مقبول نہیں ہے۔
 امام ابن القاسم جب خود امام مالک کے فتویٰ کو دلیل بناتے ہوئے عورت کی مذکورہ علامات میں جائز نہیں سمجھتے تھے۔ تو وہ عورت کو ان میں قاضی یا ملک کا سربراہ بنانے کا حوالہ کس طرح دے سکتے تھے۔

چونکہ مختصر خلیل کی شرح کے حوالے سے بات ہوئی ہے تو کیوں نہ مختصر خلیل کے متن کو دیکھ لیا جائے تاکہ بات بالکل صاف ہو جائے۔ اگرچہ مختصر خلیل کی شرح منہج الجلیل کے حوالے سے پہلے بھی وضاحت ہو چکی ہے لیکن مزید صراحت کے لئے فقہ مالکیہ کے شارح علامہ صالح عبد السمیع الابی الازہری نے اس سلسلے میں مختصر خلیل کا جو متن نقل کیا ہے۔ اس کے الفاظ پیش کئے جاتے ہیں۔

باب. اهل القضاء عدل قضاء کی شروط و احکام اور اس کے متعلقات کا بیان
 ذکر فطن مجتہد فی بیان شروط و احکام القضاء وما يتعلق به اهل اى مستحق
 قضاء کا اہل وہ مرد ہے جو عادل فطن اور مجتہد ہو۔
 اهل القضاء یعنی قضاء کا مستحق۔

القضاء عدل ای بالغ عاقل عدل سے مراد ہے کہ وہ بالغ، عاقل
مسلم ذکور غیر فاسق مسلم، مرد، آزاد، غیر فاسق ہو اور غیر
ولا مرتکب مایخل بصرفوتہ اخلاق کاموں کا مرتکب ہونے والا ہو۔
قال القرافی وان لم یوجد قرافی نے کہا اگر عادل نہ ملے تو جو موجود
عادل ولی امثل الموجودین ہوں ان میں سے سب سے اچھا انسان قاضی بنایا
وقال الامام مالک رضی اللہ جائے، امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ
تعالیٰ عنہ لا یری خصال القضاء آج میں کسی ایک کی اکیسوں کی تمام صفات مجتمع
تجتمع الیوم فی لحد فان اجتمع نہیں دیکھتا ہوں، اگر کسی میں دو صفیں علم اور
فیہا خصلتان العلم والورع پر میری گواہی جمع ہو جائیں تو اس کو قاضی بنالیا جائے۔
ولی (ذکر) فلا تصح تولیۃ ”ذکر“ سے مراد یہ ہے کہ عورت کو والی بنانا درست نہیں
امراة لحديث البخاری لن اس کو بخاری کی حدیث کے مطابق (اپنے فرمایا) جس قوم نے اپنا
یفلح قوم ولوا امرهم امراة معاملہ عورت پر دیا وہ کبھی فلاح نہیں پستے گی۔“

”المختصر خلیل“ میں واضح طور پر موجود ہے کہ قاضی کا مرد ہونا ضروری ہے۔ اور اس کے شارحین میں سے کسی ایک نے بھی اس شرط کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ شروح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا حوالہ دے کر عورت کے قاضی ہونے کی نفی کی ہے۔

علامہ ابوالبرکات احمد الدردیر کی الشرح البکیر پر علامہ شمس الدین محمد عرف الدسوتی نے جو حاشیہ لکھا ہے۔ اس میں ”باب فی القضاء“ کے تحت منقول ہے۔

لا انشی ولا خنشی عورت اور محنت قاضی نہیں ہو سکتے۔

شرح میں وضاحت کر دی گئی ہے۔

فلا یصح تولیتها للقضاء ولا اس کا قضاء کی والی بننا درست نہیں اور نہ ہی

ینفذ حکمها لہ اس کا اس میں حکم جاری ہوگا۔

مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل

المختصر کی یہ شرح امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن المغربی المعروف بالخطاب المتوفی ۵۰۵ھ کی تالیف ہے۔ اہل علم کا یہ معمول رہے کہ محدثین اور فقہاء کی شرح کا حوالے دیتے وقت شارحین کی آراء سے مستفید ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور محققین کا دستور یہ رہا ہے کہ کسی مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے ”مالہ و ما علیہ“ کو سامنے رکھتے ہوئے حق کو واضح کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ یعنی اس مسئلے کے بارے میں اہل علم کے تمام اقوال کو پہلے نقل کرتے ہیں اور پھر قرآن و سنت کی روشنی میں حق واضح کر دیتے ہیں۔ لیکن عورت کی سہراہی کی حمایت کرنے والے اہل بصیرت محققین ”روشن خیال“ حضرات کا اسلوب یہ ہے کہ جو بات ان کے خلاف جاتی ہے، اس کو انہوں نے نظر انداز یا مسخ کرنے کی کوشش کی ہے اور جہاں ان کو دجل و فریب کے سہارے اپنے موقف کی تائید کرنے کی گنجائش نظر آئی تو اس کو میج ثابت کرنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں کو بغیر شرم و حیا صرف کر دیا ہے۔

مواہب الجلیل کے حوالے میں بھی اسی کمال کا مظاہرہ ہے۔ امام خطاب نے ”باب القضاء“ میں (ذکر) یعنی قاضی کے لئے مرد ہونا شرط ہے۔ اس کی شرح میں لکھا ہے۔

قال في التوضيح وروى ابن
ابن مريم عن ابن القاسم
جواز ولاية المرأة قال ابن
زرقون اظنه فيما تجوز
فيه شهادتها قال ابن
عبد السلام لا حاجة لهذا
التأويل لاحتمال ان يكون
ابن القاسم قال كقول الحسن
والطبري باجازه ولايتها القضاء
مطلقا۔

اس نے توضیح میں کہا اور ابن ابی مریم نے
ابن القاسم سے عورت کے قاضی ہونے
کا جواز روایت کیا ہے۔ ابن عرفہ نے
کہا کہ میرا گمان ہے کہ ان معاملات میں
عورت کا قاضی ہونا جائز ہے کہ جس میں
اس کی شہادت مقبول ہے ابن عبد السلام
نے کہا کہ اس تاویل کی ضرورت اس احتمال
کی وجہ سے نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ابن القاسم
نے من اور طبری کے قول جیسی بات کہی ہو کہ
عورت کو قاضی بننے کی مطلقا اجازت ہے۔

پھر امام خطاب نے مختصا انداز میں ابن زرقون کے قول کو راجع یوں کیا ہے۔

(قلت) الاظهر قول ابن

زرقون لان ابن عبد السلام
قال في الرد من شذوذ المتكلمين
وقال الفسق لاينا في القضاء
ومالئته وهذا ضعيف جدا
لان العدالة شرط في قبول
الشهادة والقضاء اعظم
حرمة منها۔

اور میں یہ کہوں کہ متکلمین میں سے جس کا
مخالفہ قول اور فیصلہ یہ ہے کہ فاسق ہونا
قضا کے منافی نہیں۔ ابن عبد السلام نے اس
کا رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بات بہت
ہی ضعیف ہے۔ اس لئے کہ شہادت کے
مقبول ہونے میں عادل ہونا شرط ہے اور قضا کی
حرمت تو اس سے بہت زیادہ ہے۔

اہل علم کے اقوال نقل کرنے کے بعد امام خطابؒ نے اپنا فیصلہ ان الفاظ میں صادر کیا۔

(قلت) فجعل ما هو مناف میں کہتا ہوں کہ ابن عبد السلام نے جس بات کو
للشهادة مناف للفضا فکما شہادت کے منافی سمجھا وہی قضا کے منافی ہے
ان النکاح والطلاق والحدود پس جس طرح نکاح، طلاق اور حد میں عورت
لا تقبل فیہا مشہاد تھا فکذلک کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ اسی طرح ان مسائل
لا یصح فیہا قضاء ہا میں اس کا قاضی ہونا درست نہیں۔“

امام خطابؒ نے یہ ساری بحث عہدہ وقضاء کے لئے ”المختص“ میں جو شرط رکھی گئی ہیں ان میں ”قاضی کا مرد ہونا“ کے تحت کی ہے۔ یہاں عورت کے اسلامی ملک کا سربراہ ہونے کا کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ اور ابن القاسم کے حوالے سے امام مالکؒ کے جس قول کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہاں بھی دکھائی نہیں دیتا۔ لفظ تاویل کے ساتھ لوگس کا اضافہ کرتے ہوئے خیال نہ آیا کہ یہ علمی دیانت کے خلاف ہے۔ فقہ مالکیہ کی کتب نے واضح کر دیا ہے کہ عورت قاضی نہیں بن سکتی کیونکہ قاضی کے لئے مرد ہونا شرط ہے اور رحمت اللہ طارق کا امام مالکؒ اور فقہائے مالکیہ کے بارے میں یہ تاثر دینا کہ وہ عورت کی سربراہی کے حق میں تھے۔ ان پر بہتان عظیم ہے۔ دنیا میں روشن خیال حضرات کو شاید کچھ فائدہ حاصل نہ ہو جائے لیکن ایسی علمی خیانت کا اللہ کے ہاں جا کر ان کو ضرور جواب دینا ہوگا۔

علامہ شیخ محمد الشرنبلی الخطیب الشافعی

صحیح مسلم کے شارح امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النوزی المتوفی ۶۷۶ھ کی ”منہاج“ کی شرح میں

علامہ الخطیب الشافعی نے امام نوویؒ کی قاضی کے لئے بیان کردہ شروط کو یوں نقل کیا ہے کہ وہ مسلم، مکلف، آزاد، مرد، عادل، سُننے والا، بیٹا، اچھی طرح بولنے والا مجتہد ہو۔

پھر مرد ہونے والی شرط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عورت قاضی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس قوم نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کیا وہ ہرگز فلاح نہیں پائے گی۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ اس لئے کہ عورتیں عقل اور دین میں ناقص ہیں اور اس میں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابن جریر کے قول کو رد کرنے کا اشارہ ہے کیونکہ انہوں نے مشروط اور مطلقاً عورت کی قضا کو جائز سمجھا ہے۔

امام ابن جریر اور امام مالکؒ کے اقوال پر پہلے بھی کافی شافی بحث ہو چکی ہے۔ یہاں صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ جمہوریت کے دعویدار جمہور کے فیصلے کو کس بیدوی کے ساتھ پامال کر رہے ہیں۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کا فیصلہ

تو سن خیال حضرت نے عورت کی سربراہی کو ثابت کرنے کے لئے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کی اس قیادت کو دلیل بنایا ہے جو انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے قصاص میں کی تھی۔ ان کی اس دلیل کی جو حقیقت ہے۔ گروہ اس پر میرا حل بحث ہو چکی ہے۔ لیکن ایک امدادِ مالہ پیش کرنے کے بعد عورت کے قاضی ہونے کے بارے میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کا فیصلہ نقل کیا جائے گا۔

امام محمد بن عبد الوہابؒ المتوفی ۲۴۵ھ نے خلافتِ علی بن ابی طالب کے باب میں جنگِ جمل کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ کا فیصلہ کے بارے میں لکھا ہے۔

وكانت بعد ذلك اذا ذكرت
سیرها هذا بكت حتى قبل
دموعها خمارها وتقول
يا ليتني كنت نسيا منسيا و
لوددت اني مت قبل ذلك
بعشرين سنة له
”اس کے بعد (بصرہ) جانے والی بات ان کو
جب یاد آتی تو اتنا روتیں کہ ان کے آنسوؤں سے
ان کی اورٹھنی تر ہو جاتی۔ اور وہ کہتیں،
کاش کہ میں بھولی بسری ہو گئی ہوتی۔ اور
یہ پسند کرتی ہوں کہ میں سال پہلے مَر
گئی ہوتی۔“

اپنی جس قیادت پر وہ خود نادم تھیں اور اس کے یاد آتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو
جایا کرتے تھے۔ اس قیادت کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

علامہ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی ایک کتاب جمع البواع ہے۔ جو چند سال قبل تک
غیر مطبوع تھی لیکن اب جامعہ ازہر والے اس کی تخریج و طبع میں مصروف ہیں۔ اس کتاب کے قلمی نسخہ کی دوسری جلد
میں ”ادب الامیر من الکمال“ کے تحت الدیلمی کے حوالے سے حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

لا تكون المرأة حكما تقضى بين العامة۔ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے عورت حکم نہیں ہو سکتی
یہی روایت علامہ علاء الدین علی المتقی بن حاتم الدین البغدادی البریلانی فوری المتوفی ۵۷۹ھ نے بھی نقل کی ہے۔
حضرت عائشہؓ منہلقہ کے فیصلہ کے بعد ”روشن خیال“ حضرات کے لئے اپنی بہت دھرمی پر قائم رہنے کا
کوئی جواز باقی نہیں رہتا اور ان کو یہ بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ شیطان نے اپنی برتری کو ثابت کرنے
کے لئے غلط قیاس کیا تھا جس کی وجہ سے وہ یحییٰ و مرقدہ ہوا۔ لہذا آج بھی جو اس کی راہ کو اپنائے گا۔ اس کا
انجام بھی اسی کے ساتھ ہوگا۔

وما علينا الا البلاغ واخرد عولنا ان الحمد لله رب العالمين

مصادر و مراجع

مصنف	کتاب	مطبع
۱. تَفْزِيلُ مِمَّنْ رَّبِّ الْعَالَمِينَ	القرآن الہیکم	
۲. امام محمد بن اسماعیل البخاری	الصحيح البخاری	مطبع نور محمد اصح المطابع کراچی
۳. امام ابوالحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری	الصحيح مسلم	مطبع اصح المطابع کراچی
۴. امام الحافظ سیلمان بن الاشعث	سنن ابی داؤد	مطبع اصح المطابع کراچی
۵. امام الحافظ ابو عبد الرحمن احمر بن شعیب الشانی	سنن الشانی	المکتبة السلفية لاہور
۶. امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	سنن ابن ماجہ	مطبع نور محمد کراچی
۷. امام احمد بن حنبل	مسند احمد	المکتبة الاسلامی بیروت
۸. امام راغب اصفہانی	مفردات القرآن	المعتمد کتب کلاہور
۹. امام اسماعیل بن کثیر القرطبی الشافعی	تفسیر ابن کثیر	سہیل اکیڈمی لاہور
۱۰. امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی	الجامع الاحکام القرآن	دار الکاتب العربی مصر
۱۱. امام جلال الدین سیوطی	الدر المنثور	محمد امین درج بیروت
۱۲. امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری	جامع البیان	مطبعة مصطفى البابي مصر
۱۳. امام قحطالدین الرازی	تفسیر کبیر	مطبعة عامره استنبول
۱۴. امام احمد مصطفی الرازی	تفسیر الرازی	مطبعة مصطفى البابي مصر
۱۵. امام علاؤ الدین علی بن محمد الخازن	تفسیر الخازن	دار الکتاب العربیہ پشاور
۱۶. امام عبد اللہ بن احمد بن محمود النسخی الحنفی	تفسیر النسخی	دار الکتاب العربیہ پشاور

۱۷	امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی	تفسیر فتح القدر	مطبع مصطفیٰ البابی مصر
۱۸	امام ناصر الدین عبداللہ بن عمر البیضاوی	تفسیر البیضاوی	مطبعة مصطفیٰ البابی مصر
۱۹	امام جبار اللہ محمود بن عمر الرمضانی	تفسیر الکشاف	دار الکتب العربیہ بیروت
۲۰	امام شہاب الدین محمود آلوسی	تفسیر روح المعانی	ادارہ للطباعة المیزانیہ مصر
۲۱	امام ابوعلیٰ محمد بن علی بن سدرۃ الترنذی	جامع الترنذی	قرآن محل کراچی
۲۲	امام ابو عبد اللہ الحاکم النیشاپوری	المستدرک	مکتب المطبوعات الاسلامیہ بیروت
۲۳	امام حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی	فتح الباری	المطبعة السلفیہ القاہرہ
۲۴	علامہ عبدالرحمن المبارک پوری	تحفۃ الاحوذی	مطبوعہ بیروت
۲۵	امام محمد بن یوسف بن علی بن محمد بن سعید الکوانی	الکرمانی	دار احیاء التراث العربیہ بیروت
۲۶	امام احمد عبدالرحمن البسنہ الساعانی	الفتح الربانی	دار الحدیث القاہرہ
۲۷	امام ابو یوسف عبداللہ بن یحییٰ بن ہمام الصنعانی	مصنف عبدالرزاق	دار القلم بیروت
۲۸	مولانا ابوطیب شمس الحق	عون المعبود	دار الکتب العربیہ بیروت
۲۹	امام ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہیل الحریری	المبسوط	ادارۃ القرآن للعلوم الاسلامیہ کراچی
۳۰	امام علی بن عمر الدراقطی	سنن الدراقطی	مطبوعہ المیزان المنورہ
۳۱	امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی السبیعی	السنن الکبریٰ	دار صادر بیروت
۳۲	امام علاء الدین ابوبکر بن سعد الکاسانی الخفی	بدل الصنائع	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۳۳	امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہ	مصنف ابن ابی شیبہ	
۳۴	امام ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن خسر	الحلی بن خسر	ادارہ الطباعۃ المیزانیہ مصر
۳۵	الشیخ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی	الاستبصار	دار الکتب الاسلامیہ تہران

۳۶	ایشیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق الکلینی	الکافی	دارالکتب الاسلامیہ تہران
۳۷	ایشیخ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بابویہ القمی	من لایحضرہ الفقیہ	مکتبۃ الصدوق، تہران
۳۸	امام محمد زکیہ الشافعی	کتاب الام	دارالمعرفۃ - بیروت
۳۹	علامہ عبدالرحمن الجزیری	کتاب الفقہ علی مذاہب اربعہ	المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر
۴۰	امام علی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب	مشکوٰۃ المصابیح	اصح المطابع کراچی
۴۱	ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطبات	خطبات بہاولپور	اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
۴۲	علی ودینی مجتہد	مجتہد فکر و نظر	ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد
۴۳	امام ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ	المغنی ابن قدامہ	الجمہوریۃ العربیہ، مصر
۴۴	امام محمد بن عبد اللہ بن الشکافی	نیل الاوطار	مطبوعہ مصطفیٰ البابی، مصر
۴۵	امام محمد بن عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی	سنن الدارمی	النظام الواقع، بیروت
۴۶	الحافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی	حلیۃ الاولیاء	دارالکتب العربیہ، بیروت
۴۷	ایشیخ حسین بن محمد بن الحسن الزیاد بکری	تاریخ الخفیس	مؤسسۃ شعبان، بیروت
۴۸	علامہ ابن اثیر ابو الحسن علی بن محمد الجزیری	تاریخ الکامل	دارالکتب العربیہ، بیروت
۴۹	امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری	تاریخ الاحم و المملوک	دار العلم، بیروت
۵۰	علامہ عبد الرحمن بن محمد بن خلدون	تاریخ ابن خلدون	مؤسسۃ الاعلیٰ، بیروت
۵۱	محمد قاسم فرشتہ	تاریخ فرشتہ	شیخ علام علی ایثار سنز، لاہور
۵۲	علامہ سید امیر علی	تفسیر مواہب الرحمن	ادارہ نشریات اسلام لاہور
۵۳	علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی	تفسیر المنہج	بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ
۵۴	مولانا سید محمد حسن محدث دہلوی	احسن التفسیر	المکتبۃ الاستغنیہ، لاہور

۵۵	مولانا عبد الماجد دیابادی	تفسیر ماجدی	تاج کپنی لمیٹڈ لاہور
۵۶	امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان النجہی	میزان الاعتدال	دار احیاء الکتاب العربیہ مصر
۵۷	الحافظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی	تہذیب التہذیب	دار صادر بیروت
۵۸	حکومت پاکستان	روزنامہ امروز	لاہور
۵۹	حکومت پاکستان	روزنامہ پاکستان ٹائمز	لاہور
۶۰	الحافظ اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی	البدایہ والنہایہ	مکتبہ المعارف بیروت
۶۱	امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی	الاحکام السلطانیہ	دار الکتب العربیہ بیروت
۶۲	ایشیخ السید علی بن عثمان بجوری	کشف المحجوب	شیخ غلام علی ایڈیٹرز لاہور
۶۳	علامہ جمال الدین ابومحمد عبد اللہ بن یوسف الرطبی	نصب الرایہ	دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور
۶۴	امام عبد اللہ محمد بن ابی بکر ابن قحیم البوزیہ	اغاثۃ اللہقان	مطبعہ مصطفیٰ البابی مصر
۶۵	علامہ برہان الدین المرغینانی	المہدایہ	نہانی کتب خانہ لاہور
۶۶	مدیر مسئول۔ اقتدار احمد	ہفت روزہ "نہا"	سمن آباد لاہور
۶۷	رحمت اللطاف	عورت اور مسئلہ امارت	ادبیات اسلامیہ ملتان
۶۸	الحافظ ابن حجر عسقلانی	صدی الساری	ادارہ الطباعة المینریہ
۶۹	امام ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن زہبی	تذکرۃ الحفاظ	محمد امین دوج بیروت
۷۰	ایشیخ علی بن سلطان محمد القاری	مرقاۃ المصابیح	مکتبہ مدریہ ملتان
۷۱	امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری	الادب المفرد	محبت الدین المظہب القاہرہ
۷۲	محمد بن اسحاق ندیم	الفہرست (اردو)	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
۷۳	امام ابوالعباس شہاب الدین احمد بن محمد العسقلانی	ارشاد الساری	دار احیاء التراث العربیہ بیروت

Free downloading facility of Videos, Audios & Books for DAWAH purpose only, From Islamic Research Centre Rawalpindi

۹۳	علامہ السید محمد امین المعروف ابن عابدین	فتاویٰ الشافعی تفسیر ترجمان القرآن	مطبعہ الکبریٰ لا میرہ مصر
۹۴	امام محمد بن محمد بن سلیمان النفاسی المغربي	جمع الفوائد	المکتبۃ الاسلامیہ - لائل پور
۹۵	امام محمد بن اسماعیل الکملانی العسقلانی	سبل السلام	المکتبۃ التجاریہ الکبریٰ مصر
۹۶	محمد بن دہلوی شاہ ولی اللہ	حجتہ البالغہ	المطبعۃ المصریہ السنیہ
۹۷	امام جلال الدین السیوطی	جمع الجوامع	العسقلی
۹۸	امام صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی	خلاصۃ التہذیب الکمال	المکتبۃ الاثریہ ساکنگاہ لہ
۹۹	امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی	المکاشف	دار المکتبۃ الحدیثیہ - قاہرہ
۱۰۰	حافظ ابن حجر عسقلانی	تقریب التہذیب	دار نشر المکتبۃ الاسلامیہ، گوجرانوالہ
۱۰۱	علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی	تدریب الراوی	دار نشر المکتبۃ الاسلامیہ، لاہور
۱۰۲	الدکتور مصعبی الصالح	علوم الحدیث	کتب خانہ محمدی، کوئٹہ
۱۰۳	امام ابو خضر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد العسقلی	کتاب الضعفاء الکبیر	دار المکتبۃ العلمیہ بیروت
۱۰۴	امام ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم	کتاب الطریح والتعلیل تلخیص لمحافظ الذہبی	دار الاعم - بیروت
۱۰۵	امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی	المکالم لابن عدی	دار الفکر
۱۰۶	امام ابو عبد اللہ اسماعیل بن ابراہیم البخاری	تاریخ الکبیر	دار الباز - مکہ المکرمہ
۱۰۷	امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر بن القیم الجوزیہ	زاد المعاد	مطبعہ مصطفیٰ ابابنی - مصر
۱۰۸	امام ابو یوسف عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم عثمان بن ابی شیبہ	مصنف ابن ابی شیبہ	
۱۰۹	السید زینب بنت علی بن حسین بن عبد اللہ	المد المنثور	مطبعہ الکبریٰ لا میرہ مصر
۱۱۰	عمر رضا کمالہ	اعلام النساء	مؤسسہ الریالیہ بیروت
۱۱۱	غیر الدین الزکلی	اعلام الزکلی	مطبعہ کواستانسواس - الظاہر

- ۱۱۲ تقي الدين عباس احمد بن علي المقرئ المتوفى ۸۴۵ھ الخط المقرئ مؤسسہ الحلبي شرکاء القاهرہ
- ۱۱۳ ڈاکٹر فرید ایم شافعی فطری آف انفریشن - مصر
- ۱۱۴ پنجاب یونیورسٹی اردو دائرہ معارف دانش گاہ پنجاب - لاہور
- ۱۱۵ ابو الفلاح عبد الحی بن العماد الجنبلی شذرات الذهب مکتبہ القدسی بکوارالازہر مصر
- ۱۱۶ امام جمال الدین ابوالحاج یوسف بن الزکی عبد الرحمن بن تہفۃ الاشراف دارالباز ، مکہ مکرمہ
- یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ
- ۱۱۷ علامہ ابو الفضل جمال الدین محمد بن کرم ابن منظور لسان العرب دارصادر - بیروت
- ۱۱۸ امام البصا ص المتوفی ۳۷۰ھ احکام القرآن مطبعہ الاوقاف الاسلامیہ
- ۱۱۹ العلامة شیخ محمد علیش شرح منہ الخلیل علی مختصر مکتبہ النجیح
- العلامة خليل طرابلس - ليبيا
- ۱۲۰ علامہ شہاب الدین الرملی نہایۃ المحتاج مطبعہ مصطفی البابی
- المتوفی ۱۰۰ھ فی شرح المنہاج الحلبي واولاده - مصر
- ۱۲۱ علامہ عبد الرؤف المناوی فیض القدير مطبعہ مصطفی محمد - مصر
- ۱۲۲ روایۃ الامام سنون بن سعید التنوخی عن الامام المدونۃ الکبری المطبعہ الخیریت
- عبد الرحمن بن القاسم
- ۱۲۳ الشیخ محمد الشرنی الخلیب مغنی التاج شرح ابن النبیج دارالفکر
- ۱۲۴ شیخ صالح عبد السمیع الابی الازہری جوامع الخصال مطبعہ صلی البابی الحلبي - مصر
- عاشق الدہلوی علی الشرح الکبیر صلی البابی الحلبي - مصر
- اسلامی ریاست اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ - لاہور
- ۱۲۷ مولانا ابوالاعلیٰ السمودی

۱۲۸	شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان	وفیات الاعیان	المطبعة امیر - قم
۱۲۹	امام ابو حاتم محمد بن حبان، المتوفی ۳۵۴ھ	صحیح ابن حبان	مؤسسة الرسالة
۱۳۰	امام ابو بکر عبد اللہ بن الدیر الحمیدی	مسند الحمیدی	المکتبة السلفية - المدینة المنورة
۱۳۱	امام ابو بکر محمد بن اسحاق ابن خزیمہ، المتوفی ۳۱۱ھ	صحیح ابن خزیمہ	المکتب الاسلامی - بیروت
۱۳۲	امام عبد الوہاب الشمرانی	لوائح الانوار القدسیہ	مکتبة مصطفى البابی - مصر
۱۳۳	پرویز	مفہوم القرآن	ادارہ طلوع اسلام - لاہور
۱۳۴	السید سابق	فقہ السنۃ	دارالکتب العربی - بیروت
۱۳۵	علامہ احمد بن محمد بن علی، المتوفی ۴۰۰ھ	کتاب المصباح المئیر	مطبعة الامیریز - القاہرہ
۱۳۶	جبران مسعود	الرائد	دارالعلم للملایین - بیروت
۱۳۷	امام ابو بکر عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن المدنی	حجۃ الامۃ فی اختلاف ائمہ	مطبعة مصطفى البابی - مصر
۱۳۸	امام ابو الموارث عبد الوہاب بن احمد بن علی الانصاری	المیزان الکبری	مطبعة مصطفى البابی - مصر
۱۳۹	امام ابو الموارث عبد الوہاب بن احمد بن علی الانصاری	کشف الغمہ	مطبعة مصطفى البابی - مصر
۱۴۰	مولانا اشرف علی تھانوی	تفسیر بیان القرآن	تاج پبلی میسٹری - لاہور
۱۴۱	مدیر مسئول حافظ عبد القادر درود پوری	تنظیم المحدث	لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ

وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى

آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ

اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ

مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى

آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ



مُصَنَّف کی دُوسری تصنیفات

— شیخ الاسلام حضرت مولانا شمس الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ

— جنازے کے مسئلہ

— انکم ٹیکس کی شرعی حیثیت

— قادیانی لاہوری مرزا کی اسلامیت کے خلاف دلائل

— آخری چہار شب کی تاریخی حقیقت

04951

— رجب کے کوثر

— رجب کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے غیر شرعی فیصلے کا علمی جائزہ

— پریس پر پابندی کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر

— کفن پر دعائیہ کلمات لکھنے کی اہل

ملنے کا پتہ

— نعمانی کتب خانہ ، اردو بازار ، لاہور

— مکتبۃ السلفیہ ، شیش محل روڈ ، لاہور

— مسجد مبارک ، اسلامیہ کالج ، ریلوے روڈ ، لاہور

— سُبْحانی اکیڈمی ، اردو بازار ، لاہور

